خصوصی اشاعت بیادگار : مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

آج ہر مسلمان مرد وزن کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کے اسلاف کے ذریعہ ایمان و اسلام کی جو امانت ان کو ملی ہے اس کو اپنی آئندہ نسل تک پہنچائے، اور جس طرح ان کے والدین نے ان کو مسلمان اور صاحب ایمان بنایا ہے اسی طرح وہ اپنی اولاد کو مسلمان اور صاحب ایمان بنائے، تبھی اسلام کی یہ دولت محفوظ رہے گی اور آئندہ نسل تک بخیر وخوبی منتقل ہوگی۔

مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

قیمت : ₹300

سالانہ زرتعاون 300

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی چند مقبول و معروف کتابیں

مکتوبات حضرت مفکر اسلام

مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ دراصل حضرت مولانا کی ان خدمات اور کوششوں کا تذکرہ ہے جواب تک نہ کسی کتاب میں شامل ہیں اور نہ عام لوگوں کے علم میں ہیں، ان خطوط کے ذریعہ دعوت دین کے خادموں کو رہنمائی بھی ملے گی اور موثر طریقہ کار کی وضاحت بھی

مرتب : مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مکمل سیٹ 6 جلد قیمت: 2000

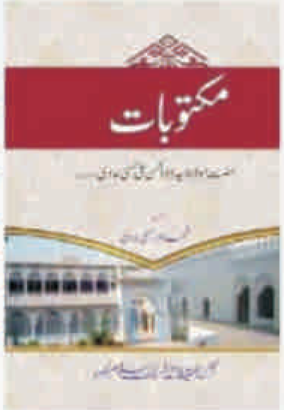

تذکرہ
حضرت سید احمد شہیدؒ

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی، آپ کے اصلاحی تجدیدی کارنامے برصغیر ہندو پاک کی سب سے بڑی تحریک اصلاح و جہاد کی روداد۔

مصنف: مولانا حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

قیمت: 150

سیرت امہات المومنین

امہات المومنین کے مبارک تذکروں اور انکی مبارک زندگی کے تربیتی پہلوؤں کو پیش کرنے والی ایک اہم کتاب

مصنف: مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

قیمت: 130

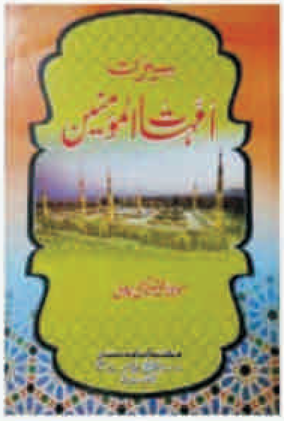

تذکرہ صحابیات

صحابیات اکرام کے مبارک تذکروں پر مشتمل ایک بہترین کتاب جو کہ امت مسلمہ کی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی تربیت میں ایک معاون کے طور پر مدد دیتی ہے۔

مصنف: مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

قیمت: 160

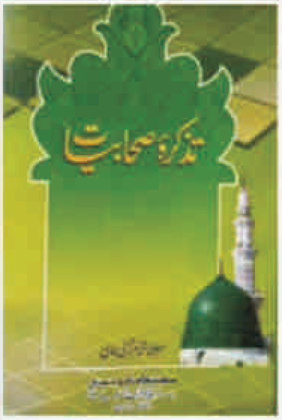

درسی، غیر درسی، دینی
واصلاحی کتابوں کا مرکز۔

مکتبہ اسلام

روف مارکیٹ گوئن روڈ لکھنؤ انڈیا

MAKTABA-E-ISLAM

177/41, Rauf Market, Gwynne Road, Lucknow-226 018

: +91 9453949221 : maktabaeislam@gmail.com

Web Site :
http://rizwanmagazine.in

بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

مارچ تا جون ۲۰۲۲
March, April, May, June
2022

خواتین کا ترجمان

زیر سرپرستی
جانشین مفکر اسلام مرشد الامت
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم العالیہ
(سرپرست مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن لکھنؤ)

شمارہ نمبر ۳، ۴، ۵، ۶ — جلد نمبر ۶۶

ایڈیٹر
سید رشید احمد حسنی ندوی
Mobile : 9794498983

مجلس مشاورت
- میمونہ حسنی
- جعفر مسعود حسنی
- مفتی مسعود حسن
- عائشہ حسنی

مجلس ادارت
- شمامہ حسن حسنی
- منصور حسن حسنی
- خلیل احمد حسنی
- سید سعید احمد حسنی ندوی

سالانہ زر تعاون

برائے ہندوستان :	۳۰۰ روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک :	۳۰ امریکی ڈالر
فی شمارہ :	۳۰ روپے
لائف ٹائم خریداری :	۸۰۰۰ روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پر لال چٹ پڑی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہونے سے قبل رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

قارئین رضوان سے گذارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کر سکتے ہیں۔
Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18
Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 20511010005299
IFSC Code : BMCB0000049

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان
۵۴/۱۷۲، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ
پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸

Rizwan (Monthly)
172/54, Mohammad Ali Lane
Gwynne Road Lucknow
Pin:226018- Mobile: 9415911511, 9794498983

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے کاکوری آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر لکھنؤ، فون: 9792913331

فہرست مضامین

- یارب دل حمزہ کو ایمان و یقیں سے بھر .... حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ..... 7
- اللہ کے نام سے .... سید سعید احمد حسنی ندوی 9
- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر .... حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ 12
- عزیزی مولوی سید محمد حمزہ حسنی ندوی .... حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی...... 13
- آہ! مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی مرحوم .... مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی اعظمی......... 16
- ایک مخلص عالم و منتظم کی رحلت .... مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی 18
- خموشی گفتگو ہے، بے زبانی ہے زباں میری .... مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہریؒ 20
- مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ ولادت سے وفات تک .... مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی 23
- مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ .... مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی......... 47
- برادر محترم مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ .... مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی 54
- مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ نقوش و تأثرات .... مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی 61
- حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ شرافت اور...... .... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی 68
- سلف کی یادگار، فراہدنہ شان کی حامل شخصیت .... مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی 71
- مرد مومن و مرد حق شخصیت .... مولانا عبد العلیم فاروقی......... 74
- مرا دوست مجھ سے بچھڑ گیا.....! .... مولانا عبد العلی فاروقی 76
- حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی مرحوم .... مولانا قاری سید حبیب احمد صاحب باندوی... 81
- ملت اسلامیہ ایک گوہر نایاب سے محروم .... مولانا محمد فضل الرحیم مجددی 83
- منقبت مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ .... سید ابوالحسن علی حسنی 85
- مولانا محمد حمزہ حسنیؒ: ایک ہمہ جہت شخصیت .... مولانا مفتی راشد حسین ندوی......... 86
- مولانا حمزہ حسنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ .... مولانا عبد السبحان ناخدا ندوی مدنی......... 88
- مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی یاد میں .... ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی 90
- آہ! مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ .... مولانا شکیل احمد اعظمی ندوی (بحرین).... 93

- آہ! حمزہ بھائی رحمۃ اللہ علیہ .... مولانا عمیر الصدیق ندوی 95
- نفس مطمئنہ کی علمی تصویر: جناب مولانا حمزہ حسنی ندویؒ .... مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری 100
- انما حمزہ فلا باکی لہٗ .... مولانا شاہ عین الحیدری کاکوروی 102
- میرے ہمدم، میرے دوست، میرے رفیق، میرے بھائی .... مولانا محمد حسان نعمانی ندوی 105
- حمزہ بھائی .... مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی 115
- مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ .... مولانا محمد ناصر سعید اکرمی 118
- مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ: کچھ یادیں کچھ باتیں .... مولانا قاضی سید مشتاق علی ندوی 123
- ایک شمس تھا سر آسماں .... جناب قطب اللہ ندوی 125
- وفا اور حلم وتواضع کے پیکر .... مولانا ممشاد علی قاسمی 128
- مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے .... جناب امتیاز علی علوی 130
- کچھ یادیں، کچھ باتیں .... مولانا جمال احمد اعظمی ندوی 132
- خراج عقیدت .... محمد زاہد حسین زاہد ندوی 135
- مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ: چند تاثرات ومشاہدات .... مولانا خالد رشید فرنگی محلی 136
- مولانا سید حمزہ حسنی ندویؒ: تاثرات ومشاہدات .... مولانا نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی 137
- اخلاص وللّٰہیت اور تقویٰ وخشیت کے پیکر مولانا حمزہ حسنی ندویؒ .... جناب محمد زبیر فریدی علیگ 140
- ایک زاہد ومتقشف اور متقی شخصیت .... مفتی سید مسعود حسن حسنی ندوی 144
- ہمارے ماموں جان- کیسا دیکھا کیسا پایا .... سید منصور حسن حسنی ندوی 149
- اچھے ماموں- کچھ ان کہی باتیں .... محمد اصطفاء الحسن ندوی کاندھلوی 151
- اچھے ماموں .... مولانا عمیر حسنی ندوی 155
- مولانا حمزہ حسنی ندویؒ: شخصیت کے مختلف پہلو! .... مولانا عبد الباری فاروقی 157
- مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ .... طارق شفیق ندوی 159
- ایک مرد دانا وبینا .... مولانا فیصل بھٹکلی 162
- مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ: اپنے پیغامات کی روشنی میں .... محمد وثیق ندوی 163
- مولانا سید محمد حمزہ حسنیؒ: یادوں کے آئینے میں .... مولانا سلمان نسیم ندوی 166
- مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ: میدان علم ومعرفت کی .... مولانا محمد فرمان ندوی 170

- حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنیؒ ایک عظیم انسان اور ...... قاری طٰہٰ اطہر ندوی 174
- پس مرگ زندہ ...... محمد نفیس خاں ندوی 178
- ندوہ کا مدبر اور منتظم چل بسا ...... مولانا محمد نصر اللہ ندوی 182
- ایک بلند مقام شخصیت ...... مولانا محمد ارمغان بدایونی ندوی 184
- میرے مشفق و مربی: حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنیؒ دیار رحمت میں ...... جناب محمد کلام الدین ندوی 186
- حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنیؒ کے دور انتظام کا ایک سرسری جائزہ ...... محمد اسحاق ندوی، سیتاپوری 190
- قابلِ فخر شخصیت اور لائق رشک کارنامے ...... مولانا محمد جاوید اختر ندوی 195
- فن صحافت کا ایک روشن چراغ بجھ گیا ...... مولانا محی الدین ندوی 198
- ''وہ ماہتاب تھا نہ رہا'' ...... حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب 201
- مولانا حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل مشن ...... مولانا ذکی نور عظیم ندوی 203
- والد ماجد علیہ الرحمہ: نقوش و یادیں ...... سید رشید احمد حسنی ندوی 205
- چچا ابو ...... مولانا خلیل احمد حسنی ندوی 214
- اہل علم و ادب کا نذرانۂ عقیدت ...... رپورٹ: مولانا عبد الرزاق ندوی 219
- مولانا سید حمزہ حسنیؒ: خموشی سے جو اپنے کام ہی سے کام رکھتے ہیں ...... مولانا عظم شرقی ندوی 223
- مولانا سید حمزہ حسنی ندوی: چند یادیں چند باتیں ...... مولانا طارق شمسی 226
- جناب مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی صاحب جوار رحمت میں ...... محمد قمر الزماں ندوی 228
- ماموں صاحب کی تربیت و شفقت کے سائے میں ...... سید محمد الحسنی 231
- حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنیؒ: ایک ہمہ جہت شخصیت ...... ابو الحسن علی فاروقی 233
- خانوادۂ علم اللہی اور دار العلوم ندوۃ العلماء ...... محمد بن یوسف ندوی 235
- خطوط بنام مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ ...... حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ 236
- تعزیتی خطوط و تأثرات بنام مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم و تعزیتی نشستیں 238
- تعزیت ...... حضرت مولانا شاہ قمر الزماں الہ آباد 239
- لمحوں میں دن گذر گئے فصل بہار کے ...... محمد مرتضی سلفی ندوی 252

یارب دل حمزہ کو ایماں و یقیں سے بھر

حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

رحمت کی نظر مجھ پر اے مالک و داتا کر
رحمت کے ترے صدقے بس باب کرم وا کر

صدقے میں خدایا تو سرکار دو عالمؐ کے
محروم تمنا کی اب زندہ تمنا کر

میں عاجز و ناکارہ آیا ہوں ترے در پر
تو رحم و کرم فرما عاجز پہ ترس کھا کر

حمزہ ہے ترا بندہ محتاج ترے در کا
تو اس پہ کرم اپنا اے مالک و مولا کر

یارب دل حمزہ کو ایمان و یقین سے بھر
عرفانِ محبت دے مالک اسے اپنا بنا کر

تو عمر میں برکت دے ایمان کی دولت دے
دے صدق و صفا اس کو اور علم میں یکتا کر

آلائشِ دنیا سے اس کا تو بچا دامن
تو لعل و گہر فرما تو لؤ لؤِ لالا کر

ہے عام تری بخشش مشہور کرم تیرا
ظلمت سے بچاتا ہے تو نور کو برسا کر

یارب دل حمزہ کو ایمان و یقین سے بھر
عرفانِ محبت دے مالک اسے اپنا کر

بوبکرؓ و عمرؓ کا سا تو صاحبِ ایماں کر
عثمانؓ و علیؓ جیسا تو عاقل و دانا کر

تو ذہن مجلّا کر تو قلب مصفّا کر
تو پاک زباں فرما، تو جسم مزکی کر
صحت بھی عطا فرما، عزت بھی عطا فرما
کر نیک عمل اس کا اخلاق میں اعلا کر

یارب دل حمزہ کو ایمان و یقین سے بھر
عرفانِ محبت دے مالک اسے اپنا کر

نمرود کی دنیا میں دے اس کو براہیمی
فرعون کی دنیا میں یارب اُسے موسیٰ کر
اسلام کا خادم کر پابند شریعت کر
گمراہ نہ کر یارب تو راستہ دکھلا کر
دے ضربِ کلیم اس کو دے عشق خلیل اس کو
سرکار دوعالم کا تو نقش کفِ پا کر

یارب دل حمزہ کو ایمان و یقین سے بھر
عرفانِ محبت دے مالک اسے اپنا کر

میں لے کے شکستہ دل آیا ہوں ترے در پر
کر دیر نہ یارب تو دے مجھ کو نہ تڑپا کر
تو ہی نہ سنے گا جب فریاد و فغاں میری
تو کس کو سناؤں میں روداد الم جا کر
حمزہ ہے میرا لڑکا میرا ہے جگر گوشہ
تو اسے ہر نفس رطب اللسان اپنا کر

یارب دل حمزہ کو ایمان و یقین سے بھر
عرفانِ محبت دے مالک اسے اپنا کر

○○○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(اداریہ)

اللہ کے نام سے

سید سعید احمد حسنی ندوی

ماہنامہ ''رضوان'' کا یہ خصوصی شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہے، یہ ماہنامہ مسلسل چھ دہائی سے گھر گھر علم ودین کی روشنی بکھیر رہا ہے، بچیوں میں اگر دینی روح پھونک رہا ہے تو ان کی ماؤں کو دینی جذبہ سے سرشار کررہا ہے، ایک طرف خواتین کو اسلامی تعلیمات سے متعارف کرارہا ہے تو دوسری طرف بچوں اور بچیوں کی تربیت کا سلیقہ بھی ان کے اندر پیدا کررہا ہے، زبان انتہائی سادہ، مضامین عام فہم اور موضوعات وقت کے مطابق اور خواتین کے مزاج کی پوری رعایت۔

یہ ۱۹۵۶ء کی بات ہے جب جد محترم مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد میدان عمل میں قدم رکھا، گاؤں گاؤں کا دورہ کیا، لوگوں سے ملاقاتیں کیں، حالات کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ صورتحال انتہائی نازک ہے، لوگ دین سے بالکل بے گانہ ہیں، بچوں میں تعلیم کی کمی ہے، بڑوں میں شعور کا فقدان ہے اور خواتین نے دین کو صرف بدعات ورسومات تک محدود کررکھا ہے۔

مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ سمجھتے تھے کہ بچوں کی پہلی تربیت گاہ ماں کی گود ہوتی ہے، ایک صالح معاشرہ کی تشکیل میں ماں کا رول سب سے زیادہ موثر ہوتا ہے اور اسلاف کے واقعات سے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے، لہٰذا اگر خواتین پر توجہ دی جائے، ان کی ذہن سازی کی جائے، ان کو دین سے قریب کیا جائے، تو اس سے بڑی حد تک جہالت کا خاتمہ ہوسکتا ہے، علم کی روشنی پھیل سکتی ہے، خواتین میں شعور پیدا ہوسکتا ہے اور نسل نو کی دینی وایمانی تربیت کی راہ کھل سکتی ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب خواتین کے مزاج کو سامنے رکھ کر ان کے علمی معیار اور ان کی ذہنی سطح کے مطابق ایک دینی پرچہ نکالا جائے اور گھر گھر اس کو پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

اس بلند مقصد کی خاطر صرف اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے انتہائی عام فہم اسلوب میں ایک ماہنامہ ''رضوان'' نکالنے کا فیصلہ کیا، جذبہ دینی تھا، مقصد اعلیٰ تھا، ارادہ پختہ تھا اور کیوں نہ ہوتا، وہ تربیت یافتہ تھے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے، جو ایک طرف تحریک دعوت وتبلیغ کی سرپرستی فرمارہے تھے، دوسری طرف اپنے دروس سے طلباء کو نبوی میراث کا حقدار بنارہے تھے، تیسری طرف اپنے مواعظ اور مجالس سے لوگوں کے دلوں کی سرد انگیٹھیوں کو گرم کررہے تھے۔

حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نہ صرف ان کے تربیت یافتہ تھے؛ بلکہ مجاز بیعت بھی تھے، فراست ایمانی سے لبریز شیخ

طریقت نے اپنے شاگرد کے باطنی اوصاف وکمالات کا مشاہدہ کرلیا تھا، ان کو اجازت بیعت دے کر میدان عمل میں اترنے کا اشارہ دے دیا تھا۔

حضرت مولانا محمد ثانی حسنی ندویؒ نے ستمبر ۱۹۵۷ء میں پہلا شمارہ "رضوان" کے نام سے نکالا "رضوان" نام قرآن کریم کی آیت "**ورضوان من اللّٰہ اکبر**" سے ماخوذ ہے، اس سلسلہ میں ان کو پوری سرپرستی حاصل تھی اپنے ماموں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور اپنی خالہ اور کئی کتابوں کی مصنفہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کی، مالی تنگی تھی، وسائل معدوم تھے، کام محنت طلب تھا اور وہ زمانہ ایسا تھا کہ لوگوں کو دینی پرچوں سے کچھ زیادہ دلچسپی بھی نہ تھی، نہ پڑھنے کا رواج تھا نہ خریدنے کا مزاج، مگر ارادوں کی صلابت، جذبات کی طغیانی اور نسل نو کی تربیت کی فکر نے ہر مشکل کو آسان کردیا، دشواریوں کو خس وخاشاک کی طرح ہوا میں اڑادیا، اور یہ ثابت کردیا کہ جذبہ دینی ہو، عزائم بلند ہوں، ارادے پختہ ہوں اور سوچ مثبت ہو تو راہ میں حائل پہاڑ بھی روئی کے گالے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

۱۹۸۲ء تک یہ ماہنامہ تسلسل کے ساتھ نکلتا رہا، لیکن جب ۱۹۸۲ء میں حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی ندویؒ کا انتقال ہوگیا تو خطرہ ہوگیا کہ شائد اب اس ماہنامہ کی اشاعت رک جائے اور اس کا فیض بند ہوجائے، مگر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ اس کا فیض عام ہوتا رہے، اس کی خوشبو پھیلتی رہی، چنانچہ ولی صفت والد کے ہونہار اور لائق فرزند والد ماجد مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ نے اپنے والد کے خلا کو پُر کردیا، ان کی جگہ سنبھال لی، ان کے جذبہ کو اپنے اندر سمولیا، ان کے ارادوں کو اپنے اندر جذب کرلیا اور عزم مصمم کرلیا کہ اس ماہنامہ کی اشاعت اسی طرح جاری رہے گی اور اس کا فیض اسی طرح عام ہوگا، چنانچہ انہوں نے اس ماہنامہ کی اشاعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا، دفتر رضوان کو اپنا مسکن بنالیا، گفتگو تھی تو ماہنامہ "رضوان" کی، دھن تھی تو اس کی اشاعت کی، جذبہ تھا تو نسل نو کی تربیت کا، عزم تھا تو ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کا، انہوں نے اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد اس ماہنامہ کی ادارت سنبھال لی، اب اس کے اداریے ان کے قلم سے نکلنے لگے، وہی انداز، وہی سادہ اسلوب، وہی طرز تحریر، وہی اسلوب کی دلکشی، وہی جذبہ، وہی فکر، وہی تڑپ، لوگ پڑھتے اور متاثر ہوتے اور ان کے اداریوں کا اثر قبول کرتے۔

والد ماجد مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ نے اپنے دور ادارت میں متعدد خصوصی شمارے نکالے، جن کا نکالنا اس وقت آسان نہ تھا، لیکن انہوں نے ان کی افادیت کو محسوس کیا، ان کی ضرورت کو سمجھا اور مشکلات پر قابو پاتے ہوئے اپنی محنت اور جانفشانی سے بڑی کامیابی کے ساتھ یہ خصوصی شمارے نکالے، جیسے "ماں" نمبر "خلفاء راشدین" نمبر "مولانا محمد ثانی حسنی" نمبر "صحابیات" نمبر "امہات المومنین" نمبر "خواتین اور خدمت دین" نمبر "مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ" نمبر، سیرت نبوی نمبر، خیر النساء بہتر نمبر، امۃ اللہ تسنیم نمبر، بیت المقدس نمبر، فلسطین نمبر، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نمبر، مولانا محمد الحسنی نمبر۔

یہ ہم آپ سب جانتے ہیں کہ خدا کے ہاں وہی کام مقبول ہوتا ہے جو اخلاص کے ساتھ کیا جائے اور اس سے صرف اس کی

رضا اور خوشنودی چاہی جائے، ارشاد نبوی ہے: "ان اللّٰہ تعالیٰ لا یقبل من العمل الا ما کان له خالصا وابتغی به وجهه" (الجامع الصغیر) اللہ تعالی اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص اس کے لیے انجام دیا گیا ہو اور اس سے اس کی رضا اور خوشنودی مطلوب ہو، یہ اسی اخلاص کا نتیجہ اور برکت ہے کہ سخت مالی دشواریوں کے باوجود چھیاسٹھ سال کے پورے عرصہ میں کسی ماہ بھی اس ماہنامہ کی اشاعت کا سلسلہ نہیں رکا، اس ماہنامہ کی اشاعت کا مقصد چونکہ صرف دینی اور دعوتی تھا اور مقصود اس سے رضائے الٰہی تھا تو اگر کبھی یہ خطرہ محسوس ہوتا کہ اب شائد اس پرچہ کی اشاعت کے سلسلہ کو جاری رکھنا ممکن نہ ہو سکے گا تو کئی بار والد ماجد نے اپنی ذاتی رقم سے اس کی اشاعت کو ممکن بنایا، یہ ان کی وہ قربانی تھی جس کی مثال ملنا مشکل ہے، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ نے اپنی زندگی انتہائی تقشف کے ساتھ گذاری اور ایسی گذاری کہ اسلاف کی یاد تازہ کردی، سچ تو یہ ہے کہ وہ اس شعر کا حقیقی مصداق تھے:

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سربلندی
میں اسی لیے مسلماں، میں اسی لیے نمازی

والد ماجد انتہائی سادہ او ور زاہدانہ زندگی گذار کر ۲۴؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ بروز جمعہ عصر مغرب کے درمیان اپنے مالک کے حضور پہنچ گئے۔

ماہنامہ رضوان کا یہ خصوصی شمارہ جوان کے نام سے موسوم ہے، والد ماجد کی زندگی کے مختلف گوشوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور ہر گوشہ ایسا ہے جس سے قاری اپنی زندگی میں فائدہ اٹھا سکتا ہے، ایسی شخصیتیں جن کو کاموں کا اتنا وسیع میدان ملا ہو اور اتنے تجربات سے جو گزرے ہوں اور سیاسی، ملی، دینی، تعلیمی میدانوں میں جنہوں نے نمایاں خدمات انجام دی ہوں، ان کا تذکرہ نہ صرف یہ کہ ضروری ہو جاتا ہے؛ بلکہ وہ اپنے قاری کو بہت کچھ دیتا بھی ہے۔

ہم اپنے قارئین سے معذرت خواں ہیں کہ اس خصوصی شمارہ کو منظر عام پر آنے میں خاصی تاخیر ہوگئی، اس خصوصی شمارے کے مضامین والد ماجد کے بھانجے ہمارے بڑے بھائی مولانا محمود حسن حسنی ندویؒ دیکھ رہے تھے، طبیعت کی ناسازی مسلسل کام کرنے میں حائل تھی، اس لیے تاخیر ہوتی گئی، پھر ان کی طبیعت گرتی گئی اور کاتب تقدیر کا فیصلہ ہوا اور انہوں نے جان جان آفریں کے سپرد کردی، ان کا سانحہ ارتحال ہمارے پورے گھر کے لیے ایک بڑا صدمہ تھا، وہ نہ صرف ہمارے والد ماجد کے حقیقی بھانجے تھے؛ بلکہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے معاون ومددگار بھی تھے، اللہ تعالی ان کی لحد پر انوارات کی بارش فرمائے۔

امید ہے کہ قارئین کرام اس عذر کو قبول فرمائیں گے، اور اس شمارے سے فائدہ اٹھائیں گے۔

○○○

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

نمونۂ تحریر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

اللہ کے سوا جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق ہے وہ سب کا خالق ہے ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق کی تخلیق میں بھی ہزاروں مصالح پوشیدہ ہیں۔ کسی مخلوق کے اختیار میں یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ مخلوق خدا کی کسی جنس کو مٹا سکے سوا اس کے کہ خالق خود ہی چاہے۔ پس یہ شرک وکفر، بدعت وضلالت بھی مخلوق باری ہیں ان میں سے کسی کو مٹا ڈالنا یہ کسی کے بس کی بات نہیں اور ہماری اور آپ کی کیا یہ تو کسی نبی اور رسول کی بھی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ کفر وشرک کو مٹا ڈالے اس کا کام تو انتہائی کوشش، جدوجہد، ہمدردی و دلسوزی کے ساتھ پیغام خداوندی کو مخلوق خدا تک پہنچا دیتا ہے اور افہام وتفہیم سے رافت ومحبت سے ترغیب وترہیب سے حکمت ودعا سے مخلوق خدا کو راہ پر لانے کی کوشش کرگزرتا ہے اور بس۔

کفر پھیل رہا ہے، شرک عام ہو رہا ہے، بے حیائی تہذیب کا جزو بن رہی ہے۔ مکر وفریب، دانشمندی کا ثبوت بن رہا ہے، جھوٹ کو سچ کر دکھانا، جعل کو اصل بنا دینا کمال سمجھا جانے لگا ہے، واعظین کی تقریریں پکار رہی ہیں، مصنفین کی تصنیفیں اعلان کر رہی ہیں، دینی رسالوں کے مضامین چلا رہے ہیں۔ یہ حق ہے یہ باطل ہے یہ روا ہے یہ ناروا ہے۔ مگر مخلوق خدا ہے کہ اس کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ وہ دوزخ کا رخ کئے ہوئے ہے، تو کیا ہم کو تھک کر بیٹھ جانا ہے؟ نہیں، جب شیطان جو ہزاروں بار منھ کی کھا چکا ہے اور کھاتا رہے گا وہ اپنی کوشش میں غفلت نہیں برتتا تو ہم کیوں ہاریں۔ جب وہ ایسے کام پر مستعد ہے جس کی اس پر ذمہ داری نہیں ہے بلکہ بغض وحسد اور عناد کے سبب اس نے یہ لعنت اپنے سر منڈھ لی ہے تو ہم کیسے خاموش ہو سکتے ہیں جب کہ ہماری ذمہ داری ہے، نتیجہ کے ہم ذمہ دار نہیں۔ ہمارا کام تاحیات جدوجہد کی وصیت کرتے رہنا ہے، ان شاء اللہ سعید روحیں ضرور استفادہ کریں گی اور ہم بہرحال باجور ہوں گے اور اگر ہم نے ہاتھ پیر ڈال دیئے تو مواخذہ اور پکڑ کا اندیشہ ہے اس لئے تمام دینداروں سے ہماری یہ اپیل ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں تاحیات مشغول رہیں اور ایک دوسرے کا تعاون کرتے رہیں۔

بات پہنچانے کے مختلف مواقع ہوتے ہیں بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ اس وقت زبانی عرض کئے گئے۔ چند جملے وہ کام کرگزرتے ہیں جو ہزاروں کتابوں سے نہ بنتے اور بسا اوقات کمرے کی تنہائی میں کسی کتاب یا رسالے کا مضمون دل میں اتر کر ایسی کایا پلٹ کر دیتا ہے جو ہزاروں تقریریں نہ کر پاتیں۔ پس ہم کو کوئی موقع کھونا نہ چاہئے ہر وقت چوکنا رہنا چاہئے ضرورت پڑے تو ہماری زبان کام کرے اور ضرورت پڑے تو ہمارا قلم چل پڑے۔ نیز پڑھے لکھے افراد کو معتبر کتابیں اور سنجیدہ رسائل کے مطالعہ کا مشورہ دینے میں ہماری زبان ہرگز دریغ نہ کرے۔ خود اپنے اندر سے عیب نکالتے ہوئے ہم میں کا ہر فرد سنجیدگی کے ساتھ معاشرے کی خرابیوں پر تبصرہ کرنے کے بجائے سارے انسانوں کو عموماً اور اپنے بھائیوں کو خصوصاً خرابیوں پر غور کرنے ان کے نقصانات کو سمجھنے اور پھر ان کے ترک کرنے پر سنجیدگی کے ساتھ آمادہ کرنے کی کوشش کریں۔

○○○

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم

ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

عزیزی مولوی سید محمد حمزہ حسنی ندوی

ماہ رمضان المبارک اور اس کے بعد ندوہ کو کئی اہم اور کارگزار شخصیات کے حادثۂ وفات سے دوچار ہونا پڑا، اور ایک مہینہ کے مختصر عرصہ میں متعدد رفقاء کار اور ندوہ کے ذمہ دار افراد ہم سب کو چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جاملے، جن میں عزیزی وعزیز القدر مولوی سید محمد حمزہ حسنی ندوی جن کو اب مرحوم لکھنا پڑ رہا ہے، وہ صرف میرے بھتیجے ہی نہیں تھے بلکہ دین و ملت کے کاموں میں شریک وسہیم تھے، ان کے نہ رہنے سے دوہرا نقصان ہوا ہے لیکن سب مقدرات کے ساتھ ہوتا ہے، اس سے اپنے رب رحیم سے طلب تسکین کی جاتی ہے، دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے اور اسی سے دینی وملی نقصان کو سامنے رکھتے ہوئے دعا کی جاتی ہے کہ جو نقصان ہوا اس کی تلافی حاصل ہو اور یہ رب رحیم وکریم سے بعید نہیں۔

فی الفور ندوہ کے متعلقین و منتسبین اور دین وملت کی خدمت سے وابستہ حضرات پر جو اثر پڑا ہے، وہ فطری ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی کرم والی ہے وہ تسکین بھی دے گی، بہتر سال کی عمر میں معمولی علالت کے بعد 24 رمضان 1442ھ مطابق 7 مئی 2021ء کو وفات پائی اور اپنے مالک حقیقی کے حضور حاضر ہوئے۔

عزیزم مرحوم نے ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ (عتق من النار) کے خیر الایام جمعۃ الوداع کے آخری لمحے میں عصر ومغرب کے درمیان داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے مالک حقیقی سے جاملے، مہینہ بھی مبارک، دن بھی بابرکت اور وقت بھی مبارک، اور پھر پچیسویں شب میں ان کی نماز جنازہ احاطہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں نماز عشاء تراویح کے بعد مہتمم دارالعلوم مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے ادا کی اور مسجد شاہ علم اللہ کے شمالی جانب اپنے عم مکرم مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں مدفون ہوئے جہاں ایک طرف مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ محمد ہدیٰ فرزند حضرت شاہ علم اللہ ہیں۔

مرحوم نے تقریباً پانچ دہائی سے ماہنامہ ''رضوان'' کی ادارت سنبھال رکھی تھی جس میں وہ شروع میں اپنے عظیم القدر والد اور میرے برادر معظم مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ شریک رہے اور ان کی وفات کے بعد مارچ 1982ء جمادی الاولیٰ 1402ھ سے ادارت کی پوری ذمہ داری ان ہی پر آئی اور رسالہ پر سخت اور مشکل حالات بھی آئے مگر انہوں نے پرچہ کو جاری رکھا اور الحمدللہ ہمیشہ وقت پر نکلتا رہا، اور مضامین کے انتخاب میں رسالہ کے مزاج کا پورا خیال رکھا گیا، صحابیات نمبر، امہات المومنین نمبر، خلفاء راشدین نمبر، مسجد اقصیٰ وفلسطین نمبر اور ماں نمبر کے علاوہ امۃ اللہ تسنیم نمبر، مولانا سید محمد ثانی حسنی نمبر اور مولانا سید محمد الحسنی نمبر یادگار ہیں۔

ان شاء اللہ ''رضوان'' کی خصوصی اشاعت بھی سامنے آئے گی جس میں ان کے کاموں اور خدمات کو پیش کیا جائے گا، وہ اس رسالہ کے نگراں بھی تھے، مولوی سید محمد حمزہ حسنی ندوی کا حادثۂ وفات کئی نوعیتوں سے بہت محسوس کیا جانے والا حادثہ ہے، وہ ہم اہل خاندان کے لئے جہاں ایک خاندانی حادثہ ہے، وہیں ندوۃ العلماء کے تعلق سے ایک ملی خسارہ بھی

ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں انہوں نے ابتدائی تعلیم سے لے کر عالی اور علیا تعلیم کے مراحل بھی اچھے انداز سے پورے کئے اور فضیلت میں حدیث کا موضوع اختیار کیا، پھر وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بعض سفروں میں رہے، جن میں ایک سفر ملک کا بھی تھا جو عرب امارات، ریاض اور حجاز مقدس کا تھا، اس سفر میں میں بھی ساتھ تھا، اور عزیز مرحوم کی سعادت مندی اور بعض دوسری خوبیوں کا مشاہدہ ہوا جہاں مدینہ منورہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی شرف نیاز حاصل ہوا تھا جن سے عزیز موصوف کا بیعت وارادت کا بھی تعلق تھا، چونکہ برادر معظم مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ کے خواص اہل تعلق میں تھے، اس کا فائدہ عزیز مرحوم کو حاصل ہوا، وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اندرون ملک بھی چند سفروں میں ساتھ رہے، ان میں ایک اہم اور مبارک سفر بھوپال کا ہے جو ان کے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تکمیل تعلیم کے بعد کا ہے جہاں وہ حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے تھے اور اسی قیام بھوپال میں وہ مجالس حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے قلمبند کرائی تھیں جو "صحبتے با اہل دل" (ملفوظات حضرت شاہ محمد یعقوب مجددیؒ) کے نام سے مکتبہ الفرقان لکھنؤ سے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے طبع کرائی اور جس کے ہندوپاک سے متعدد ایڈیشن نکلے اور بہت مقبول ہوئے اور اس کی آخری مجلس عزیز مرحوم کے والد برادر معظم مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ہے۔

مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے جب دسمبر 1956ء کو ماہنامہ "رضوان" نکالا، اس وقت عزیز مرحوم کی عمر صرف 6 سال تھی کہ ان کی تاریخ پیدائش 15 دسمبر 1950ء ہے لیکن کم عمری سے ان میں لکھنے پڑھنے کا شوق تھا، اور اس شوق نے ان کو رسالہ میں دلچسپی کا ذریعہ بنایا پھر کچھ مدت کے بعد شریک ادارت اور اپنے والد معظم کی وفات کے بعد مستقل مدیر ہوئے اور مشکل حالات سے گذر کر وہ رسالہ کو وقت پر نکالنے میں کامیاب رہے، اس کے ساتھ مکتبہ اسلام کی جو ان کے والد کا قائم کردہ دارالاشاعت ہے، ذمہ داری بھی سنبھالی اور بعض درسی کتابوں کی اشاعت کے ساتھ اہم کتابوں کے بھی ناشر ہوئے، جن میں "کاروان زندگی" کی 7 جلدیں خاص طور پر لائق ذکر ہیں، اس کے علاوہ اپنے خاندان کے بعض افراد کی کتابیں بھی شائع کیں اور مولانا عبداللہ عباس ندوی مرحوم کی اہم کتاب "عربی میں نعتیہ کلام" کے بھی ناشر بنے، راقم کی کتاب "سماج کی تعلیم و تربیت" بھی ان ہی کی شائع کردہ ہے۔

خدمت و دعوت دین کا دائرہ کار ندوۃ العلماء سے ان کی علمی و انتظامی وابستگی کے بعد زیادہ وسیع ہوا جب وہ 1999ء میں اس کے ناظر عام (دفتر نظامت کے ذمہ دار) ہوئے، اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مجلس انتظامی نے ان کے دائرہ کو مزید وسیع کیا، ان کے اختیارات بڑھے اور عہدہ امین عام (سکریٹری) کا ہوگیا جس پر وہ تاحیات فائز رہے اور ابھی چار سال قبل ان کو مہتمم دارالعلوم مولانا سعیدالرحمٰن اعظمی ندوی کی تجویز پر نائب ناظم ندوۃ العلماء مقرر کیا گیا جس کی ارکان نظامت نے تائید اور پھر مجلس انتظامی نے توثیق کی، لیکن یہ ان کی سعادت مندی تھی کہ انہوں نے اتنے اختیارات حاصل ہونے کے باوجود اپنے بڑوں اور اساتذہ کا لحاظ رکھا اور بہت ضرورت پڑنے پر ہی نائب ناظم کا حق استعمال کیا، مولانا عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کو ان کے ادبی و صحافتی ذوق کی وجہ سے اور جو ذمہ دارانہ منصب حاصل تھا، "تعمیر حیات" کی نگرانی کی ذمہ داری بھی سپرد کی گئی اور اس ذمہ داری کو بھی انہوں نے بخوبی انجام دیا، ندوۃ العلماء کی تعمیر و

ترقی میں ان کے مشورے راقم کے لئے مفید ثابت ہوئے تھے، وہ اپنی رائے میں اصابت و صلاحیت رکھتے تھے لیکن اپنے بڑوں کی رائے کے ساتھ اپنی رائے دبا بھی لیتے تھے اور اس کا بار بار تجربہ ہوا، اپنی انتظامی مشغولیات کو انہوں نے تجارتی مشغولیت پر غالب رکھا اور اس کی وجہ سے انہیں تجارتی نقصان کا اندیشہ بھی ہوتا حالانکہ وہ ندوۃ العلماء کی خدمت بلامعاوضہ کررہے تھے اور ان کو جو مشاہرہ کی پیشکش ادارہ کی طرف سے ہوئی تھی اس کو انہوں نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے معذرت کرلی تھی کہ ہمارے خرچ کا انتظام ہے، ہم ندوہ کی خدمت کا معاوضہ نہیں لیں گے، یہ خدمت والدین مرحومین کے لئے ایصال ثواب ہے، اور وہ الحمدللہ تاحیات اپنے اس فیصلہ پر قائم رہے۔

ندوۃ العلماء کے علاوہ ان کے زیر نظامت چلنے والے رائے بریلی میں دو ادارے مدرسہ بدرالعلوم اور مدرسہ اصلاح المسلمین بھی ہیں جس کے وہ پہلے سے ذمہ دار چلے آرہے تھے اور مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر تیندوا کے بھی وہ اپنے محترم چچا مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مرحوم کے معاون و نائب کی حیثیت سے ذمہ دار تھے، اس کے علاوہ مولانا محمد ثانی حسنی لائبریری، مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی اور اس کے تحت چلنے والے اداروں کی رہنمائی کرتے تھے جن کے وہ ایک طرح سے بانی کی حیثیت رکھتے تھے، مولانا امتیاز احمد ندوی کی وفات کے بعد اس کے جنرل سکریٹری بھی ہوگئے تھے، اپنے وطن رائے بریلی کے قصبات واطراف میں اصلاحی ودعوتی دورے بھی کئے اور جب مسلم مجلس کا قیام عمل میں آیا تو اس سلسلے میں سیاسی رہنمائی بھی عوامی سطح پر کی تھی، ان کی بہت سی خوبیوں کا علم ان کی وفات کے بعد ہوا جو ان کے لحاظ، تعلق اور نیازمندانہ مزاج اور کم سخنی کی وجہ سے ان کی زندگی میں نہیں ہوسکا تھا، انہوں نے دو بیٹے عزیزان رشید احمد و سعید احمد یادگار چھوڑے جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تعلیم یافتہ ہیں۔

اپنی ترقیات میں محب مکرم ڈاکٹر عماد الرحمن نشاط رکن مجلس نظامت بدرالدین مقیم نئی دہلی (وفات ۲۵ر رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ) ماسٹر اطہر حسین خالدی معتمد مال ندوۃ العلماء (وفات ۲۳ر رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ) مولانا محمد حشیم عثمانی ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ، مولانا نور عالم خلیل امینی مدنی ایڈیٹر الداعی دارالعلوم دیوبند اور مولانا قاری سید محمد عثمان منصورپوری معاون مہتمم دارالعلوم دیوبند وغیرہ کے امام بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سبھی کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، اور اونچا مقام عطا فرمائے۔ آمین

ماہنامہ رضوان کے بارے میں تفصیلات

(فارم نمبر ۸ کے مطابق)

مقام اشاعت :	۲/۵۴ ۱/۷ محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ - ۱۸
وقفہ اشاعت :	ماہنامہ
پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر :	رشید احمد حسنی
ملکیت :	مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن
قومیت :	ہندوستانی
پتہ :	۲/۵۴ ۱/۷ محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ - ۱۸

میں رشید احمد حسنی اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میری سمجھ کے مطابق درست ہیں۔

دستخط
رشید احمد حسنی

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی اعظمی
بانی جامعہ اسلامیہ مظفر پور قلندر پور اعظم گڑھ
و معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ

آہ! مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی مرحوم

۷؍ مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ بعد نماز عصر جو خاص وقت استجابت دعا ہے، اچانک یہ خبر دی گئی کہ عزیز گرامی مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء جو ادھر عرصہ سے علیل چل رہے تھے، اچانک اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف رخصت ہوئے، **انا لله وانا اليه راجعون.**

یہ بہت سعادت کی بات ہے کہ ان کا ارتحال ماہ مبارک کے آخری جمعہ کے روز ہوا، جس کے بہت سے فضائل حدیث شریف میں وارد ہیں، علامہ ابن قیم نے ۳۵ رفضائل بیان کیے ہیں۔ اس قحط الرجال میں مولانا سید حمزہ حسنی جو اس وقت ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے دست و بازو کی حیثیت رکھتے تھے، کے انتقال کا حادثہ دار العلوم ندوۃ العلماء اور پوری جماعت کے لیے بہت بڑا حادثہ ہے، اس ناچیز سے بھی وہ اپنی طالب علمی کے زمانے سے اخیر تک غایت درجہ محبت رکھتے تھے اور یہ عکس تھا ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمہ اللہ کا جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کے خاص خلفاء وتلامذہ میں سے تھے جو اس ناچیز پر غایت درجہ شفقت فرماتے تھے، اس ناچیز نے مولانا سید حمزہ حسنی مرحوم کو جامعہ اسلامیہ مظفر اعظم گڑھ کا نائب صدر منتخب کیا تھا، اس لیے جامعہ اسلامیہ کے لیے بھی ایک بڑا سانحہ ہے، ان سے بہت سے تعلیمی وانتظامی کاموں میں مدد ملتی تھی، اس طرح جامعہ اسلامیہ کا دار العلوم ندوۃ العلماء سے گہرا تعلق رہا ہے، اللہ کرے کہ ان کا کوئی مناسب بدل مل جائے۔

اس حادثہ پر صبر اور برداشت کرنے کے لیے غیر معمولی ہمت درکار ہے اور خاصان خدا کے سوا عام انسانوں کے لیے اس طرح کا حادثہ برداشت کرنا آسان نہیں، اللہ تعالی حضرت اقدس مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء اور ان کے پورے گھرانے کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور جنت کے اونچے مقام پر سرفراز فرمائے۔ یہ بہت سعادت کی بات ہے کہ ان کا ارتحال ماہ مبارک کے آخری جمعہ کے روز ہوا جس کے بہت سے فضائل حدیث شریف میں وارد ہیں، علامہ ابن قیم نے ۳۵ رفضائل بیان کیے ہیں، مولانا محمد حمزہ حسنی رحمہ اللہ اپنے والد صاحب کی بہت سی خصوصیات وکمالات کے حامل تھے۔

ان کو اپنے والد مرحوم سے دل روشن کی امانت بھی ملی تھی، ان کے والد مرحوم ہمارے استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ اور خلفاء میں تھے، اسی طرح حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی صحبت میں رہنے سے ان میں کافی جلا پیدا ہوئی تھی، ندوہ کا شعار ہے کہ زبان ہوشمند کے ساتھ دل روشن ضمیری کی دولت سے بھی وہ مالا مال ہوں، خود ندوہ کے بانی حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمہ اللہ کا اپنے زمانے میں ہندوستانی علماء میں بہت اونچا مقام تھا، ایک طرف وہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمہ اللہ کے اجل خلفاء میں شامل تھے جن کے بارے میں حضرت نے بار بار اونچے کلمات فرمائے، دوسری طرف حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے حدیث شریف میں خاص شاگرد تھے، حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ وہ جامع شخصیت ہے جن سے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے والد بھی وابستہ تھے، اور حضرت مولانا حکیم عبد الحی حسنی رحمہ اللہ کے بھی شیخ ہیں، اسی طرح حسنی خاندان کا تعلق عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۲۳ھ سے بھی ہے، مولانا حمزہ حسنی مرحوم

کے والد کے دادا جو ایک باوجاہت، باأثر شخصیت کے حامل تھے، وہ حضرت گنگوہیؒ سے وابستہ تھے، حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ ''تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''ہماری صدی کے آغاز میں اگرچہ انگریزوں کے دم قدم سے مادیت کے قدم اس ملک میں جم گئے تھے اور اہل دل بڑے درد سے کہہ رہے تھے:

جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

پھر بھی عشق الٰہی کی کہیں کہیں دکانیں قائم تھیں، جہاں سے جذب وشوق اور درد ومحبت کا سودا ملتا تھا، ان دکانوں میں دو دکانیں خاص طور پر مرجع خاص وعام تھیں، ایک گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خانقاہ اور دوسرے گنج مرادآباد میں حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کی خانقاہ، دونوں نے اپنی اپنی جگہ درد ومحبت واتباع سنت کا بازار گرم کر رکھا تھا''۔

دونوں دکانِ عشق کا سلسلہ آگے چل کر اس خاندان حسنی سے مل جاتا ہے، اسی نسبت کے تعلق سے مولانا حمزہ حسنی مرحوم کے دادا کا نام رشید احمد رکھا گیا اور اس پورے گھرانے میں درد ومحبت، جذب ومستی، اتباع سنت، احترام اور حدیث نبویؐ کے ساتھ عشق کا نمونہ تھا، مولانا حمزہ حسنی مرحوم کی اسی گھرانے میں پرورش ہوئی تھی اور تربیت اپنے والد مرحومؒ جن کی بہت سی خصوصیات اور کمالات کے وہ حامل تھے، اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے حاصل کی تھی اور ان سب کے مربی حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ رہے ہیں، اس لیے مولانا حمزہ حسنی مرحوم کا تعلق بیک واسطہ حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے اور اپنے والد مرحوم کے واسطے سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے قائم رہا ہے، اس لیے ان بزرگوں کی نسبت ان کی طرف منتقل ہوئی تھی۔

اس لیے ان کو دار العلوم ندوۃ العلماء کی خدمت کے لیے جب مقرر کیا گیا تو ناظر عام بھی رہے، نائب ناظم بھی رہے؛ لیکن اپنے بزرگوں کے شعار کو قائم رکھا اور للہ فی اللہ خدمت انجام دیتے رہے اور حضرت ناظم صاحب مدظلہ کے احکام کو بہت خوبصورتی سے وہ نافذ کرتے تھے جو سب کے لیے قابل قبول ہوتی اور سب لوگ اس کو پسند کرتے۔

اس ناچیز کا ان سے تعلق ان کی طالب علمی کے زمانے سے رہا، انہوں نے تخصص حدیث کا شعبہ اختیار کیا، ندوہ میں مجھ سے ابوداؤد شریف پڑھی تھی اور ان سے بہت سے امور میں مشورہ لیتا رہا جس سے ان کی اصابت رائے کا میں قائل تھا، اس لیے اپنے جامعہ اسلامیہ کا نائب صدر بنا رکھا تھا، ان کا پرچہ ''رضوان'' بڑے مشکل حالات میں بھی نکلتا رہا اور انہوں نے اس کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی تھی، جس طرح ان کے والد مرحوم حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رہا، اس کو اس ناچیز کے ساتھ بھی قائم رکھا، ان کے مشورے ندوۃ العلماء کی تعلیمی وانتظامی ترقی میں بہت مفید ثابت ہوتے تھے، وہ ندوہ کی خدمت کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے۔

مولانا حمزہ حسنی مرحوم اردو زبان پر بھی اچھی قدرت رکھتے تھے، اس لیے ''تعمیر حیات'' کی نگرانی کے ذمہ دار بنائے گئے تو اس پر بھی ان کی نظر رہتی اور اچھے مشورے دیتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ سیاسی حالات پر بھی ان کی نظر تھی، لکھنؤ شہر کے اعیان سے ان کا ربط وضبط تھا، جس سے ندوہ جیسے ادارے کے لیے اس کی ضرورت تھی، وہ لوگ ان کی رائے ومشورے کو اہمیت دیتے تھے، بہرحال ان کی ذات:

درکفِ جام شریعت درکفِ سندان عشق

کی مصداق تھی۔

قضا وقدر کے فیصلے کے تحت اس دنیا سے آخرت کی طرف جانے پر جو خلا پیدا ہوا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو پورا فرمائے اور ان کی جگہ عزیز گرامی مولانا بلال حسنی ندوی کی تعیین سے امید ہے کہ ان شاء اللہ اس کی ذمہ داریوں کو اچھی طرح اسی نہج پر انجام دیں گے ان شاء اللہ، اور مولانا حمزہ حسنی مرحوم ان کے دونوں صاحبزادگان انہیں کے راستے پر چل کر علمی وروحانی ترقی کریں گے، **وما ذلك على الله بعزيز.**

☆☆☆

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ العالی

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء و چیف ایڈیٹر "البعث الاسلامی" لکھنؤ

ایک مخلص عالم و منتظم کی رحلت

ندوۃ العلماء کے نائب ناظم مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی چند ماہ کی علالت کے بعد ۷۱ سال کی عمر میں ۲۴ رمضان ۱۴۴۲ھ مطابق ۷ مئی ۲۰۲۱ء کو نماز عصر کے بعد احاطہ ندوۃ العلماء میں انتقال کر گئے، انا للہ و انا الیہ راجعون.

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی رحلت صرف خانوادۂ علم اللہی، خاص طور سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے لیے غم و فکر اور رنج والم کی باعث نہیں تھی، بلکہ یہ ندوۃ العلماء کے ایک عالم، اور اعلی منتظم کی رحلت تھی، جس کا اثر پوری ندوی برادری پر پڑا، ان کی وفات سے ندوۃ العلماء اپنے ایک مخلص سپوت سے محروم ہوگیا، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے بھتیجے اور داماد بھی تھے، ان کی ولادت دسمبر ۱۹۵۰ء میں ہوئی، اور ابتداہی سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے زیر تربیت رہے، گھریلو تعلیم کے بعد ثانویہ کی تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء میں حاصل کی، اور عالمیت و فضیلت کی سند حاصل کی، لکھنؤ یونیورسٹی سے بی اے بھی کیا، اور اپنے والد گرامی قدر حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کے متنوع علمی کاموں میں تعاون کرنے لگے۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کو مطالعہ کتب کا بہت شوق تھا، ان کے والد نے "مکتبہ اسلام" قائم کیا تھا، جہاں سے علمی، دینی کتابیں ہوتی تھی، یہ نصابی اور غیر نصابی کتابوں کی اشاعت کا ایک اہم مکتبہ ہے، اس کو جاری رکھنے میں مولانا حمزہ حسنی نے اپنے والد ماجد کا تعاون کیا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی سرگذشت (کاروان زندگی ۷ رجلدیں) کو خوبصورت انداز میں شائع کیا، اسی طرح سیرت و سوانح پر متعدد کتابیں شائع کیں، مناجات، اور ہاتف غیب، درود و سلام، ترانے اور نظمیں بھی شائع ہوئی، اپنے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی، محترمہ امۃ اللہ تسنیم، مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی، مخدومہ خیر النساء بہتر (والد و والدہ حضرت مولانا) کی کتابوں کے ساتھ دیگر مصنفین میں مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی، مولانا عبداللہ عباس ندوی، مولانا عاشق الٰہی بلند شہری، مولانا عبد السلام قدوائی، مولانا غلام رسول مہر، مولانا محمد اویس نگرامی ندوی وغیرہ کی کتابیں بھی شائع کیں اور ہندی میں بھی بعض کتابیں شائع ہوئیں، اس طرح "مکتبہ اسلام" ایک معیاری مکتبہ ہو گیا، جس کی ایک پہچان ہے، اور علم دین، اصلاح و تربیت کے پیاسے اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے خواتین کی اصلاح و تربیت کے لیے ۱۹۵۶ء میں ایک ماہنامہ "رضوان" جاری کیا تھا، اس ماہنامہ نے خاموشی کے ساتھ طبقہ نسواں میں اہم تعمیری خدمات انجام دی ہے، اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے، مولانا سید محمد حمزہ حسنی جو اپنے والد کی اکلوتی نرینہ اولاد تھے انہوں نے اس ماہنامہ کو جاری رکھنے اور اس کی اشاعت

کے دائرہ کو عام کرنے میں حصہ لیا، اور رسالہ کو اور زیادہ مفید بنایا، وہ چالیس سال تک اس کے ایڈیٹر رہے، اس درمیان انہوں نے کئی خاص نمبر نکالے، جن میں امہات المؤمنین اور صحابیات نمبر قابل ذکر ہیں، (اپنی بہنوں سے) کے عنوان سے وہ اداریہ لکھتے، وہ اداریہ ایک صفحہ میں ہوتا، لیکن پوری بات اس میں آجاتی تھی، وہ اداریہ کبھی کبھی پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' میں نقل کیا جاتا، ایک موقع پر دار العلوم کے ایک طالب علم محمد صادر نے اس کا عربی ترجمہ کیا تو ہم نے'' البعث الاسلامی'' میں شائع بھی کیا۔ میری اہلیہ (اللہ ان کو غریق رحمت فرمائے) اس رسالہ رضوان کی خریدار تھیں، وہ پابندی سے اس کا زر تعاون جمع کرتیں، اور رسالہ بھی گھر میں پورے اہتمام سے پہنچتا تھا۔ اور بچیوں اور خواتین کی اصلاح کا ذریعہ ہوتا تھا، اب بھی یہ جاری ہے، اور فیض یابی کا ذریعہ ہے۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نے ندوۃ العلماء میں ایک مخلص انسان کی زندگی گذاری، وہ اس کی مجلس انتظامی کے ۱۹۹۰ء میں رکن منتخب ہوگئے تھے، لیکن حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا سید عبد اللہ عباس ندوی کی تجویز پر ندوۃ العلماء کے ناظر عام منتخب ہوئے، پھر جب ندوۃ العلماء کے نائب ناظم مفتی محمد ظہور ندوی کا ۲۰۱۸ء میں انتقال ہوا تو میں نے انھیں نائب ناظم بنائے جانے کی تجویز رکھی، بحمد اللہ اس کو حضرات ارکان نظامت نے قبول کیا، اس طرح مولانا نے نائب ناظم کی حیثیت سے ندوۃ العلماء کی ذمہ داریاں سنبھالی، اور ندوۃ العلماء کے تمام امور میں پورے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ مشغول رہے اور ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کا تعاون کرتے رہے کہ ان کی وفات کا سانحہ پیش آیا۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کا ایک اہم تاریخی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے مکتوبات کو ۵؍جلدوں میں جمع کیا ہے، ہر جلد تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے، مزید جلدوں کو مرتب کر دیا تھا، لیکن ان کی اشاعت ابھی نہیں ہوسکی، انہوں نے اگرچہ حضرت مولاناؒ کی زندگی میں جمع وترتیب کا کام شروع کر دیا تھا، لیکن وفات کے بعد سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی سے اس کی صرف ۲؍جلدیں شائع ہوسکیں، ادھر حالیہ برسوں میں اس کام میں تیزی آئی، اور مجلس تحقیقات و نشریات اسلام نے اس کی از سر نو ۵؍جلدیں شائع کیں تو مولانا نے اس کا ایک سیٹ مجھے بھی بھیجا، یہ بلا شبہ علوم ومعارف کا خزانہ ہے، جس کے جمع کرنے کا عظیم کام مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی نے کیا ہے، مکتوبات میں مذکور تمام شخصیات کا جامع تعارف پیش کیا ہے، اور پیش آمدہ اہم واقعات کی تشریح وتوضیح کی ہے، مولانا نے مجھ سے بھی حضرت مولانا کے کچھ خطوط طلب کیے، میں نے ان کو دیے تو ان کو بھی پورے اہتمام اور تعارفی نوٹ کے ساتھ شائع کیا، میری خوش نصیبی رہی کہ مجھے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی شفقتوں کے سائے میں ۴۸ رسال گذارنے کا موقع ملا، اس درمیان متعدد خطوط حضرت مولانا نے مجھے لکھے، میں نے ان کو (مکاتیب مفکر اسلام) کے نام سے جمع کر دیا ہے، اور وہ مکتبہ فردوس سے شائع ہوگئے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

خموشی گفتگو ہے، بے زبانی ہے زباں میری

مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہریؒ

(سابق صدر شعبہ عربی ادب دارالعلوم ندوۃ العلماء)

خاموش اور بے زبان انسان ہے نام حمزہ حسنی!

جس خاندان میں 'میری بے زبان استانیاں'، اور 'زبان کی نیکیاں' نام کی کتابیں لکھی جائیں اور جہاں آواز کے بھی پردہ کا اہتمام ہو، وہاں کی فضاء میں پروان چڑھنے والے بچوں میں حمزہ حسنی اپنی الگ خصوصیات کے مالک تھے، انتہائی متحرک اور سرگرم عمل، جوانی میں کرکٹ کے شیدائی، اسے چھوڑا تو کانگریسی سیاست دانوں کے درمیان اٹھنا بیٹھنا ہوا، اسی میں ایک سرگرم لیڈر بہوگنا سے دوستی ہوگئی، ایسی دوستی کہ بہوگنا یوپی وزارت میں محکمہ مواصلات، ڈاک وتار کے وزیر بن گئے، اور وزارت کے منصب پر رہتے ہوئے حمزہ حسنی کی دعوت ولیمہ میں رائے بریلی شرکت کے لئے گئے، اس طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ربط ہوگیا، ایک تقریب سے بہوگنا ندوہ آئے تو ان سے مہمان خانہ سے متصل ایک زمین کے حصول کا تذکرہ ہوا، وہ عباسیہ ہال سے سیدھے زمین دیکھنے گئے، انہوں نے زمین دیکھ کر اعتراف کیا کہ یہ زمین آپ کے دارالعلوم کے لئے ضروری ہے، اگرچہ ندوۃ العلماء ہی نے رقم کی ادائیگی کی، لیکن قانونی اور ضابطہ کی کاروائی میں انہوں نے مدد کی۔ حمزہ حسنی مرحوم اس پورے معاملہ میں خاموش کردار ادا کرتے رہے، لیکن پردہ کے اندر۔

کرکٹ اور سیاست سے پیچھا چھوٹا تو ماہنامہ رضوان اور مکتبہ اسلام کی طرف متوجہ ہوئے، ساتھ تکیہ رائے بریلی میں آم اور امرود کے باغ کی طرف توجہ کی، لیکن وہ ضمنی کام تھا۔

ماہنامہ رضوان کا انتظام و انصرام، مکتبہ اسلام کو منظم کر کے کتابوں کی نشر و اشاعت میں لگ گئے، ہر ماہ پابندی سے اداریہ لکھنا، مضامین کو مرتب کرنا، خطوط کے جواب دینا، والد محترم مولانا محمد ثانی حسنیؒ کی وفات کے بعد گھر کا پورا انتظام مولانا حمزہ حسنیؒ کے کاندھوں پر آگیا، پکریا کی مسجد کے قریب چھوٹی سی گلی میں دو چھوٹے کمروں کے مکان میں سرد و گرم موسم میں قیام، جب تک حضرت مولانا کا قیام مرکز میں رہا دونوں وقت گھر سے کھانا اور ناشتہ پہنچانا بھی ان کا کام تھا۔

شہر کے منتخب لوگوں سے ان کے تعلقات ایسے قائم ہوگئے جو آخر تک رہے، ایسے حضرات میں ہر طرح کے لوگ تھے، ان حضرات سے مخلصانہ روابط ایسے ہوگئے کہ شادی غمی میں شرکت ہونے لگی، سنی وقف بورڈ کے رکن بنے تو مساجد کے نظام، ائمہ و موذنین کے حالات کو بہتر بنانے کے بڑے کام کئے، بھی خاموشی سے، نہ کبھی کسی پریس کانفرنس میں شریک ہوئے نہ پریس کے لئے کوئی بیان جاری کیا۔

غالباً یہ بات کسی کے علم میں نہ ہوگی کہ مولانا حمزہ نے جیسے ہی دارالعلوم کی مسجد کی تیسری توسیع کا اعلان کیا ان کے ایک دوست نے پہلے ہی ایک کروڑ کی رقم مولانا کے حوالہ کی کہ کہیں ہمارا نام نہ آنے پائے، اتفاق سے وہ صاحب ہمارے بھی دوست تھے، اس طرح معلوم ہوگیا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے پہلے سے ندوۃ العلماء کے پھیلے ہوئے کاموں کو دیکھ رہے تھے، پھر مجلس نظامت

نے ان کو باقاعدہ ناظر عام کی حیثیت سے تقرر کردیا تو معتمد مال پروفیسر وصی احمد صدیقی نے الاؤنس مقرر کرنے کی تجویز پیش کی، لیکن مولانا حمزہ نے سختی سے انکار کردیا، اور یہ کہ ہفتہ میں ہم صرف تین دن وقت دے سکتے ہیں، اس سے زیادہ نہیں۔ دیگر اراکین کی تجویز پر یہ طے ہوا کہ مولانا کو امین آباد سے لانے لیجانے کے لئے دارالعلوم کی گاڑی جایا کرے گی، پھر جب مولانا پورا ہفتہ دینے لگے جب بھی یہی صورت حال رہی، جناب مہتمم صاحب نے مجلس نظامت کے ایک جلسہ میں ناظر عام کی جگہ نائب ناظم کے طور پر ان کی تقرری کی تجویز پیش کی جو باتفاق رائے منظور ہوگئی، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مولانا جب کاغذات پر ان کو کسی بارے میں متوجہ کرتے تو ان کو ناظر عام ہی لکھتے رہے۔

مولانا نے نظامت کے پھیلے ہوئے کام کو منظم کیا، اشخاص کو بھی اور ان کے مناصب کو بھی تبدیل کیا، سالانہ تعلیمی اور انتظامی رپورٹ ہر شعبے سے طلب کرکے مکمل رپورٹ کے ساتھ بجٹ تیار کرتے، یہاں ہر قدم پر اپنے معاونین سے مشورہ کرتے، مجلس نظامت میں ان تجاویز پر بحث ہوا کرتی، یہ بجٹ سولہ سترہ کروڑ کا ہوتا ہے۔

مولانا کے شب وروز کی سرگرمیاں اس طرح تھیں: بیعت کے بعد مولانا حمزہ نے ذکر واذکار کے میدان میں بڑی ریاضت شاقہ اور مجاہدہ سے کام لیا، اس کی تکمیل کے بعد ہی عملی میدان میں آئے، ایثار وقربانی اور اخلاص واحتساب کی روح سے وہ کام کرتے، تہجد اور ذکر واذکار اور تلاوت کا اہتمام رہتا، ناشتہ کے بعد دفتر رضوان کا کام دیکھتے، پھر دارالعلوم آجاتے، اور یکسوئی سے مالی وانتظامی معاملات سے نمٹتے، کوئی بڑا کام حضرت کے مشورے کے بغیر نہ کرتے، دونوں بھائیوں سے عام طور پر مشورے ہوتے، وہ اپنے پیشرووں کی طرح اپنے حدود کے اندر رہتے ہوئے بڑوں سے مشورہ کرتے، دوسروں کے کاموں میں مداخلت سے گریز کرتے۔

تقریباً تین سال سے سخت آزمائش میں تھے، ہمیشہ اہل تعلق سے یہی کہا کرتے کہ خصوصی دعاؤں کا اہتمام کریں، ایک طرف دین وعقیدہ، دوسری طرف قرابت داری، مولانا نے دین ہی کو ترجیح دی، ذاتی طور پر انہوں نے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا، انتہائی اشتعال انگیز حرکات کو بھی برداشت کرلیا، جو اہانت کے درجہ کو پہونچ گیا، حضرت مولانا دامت برکاتہم تو استقامت کا پہاڑ تھے۔

اس راقم کا تعلق اس خاندان سے بہت قریبی اور طویل تھا، حضرت مولانا کا حال یہ تھا کہ ایک پن بھی اپنا رکھتے تھے، کارڈ اور لفافہ بھی اپنا، جبکہ وہ ناظر ندوۃ العلماء تھے، اور ڈاک کا بڑا حصہ ندوۃ العلماء کے امور سے متعلق ہوتا تھا، حضرت مولانا کو ان کے تعلق والوں نے کئی بار سواری کے لئے قیمتی گاڑیاں ہدیہ کیں، لیکن ڈرائیور کو حکم تھا ہمارے تمام نقل وحرکت کا حساب نظامت میں ہمارے نام سے لکھوادیا کریں، ہم نے خود سنا کہ قیامت کے دن آپ کا ڈرائیور دامن پکڑے گا اگر آپ نے کوتاہی کی، مولانا حمزہ بھی اسی مسلک پر گامزن تھے۔

جو لوگ ہمالیہ پر بیٹھ کر مولانا حمزہ پر ندوہ کو ہڑپنے اور اس پر قبضہ کرنے کا الزام رہے ہیں وہ اپنا انجام سوچ لیں، جو لوگ مسلم ہاتھی ہضم کرجاتے ہیں، اور ڈکار بھی نہیں لیتے، ان کی طرف انگلیاں بھی نہیں اٹھائی جاتیں، اگر مولانا حمزہ اس منصب سے فائدہ اٹھاتے تو کئی بلڈنگوں کے مالک ہوتے، اور ان کے دونوں بیٹوں کے پاس لاکھوں کی گاڑی ہوتی، لیکن مولانا حمزہ کے پاس ایک سائیکل تک نہیں تھی، ان کے دونوں بیٹوں کا حال بھی یہی ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بابری مسجد کے قضیہ کے سلسلہ میں وزیر اعظم نرسمہا راؤ سے کہا تھا، راؤ جی اللہ میاں کے یہاں سیاست نہیں چلتی، اب یہ راقم بھی عرض کرتا ہے دھواں دھار تقریر اور

لسانی طاقت اللہ میاں کے یہاں کام نہیں آئے گی، اور نہ واٹس ایپ کی تحریریں اور یوٹیوب کی تقریریں سفارش کریں گی، آنکھ بند ہوتے ہی ساری حقیقت سامنے آجائے گی۔ **وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ ثم تردون الی عالم الغیب والشھادۃ۔**

تصنیف میں انہوں نے سیرت سید احمد شہید کی دو جلدوں کی تلخیص "تذکرہ سید احمد شہیدؒ" کے نام سے کی، حضرت مولانا کے خطوط جو ہزاروں کی تعداد میں تھے، ان کو علمی اور تحقیقی انداز سے جمع کیا، ان خطوط میں سینکڑوں اشخاص کا اختصار سے تعارف کرایا، یہ بذات خود ایک بڑا علمی کارنامہ ہے، یہ تذکرہ ۱۹۳۰ء سے ۲۰۰۰ء تک پھیلا ہوا ہے، اس میں علماء، مشائخ، ادباء، مفکرین، ملوک ووزراء شامل ہیں، دوسری طرف ان ہزاروں خط سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے دعوتی، تربیتی، علمی، تحقیقی، شخصی اور اجتماعی زندگی اور انفرادی معاملات کو انجام دینے کے اصولوں اور طریقوں کا انکشاف ہوتا ہے، جو بذات خود ایک انکشاف ہے، ان مکتوبات میں بے شمار یاقوت، مرجان اور لعل وجواہر پوشیدہ ہیں، اب تک اس کی چھ جلدیں آچکی ہیں۔

(راقم الحروف کی آخری تحریر)

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپے اور سالانہ خریداری -/300 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم "ادارہ رضوان" کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاد دہانی ہو سکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ "رضوان" خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرما دیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور "رضوان" کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گذارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کر سکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 20511010005299

IFSC Code : BMCB0000049

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں **Cantt. No. : 9415911511**

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی
نائب مدیر پندرہ روزہ "تعمیر حیات" ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ولادت سے وفات تک

موروثی پس منظر

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ عہد شاہجہانی، عالمگیری کے بڑے متبع السنت بزرگ حضرت شاہ علم اللہ حسنی نصیر آبادی رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں نویں دسویں پشت میں تھے۔

محمد حمزہ حسنی بن مولانا سید محمد ثانی حسنی بن مولوی سید رشید احمد بن مولوی سید خلیل الدین بن مولوی سید رشید الدین بن مولوی سید سعید الدین بن مولانا غلام جیلانی (برادر سید معصوم احمد جو حضرت سید احمد شہید کے بہنوئی تھے، و مولانا سید قطب الہدیٰ حسنی جو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے خاص شاگرد تھے) بن مولانا سید محمد واضح محدث (خلیفہ حضرت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) بن مولانا سید محمد صابر بن مولانا شاہ سید آیت اللہ (متوفی ۱۱۱۶ھ) بن شیخ جلیل حضرت شاہ سید علم اللہ حسنی رائے بریلوی (متوفی ۱۰۹۶ھ) خلیفہ حضرت سید آدم بنوری مہاجر مدنی (متوفی ۱۰۵۳ھ) بن مولانا سید محمد فضیل (مدفون بقیع شریف مدینہ منورہ) بن مولانا سید محمد معظم بن مولانا قاضی سید احمد بن مولانا قاضی سید محمود نصیر آبادی بن قاضی سید علاء الدین بن قاضی سید قطب الدین حسنی جائسی۔

مولانا قاضی سید قطب الدین حسنی جائسی سے اوپر اجداد امیر کبیر بدر الملۃ المنیر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید قطب الدین مدنی ثم ہندی کڑوی (۵۸۱ھ-۶۷۷ھ) کڑا مانکپور (جو پہلے الہ آباد اور اب ضلع کوشامبی صوبہ اتر پردیش کا حصہ ہے) میں مقیم رہے۔

حضرت مولانا سید قطب الدین محمد المدنی حسنی رحمۃ اللہ، بڑے عالم، مجاہد، داعی، مبلغ، فاتح اور ہندوستان میں عہد قطب الدین ایبک و التمش میں شیخ الاسلام تھے، قطب الدین ایبک ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور پیر دابتا تھا، بقول مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء امیر قطب الدین محمد مدنی جلیل القدر اولیاء اللہ میں سے تھے، آپ نے ابتداء میں اپنے ماموں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے استفادہ کیا تھا، ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ سے بیعت کی اور ان کے بڑے خلفاء میں سے ہوئے، سلطان قطب الدین ایبک آپ کا مرید تھا، آپ کو رویائے صادقہ میں بارگاہ نبویؐ سے حکم ملا، ہندوستان جا کر ظلمت کفر مٹائیں۔

شیخ الاسلام حضرت سید قطب الدین محمد المدنی بغرض دعوت و جہاد اشارۂ غیبی پا کر ہندوستان براہ افغانستان غزنی و کابل نکلے تھے، ان کے والد مولانا سید رشید الدین حسنی مدنی ساتھ تھے، اور ایک لشکر ہمراہ تھا، علم و عمل، رشد و ہدایت، دعوت و تبلیغ، جہاد و عزیمت، ارشاد و تربیت کی جامعیت ان کو جو عطا ہوئی او راس میں مرجعیت و کمال عطا کیا تھا، ان کی نسل میں بھی کسی نہ کسی حد تک یہ صفت جاری رہی، ان میں امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۰۱ھ-۱۲۴۶ھ) کی شخصیت متقدمین و متاخرین کا ایک نمونہ بن کر سامنے آئی اور ان کے ذریعہ ہند سے کاشغر، جاوا، حجاز و مراکش تک ایمان کی ایسی باد بہاری چلی جس کی نظیر پچھلی صدیوں میں نہیں ملتی۔

پھر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام گرامی ہے جن کے دعوتی، علمی، فکری، اصلاحی کام سے عرب و عجم کی سرزمین کی ایسی آبیاری ہوئی کہ اس کی سرسبزی و شادابی اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی، اور ان کی اصلاحی و تجدیدی مساعی و مآثر کی دنیا معترف ہے۔

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بھائی مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹۳ء-۱۹۶۱ء) تھے جو ان کے مربی

و اتالیق تھے اور دو بہنیں سیدہ امۃ العزیز (۱۳۲۳-۱۴۱۶ھ) اور سیدہ امۃ اللہ تسنیم (۱۳۲۶-۱۳۹۶ھ) تھیں، سیدہ امۃ العزیز مرحومہ کا نکاح سید رشید احمد حسنی مرحوم سے ہوا جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے حقیقی خالہ زاد بھائی ہونے کے ساتھ ان کے والد مولانا سید عبدالحی حسنی مرحوم کے پھوپھی زاد بھائی مولوی سید خلیل الدین حسنی کے اکلوتے صاحبزادہ تھے، ان کے کئی صاحبزادگان ہوئے، سب کے نام محمد پر رکھے گئے، بڑے بیٹے سید محمود حسنی کے نام سے معروف ہوئے، مگر عین جوانی میں بعمر ۲۱ سال ۱۹۴۲ء میں وفات پا گئے، باقی سب کے نام کے ساتھ عدد کا لاحقہ لگا۔ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کا نانیہالی سلسلہ بھی ددھیالی سلسلہ کی طرح علم وفضل کا سلسلہ ہے:

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی بن سیدہ خدیجہ حسنی بنت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی (سابق ناظم ندوۃ العلماء) وبرادر اکبر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بن مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی (سابق ناظم ندوۃ العلماء) بن مولانا حکیم سید فخرالدین حسنی رحمہم اللہ۔

والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہ حسنی اپنی تحریروں، قلمی نام اسی نسبت سے سیدہ الماس فخری لکھتی تھیں، اور اس نام سے ان کے کئی اہم مضامین شائع ہوئے، مولانا حکیم فخرالدین حسنی سے آگے کا سلسلہ اس طرح ہے: ابن مولانا سید عبدالعلی حسنی مدفون ٹانگود (جو حضرت سید احمد شہید حسنی رائے بریلوی کے مرید صادق اور ان کے خلیفہ مصلح دکن مولانا سید محمد علی رام پوری کے خلیفہ تھے) ابن سید علی محمد (کوٹہ راجستھان میں مقیم رہے اور وہاں مدفون ہوئے) بن اکبر شاہ بن محمد شاہ بن مولانا سید محمد تقی بن مولانا سید عبدالرحیم شہید بن مولانا سید ہدایت اللہ (صدر الصدور عہد شاہجہانی) بن مولانا سید محمد اسحاق بن مولانا سید محمد معظم بن مولانا قاضی سید احمد بن مولانا قاضی سید محمود نصیرآبادی بن قاضی سید علاء الدین بن امیر قطب الدین ثانی بن صدر الدین بن زین الدین بن احمد علی بن علی بن قیام الدین بن صدرالدین بن قاضی رکن الدین بن امیر نظام الدین (ان کی اولاد میں بعض لوگ ان کی نسبت سے نظامی لکھتے ہیں) بن شیخ الاسلام امیر قطب الدین محمد مدنی بن رشید الدین احمد بن یوسف بن عیسیٰ بن حسن بن حسین بن جعفر بن قاسم بن عبداللہ بن حسن نقیب کوفہ بن محمد نفس زکیہ بن عبداللہ المحض (المحض ان کو اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ والد اور والدہ دونوں طرف سے فاطمی نبوی تھے) ابن حضرت حسن مثنیٰ (مثنیٰ اس لیے کہ والد کا نام بھی حسن تھا اور ان کے بیٹوں میں ایک کا نام حسن مثلث تھا) بن سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سبط اکبر سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔

حضرت عبداللہ المحض کی والدہ سیدتنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سبط رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ صغریٰ تھیں، (صغریٰ اس لیے کہ ان کی دادی حضرت فاطمہ زہراء سیدۃ نساء العالمین تھیں)۔

نشوونما وتعلیم وتربیت

مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کا نکاح سیدہ خدیجہ حسنی سے اواخر ۱۹۴۶ء میں ہوا، جو اپنا قلمی نام الماس فخری رکھتی تھیں، بروز جمعرات ۱۳ر نومبر ۱۹۴۷ء/ ۲۹ر ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ کو صاحبزادی پیدا ہوئیں، ان کا نام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی کے نام پر 'امامہ' رکھا گیا، جو ان کے نانا مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی رحمۃ اللہ علیہ (سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے رکھا، اپنے نواسے نواسیوں کے نام وہی رکھتے تھے، ایک بزرگ شخصیت بھی تھے اور خاندان کے بڑے بھی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے بڑے بھائی تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور ان کے خاندان کے بعض افراد والدہ صاحبہ، ہمشیرہ، اہلیہ صاحبہ اور مولانا محمد ثانی حسنی حج کے سفر پر تھے۔

پھر تین سال بعد ۱۵ر دسمبر ۱۹۵۰ء مطابق ۵ر ربیع الاول ۱۳۷۰ھ کو صاحبزادہ تولد ہوئے، ان کا نام مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی مرحوم نے محمد حمزہ رکھا، یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کو صحابہ رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن کے نام زیادہ پسند تھے اور ان کو ترجیح دیتے تھے، نام رکھنے میں الگ الگ ذوق رہے ہیں، انبیاء کے نام، صحابہ کے نام، بزرگوں کے نام، گزرے ہوئے متعلقین کے نام وغیرہ، اور نئے نام، حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ انبیاء کے نام کو ترجیح دیتے تھے، حضرت زبیر بن العوام نے صحابہ پر نام رکھے، حضرت فاطمہ سیدۃ نساء العالمین کی صاحبزادیوں کے نام ان کی

بہنوں کے نام پر زینب اور ام کلثوم رکھے گئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں کے نام حسن و حسین بالکل نئے نام تھے اور دوسرے بیٹوں کے نام میں تین نام ابوبکر، عمر، عثمان ملتے ہیں۔

والدین کا نکاح مہر فاطمی پر ہوا، مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی نے خود پڑھایا تھا، تعلیم وتربیت خالص دینی ماحول میں ہوئی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی والدہ ماجدہ، اور دونوں ہمشیرہ سیدہ امۃ العزیز مرحومہ، سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کا متبرک سایہ تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں تھا، اور خاندانی بزرگوں میں مولانا سید عزیز الرحمٰن حسنی، ان کے بھائی میاں سید عبدالرحمٰن حسنی، حافظ سید حبیب الرحمٰن حسنی بچوں کے اتالیق تھے، وہیں مولانا سید ابوالخیر برق حسنی کے علم و ادب کا دور دور شہرہ تھا، مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی اگرچہ لکھنؤ کا قیام رکھتے تھے مگر پورے خاندان کی سب سے مقتدر شخصیت تھے اور سبھی ان کو اپنا بڑا سمجھتے تھے۔

جب مولانا محمد حمزہ حسنی پیدا ہوئے تو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ حجاز مقدس کے سفر پر تھے، اس طرح انہیں دنیا میں آنے کے وقت سے ہی حرمین شریفین کی دعائیں خوب ملیں۔

ابھی ایک سال کے بھی نہیں ہوئے تھے، ان کے دادا سید رشید احمد حسنی کی اکلوتی اور بڑی بہن سیدہ بتول بی بنت مولوی سید خلیل الدین حسنی نے وفات پائی، جو پورے خاندان کے لیے ایک بڑا حادثہ تھا، سات سال کے ہوئے تو نانی صاحبہ سیدہ زہری بنت مولانا سید ابوالقاسم حسینی ہنسوی نے ۱۹۵۷ء میں وفات پائی، ۱۹۵۸ء میں مربی خاندان مولانا سید عزیز الرحمٰن حسنی نے وفات پائی، ۱۹۶۱ء/ ۱۳۸۰ھ کا سال تو اس لحاظ سے بہت سخت تھا کہ نانا مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی جو دادی سیدہ امۃ العزیز مرحومہ کے بڑے بھائی بھی تھے، وفات پا گئے، صرف اہل خاندان کے لیے ہی نہیں، یہ سانحہ ملت کا سانحہ تھا، جبکہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جن کا قیام لکھنؤ تشریف آوری پر آپ کے نانا مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کے مکان پر ہی ہوتا تھا، اور اس کے باعث ان کی انہیں اچھی شفقت حاصل ہوئی، ۱۹۵۷ء میں وفات پا چکے تھے، جو خاندان کے مرشد بھی تھے، اور پھر ۱۹۶۲ء میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری وفات پا گئے کہ ان کے بھی خاندان کے افراد کی ایک تعداد بشمول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ بیعت تھی، اب ان کے بعد مرجع خلائق ہستی پورے خاندان کے لیے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی تھی، جن سے آپ کی دادی صاحبہ سیدہ امۃ العزیز مرحومہ، آپ کے والد ماجد مولانا سید محمد ثانی حسنی بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے، مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ مظاہر علوم میں دورۂ حدیث میں ان کے شاگرد بھی تھے، مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی نے بھی بیعت و ارادت کا تعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ سے قائم کیا، انہوں نے شفقت فرمائی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی سے استفادہ کی ترغیب دی، حضرت کی وفات کے بعد اس کو ایک اشارہ سمجھ کر ان سے تجدید بیعت کی، اور ان کی نگرانی میں اذکار واوراد کی پابندی کی، یہاں تک کہ اسم ذات کا ذکر ایک لاکھ کی تعداد تک پہونچا دیا، اپنے اس عمل کا ذکر برائے استرشاد حضرت کی خدمت میں ایک رقعہ تحریر کر کے کیا تو اس وقت راقم الحروف وہیں موجود تھا، ذکر کے جو اثرات، عشق وسوز، درد ومحبت کے تھے، وہ ان کے اوپر مرتب ہو گئے تھے، لیکن تحمل بہت تھا اور وہ ضبط کیے ہوئے تھے، ایک موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے راقم کے سامنے خود ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ تمہیں ہم اجازت دیں گے، مگر جب ان کے ہی برادر طریقت حضرت صوفی محمد انعام اللہ لکھنوی مرحوم نے اپنی وفات سے دو تین سال قبل اجازت وخلافت دی اور کہا کہ یہ جو امانت میرے پاس حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی تھی، وہ آپ کے حوالہ کرتا ہوں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو جب اس کا علم ہوا تو اس کو کافی سمجھا اور ان کو تہنیت نامہ لکھا، جو حسب ذیل ہے:

عزیز القدر حمزہ سلمہ ورقاہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا مسرت نامہ پہنچا، پڑھ کر دل خوش ہوا، صوفی انعام اللہ مرحوم ہمارے حضرت کے مجاز تھے، تمہیں اجازت دی تو یہ

عزت واعتماد کی بات ہے، تم اس پر اللہ کا شکر کرو اور اذکار و معمولات جاری رکھو۔

''کاروانِ زندگی'' کا ساتواں حصہ اب تیار ہے، پوری کتابت ہو چکی ہے، چند صفحے پڑھانے ہیں، ان شاء اللہ وہ بھی مکمل ہو جائے گی، تم آؤ اور جلدی اس کی طباعت کا کام شروع کرو، ہمیں بڑا اشتیاق ہے، بہت ضروری باتیں آگئی ہیں، مجلس نے بڑا کام کیا ہے، صرف طباعت کا مرحلہ باقی ہے، گھر میں سب کو سلام و دعا کہو۔

والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی ندوی

۹؍جولائی ۱۹۹۹ء

بعد میں مرشد الامۃ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں بھی اجازت وخلافت سے سرفراز کیا، وہ تحریر بھی راقم کے پاس محفوظ ہے، فالحمدللہ حمداً کثیراً۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی جو شفقت ملی اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ مکتوب بنام مولانا محمد ثانی حسنی مورخہ ۲۶؍جون ۱۹۶۹ء میں حضرت شیخ الحدیث کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

''تمہارے لیے تصریح سے ناموں کے ساتھ کئی بار صلوٰۃ وسلام پہلے بھی پیش کر چکا ہوں، والدہ، خالہ، علی میاں کی اہلیہ، تمہاری اہلیہ کی طرف سے بھی، عزیز حمزہ سلمہ سے بھی دعوات کہہ دیں، یہ ناکارہ اس کے لیے بھی دعا گو ہے، اور اس کی طرف سے بھی صلوٰۃ وسلام پیش کردوں گا''۔

مورخہ ۱۱؍شوال ۱۳۹۷ھ کے مکتوب میں (بنام مولانا سید محمد ثانی حسنی) مولانا محمد حمزہ حسنی کا حال دریافت کرتے ہوئے کچھ ہدایات فرماتے ہیں، جو یہ ہیں: ''تم نے صاحبزادہ سلمہ کا کوئی حال نہیں لکھا، کیا کر رہے ہیں، کس حال میں ہیں، بندہ کے خیال میں علی میاں کے وجود کو غنیمت سمجھ کر اس کی کوشش کریں کہ علی میاں کے پاس ان کا زیادہ وقت گزرا کرے، تو ان شاء اللہ زیادہ مفید ہوگا، سہارنپور آنا جانا تو بہت مشکل ہے، مگر رائے بریلی تو گھر ہے، اس کا بہت اہتمام رکھیں کہ وہ علی میاں کے زیادہ قریب رہے''۔

ایک خط مورخہ ۲۰؍شوال ۱۳۹۲ھ میں جو مولانا محمد ثانی (والد مولانا محمد حمزہ) کے نام ہے، حضرت سید احمد شہید سے خاندانی نسبت پر لکھتے ہیں: ''تم سید ہو، اور علی میاں کے بھانجہ ہو، اور اعلیٰ حضرت سید صاحب قدس سرہ کی اولاد میں ہو، تمہارے لیے دعا کرنا تو میں اپنے لیے موجب عزت سمجھتا ہوں''۔

بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڈھی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد ثانی حسنی کے نام ایک خط میں خاندان کے متعدد حضرات کے نام کے ساتھ مولانا حمزہ حسنی کو بھی بالتصریح دعا سلام و دعا کے لیے لکھا کہ:

''عزیزی مولانا حمزہ میاں سلمہ اور دیگر سبھی کی خدمت میں سلام مسنون و دعائیں۔

فقط والسلام

دعا گو محمد احمد پھولپوری

پرتاب گڈھ، ۸؍رمضان المبارک

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد حمزہ حسنی کا سلوک اشاعت کتب کے راستہ سے طے کرایا، کہ اس میں ان کی نیت والد کے ساتھ حسن سلوک کی بھی رہے کہ یہ کام ان کے والد مولانا سید محمد ثانی حسنی بھی کرتے آئے تھے، اور پھر اپنے 'خاندان کے بڑے اور مرشد کی خدمت کا بھی یہ آسان راستہ تھا کہ جنہیں کتابوں کی اشاعت کی بڑی فکر رہتی تھی، ان کا دارالاشاعت ''مکتبہ اسلام'' ان کے گھر کے افراد والد، والدہ، بہن اور خود ان کی کتابیں شائع کررہا تھا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی اتنی فکر رہتی تھی کہ وہ اس کی تاکید فرماتے، اور خود اپنی بھی بعض اہم کتابیں انہیں اشاعت کے لیے دیں جیسے ''کاروانِ زندگی'' جس کے ساتویں اور آخری حصہ کی تکمیل پر اس کے مسودہ کو حوالہ کرنے اور جلد اشاعت میں لانے کے لیے اس تہنیت نامہ میں بھی تاکید فرمائی جوان کو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے ایک خلیفہ کی طرف سے اجازت وخلافت دیے جانے پر لکھا تھا، اس کے علاوہ سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوری، سوانح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی اور بعض دوسری کتابوں کے علاوہ ان کی ہمشیرہ محترمہ امۃ اللہ تسنیم کی زاد سفر، قصص الانبیاء (۱-۵) شعری مجموعہ باب کرم وغیرہ، اور والدہ ماجدہ خیر النساء بہتر مرحومہ کی حسن معاشرت، ذائقہ، اور کلید باب رحمت وغیرہ کتابیں اور والد ماجد مولانا

حکیم سید عبد الحی حسنی کی تعلیم الاسلام، نور الایمان وغیرہ دینی رسائل ہیں، پھر جب انہوں نے حضرت مولانا کی ان تقریروں اور مضامین کو جمع کرکے خواتین اور دین کی خدمت کے نام ان خطوط کے اضافہ کے ساتھ شائع کیا، جو ان کی والدہ ماجدہ خیر النساء بہتر مرحومہ نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو تربیتی طور پر لکھے تھے تو حضرت مولانا نے اس پر انہیں بڑی دعا دی، انہوں نے آج کا کاروباری انداز اختیار نہیں کیا بلکہ تجارتی اور کاروباری اصول کو شیخ ومرشد کی منشا پر قربان کرنے اور ایثار کا معاملہ کرنے کا پابند رکھا۔

عملی زندگی

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کو ایک سعادت یہ بھی حاصل ہوئی کہ انہوں نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی افکار کو سمجھنے کے بعد اس کو بروئے کار لانے کی بھی فکر کی، یہ زمانہ وہ تھا جب وہ دار العلوم ندوۃ العلماء سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد میدان عمل میں آئے اور ملک کے عوام حکومت کی غلط پالیسی کی وجہ سے سخت حالات ومشکلات سے گزر رہے تھے، آخر میں حکومت نے اپنا اقتدار جمانے اور رعب قائم کرنے کے لیے ایمرجنسی کا نفاذ ۱۹۷۵ء میں کرکے اپنی قوت کا احساس دلایا جس کے نتیجہ میں ملک وملت کے قائدین کو جیل کی سختیوں سے بھی گزرنا پڑا، مسلم مجلس مشاورت کا قیام عمل میں آچکا تھا اور پھر الیکشن میں عملی طور پر حصہ لینے کے لیے مسلم مجلس بھی قائم ہوئی، جس نے یوپی کی سطح پر اپنا اچھا اثر ڈالا، اس کے قائد ڈاکٹر عبد الجلیل فریدی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے محب صادق اور مخلص قائد تھے، اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کو اپنا کل اثاثہ سمجھتے تھے، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نے ان کا پورا ساتھ دیا، اور مسلم مجلس میں ان کے بعد ان کے جانشینوں کے ساتھ مل کر کام کیا، اور ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں جنتا پارٹی حکومت بننے میں مسلم مجلس کا بڑا کردار محسوس کیا گیا اور مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی کیلئے بہترین موقع تھا کہ وہ اس میدان میں آگے بڑھتے اور حکومت سازی میں شریک ہوتے لیکن ان کی ڈور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تھی، انہوں نے اسی پر بریک لگادی، انہوں نے پھر اپنے صائب مشورہ سے تو لیڈروں اور قائدین کو نوازا لیکن خود ذکر وشغل میں لگ گئے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت وتعلق اور خود ان کا بھی جو وزن قائم ہوگیا تھا۔

۱۹۷۶ء میں ان کے نکاح کے موقع پر اترپردیش کے وزیر اعلیٰ جناب ہیم وتی نندن بہوگنا رائے بریلی پہنچ گئے تھے، یوپی میں جو حکومت ایمرجنسی کے بعد الیکشن کے نتیجہ میں بنی، آپ کے کئی قریبی تعلق والوں کو وزارت مل گئی تھی اور بعض اہم جگہوں پر مقرر ہوگئے تھے، مرکزی حکومت میں بھی ایسے لوگ تھے جو آپ کی بات کو ٹال نہیں سکتے تھے، مگر آپ نے جو کچھ خدمت کی تھی وہ لوجہ اللہ تھی، اس کا ذرا فائدہ اٹھانا پسند نہیں کیا، بعد میں دینی وعلمی خدمت کے جو ان کو مواقع ملے جن میں ندوۃ العلماء کی نظارت عامہ کا منصب اہم منصب تھا، جو اس سے پہلے ندوہ میں نہیں تھا، اور انتظامیہ نے آپ کو بڑے اختیارات دیے تھے، لیکن آپ نے اپنے لیے ذاتی منفعت کے تمام دروازے بند کردیے تھے، اور ندوہ کی گاڑی کے استعمال میں بھی اس قدر محتاط تھے کہ اولاً تو خدمت کا معاوضہ ومشاہرہ لینے سے معذرت کردی اور گاڑی ان کو لینے اور چھوڑنے ندوہ کی ضرورت کے بقدر آتی جاتی، اگر وہ ذاتی استعمال میں ذرا بھی بدرجہ مجبوری آجاتی تو کرایہ ادا کرتے، جبکہ وہ اپنی تجارت کا نقصان اس کو وقت کم دینے کی وجہ سے کر رہے تھے، پھر بھی انہوں نے اس کو گوارہ نہ کیا کہ ندوہ پر ذرا بھی بار ہو، اور اس احتیاط پر قائم رہے، آرڈر وغیرہ دینے میں بھی وہ محتاط تھے، انتقال کے پہلے بس ایک بار یہ کہا کہ ہم کو ندوہ میں انتظامیہ کی طرف سے بڑا اختیار حاصل ہے، بیک وقت دو بڑے عہدے نائب ناظم وناظر عام کے حاصل ہیں، ایک اہم ضرورت جو مہمانوں سے متعلق تھی، آرڈر دیتے ہوئے کہا کہ میں بحیثیت نائب ناظم وناظر عام کے یہ کہتا ہوں کہ ایسا کردیا جائے۔

رہن سہن ہمیشہ اور ہر جگہ سادہ رکھا اور بہت سادہ رکھا، اتنا سادہ کہ ان کے پاس مہمانوں کو لانے میں تکلف ہوتا، ایک بار بنگلور کے بڑے تاجر جناب سید محمد بیری اور بمبئی کے ایک بڑے مخلص جناب اسماعیل بھولا ندوی الگ الگ جگہوں پر اچانک گئے، وہ آپ کی رہن سہن میں خشونت کو دیکھ کر ششدر رہ گئے، جب تک صحت رہی

پیدل آنا جانا اختیار کیا، اور جب صحت کمزور ہوتی گئی تو اس لحاظ سے ضروری سہولت اختیار کی لیکن زہد کو ترجیح دی، اور لباس، طعام، رہن سہن، معاشرت سب میں زاہد ہی رہے اور قریبی اہل تعلق بخوبی جانتے ہیں کہ یہ زہد اضطراری نہیں اختیاری تھا، ان کا خاندان زمینداروں کا خاندان تھا، لیکن زر و زمین کا پیچھا نہیں کیا، یہاں تک کہ زمینوں کے بچاؤ کے لیے ایسے ہتھکنڈے استعمال نہیں کیے جن سے زمین تو محفوظ ہو جائیں مگر طریقہ حکومتی قانون کے تحت صحیح نہیں ہوتا، اس طرح زمین کا بڑا حصہ چلا گیا، مگر جو بچا وہ بہت سلامتی کا تھا، مال مشکوک سے حد درجہ محترز و مجتنب تھے، اپنا حق جانے دیا اور نقصان برداشت کیا، یہ حال خود ان کے والد مولانا محمد ثانی حسنیؒ کا تھا کاروبار میں بھی اور زراعت میں بھی، مال لے کر لوگ چلے جاتے، ادائیگی میں معافی کے طالب ہوتے، کہاں یہ دوسرے کی پریشانی دیکھ سکتے تھے، مولانا محمد ثانی حسنیؒ زمین کی خریداری میں اس قدر محتاط تھے کہ دیکھتے تھے کہ بائع نے کسی کا حق تو مارا نہیں ہے، اور وراثت کا حق دیا ہے، انہوں نے آخر تک تنگی مگر اطمینان اور تسلیم و رضا کے ساتھ زندگی گزاری، مولانا محمد ثانی حسنی کا ایک خط جو ان کی وفات سے ایک سال قبل کا ہے، راقم سطور کی نظر سے گذرا، جو انہوں نے اپنے بھائی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو ایک ضرورت سے لکھا ہے، وہ یہاں درج کیا جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

برادر عزیز سلمکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے تم لوگ بخیریت ہو، پرسوں ماموں جی کے نام رابطہ سے تار آیا، برابر کسی آدمی کی تلاش رہی مگر لکھنؤ جانے والا کوئی نہیں ملا، اس خیال سے کہ یہ تار ماموں جی کو فوراً ملنا چاہیے، مولوی عبدالرحمٰن بٹ کو تار کے ساتھ بھیج رہے ہیں، جس کا یہ تار ہو اس سے ان کو کرایہ دلا دو، اس وقت ہم بالکل اس حال میں نہیں کہ ان کو لکھنؤ جانے کا کرایہ بھی دیتے، یا اپنے پاس سے کر کے آرہے ہیں، الحمدللہ یہاں سب خیریت ہے، لکھنؤ میں دل لگا ہے، خدا کرے دونوں گھروں میں سب لوگ بعافیت ہوں، بچوں کو دعا، سنا ہے کہ محمود سلمہ کے کھانسی آتی ہے، ہاجرہ سلمہا کے سردی بہت لگتی ہے، اس کو آستین دار سوئٹر بھیج دو، اس کے پاس نہیں ہے۔

محمد ثانی حسنی

۱۹۸۱/۱۲/۲۳ء

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی صحافت میں گزری، اور بحیثیت مصنف بھی وہ سامنے آئے، صحافت میں ماہنامہ "رضوان" جو خواتین کا رسالہ ہے اور دسمبر ۱۹۵۶ء سے پابندی سے لکھنؤ سے نکل رہا ہے، اپنے والد مولانا محمد ثانی حسنی کی وفات فروری ۱۹۸۲ء کے بعد مارچ سے اس کے تنہا مدیر ہو گئے، ندوہ سے فراغت کے بعد والد کے کاموں میں معاون بننے لگے تھے، محترمہ امۃ اللہ تسنیم کی وفات کے بعد مولانا محمد ثانی حسنی کے شریک ادارت تھے اور انہوں نے جو مجلس ادارت تشکیل کی، اس میں اپنی ہمشیرہ سیدہ امامہ حسنی (راقم کی والدہ مرحومہ) اور اپنی شریک حیات سیدہ میمونہ حسنی (بنت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ) کے ساتھ بعد میں مولانا اسحاق حسینی ندوی (جو کہ خالہ زاد بھائی تھے) اور مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی (برادر عم زاد و خالہ زاد) کا اضافہ کیا، اور ایک بار اس رسالہ کی اشاعت کے لیے ایک اہم اپیل حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے جاری کی تھی، اس کی برکت تھی کہ یہ رسالہ برابر اہتمام سے جاری ہے، اور ان کی وصیت و ہدایت بھی تھی کہ اس کو جاری رکھا جائے، نام تو ان کا سرپرست کے طور پر اس پر کبھی نہیں آیا، لیکن درحقیقت یہ رسالہ ان کی سرپرستی اور ان کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی سرپرستی اور برادر عزیز سید رشید احمد حسنی ندوی کی ادارت میں نکل رہا ہے، اور اس کے اصل محرک مولانا سید محمد الحسنی رہے تھے، جو عربی و اردو کے مشہور صحافی اور مفکر اسلام و داعی تھے۔

مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے دنیاوی بہتری سے زیادہ ایمان کی پختگی، تعلق مع اللہ، للّٰہیت و ربانیت، خدمت خلق کی صفات کے خوبیاں اور اس کے لیے دعا گو تھے، یہاں تک کہ انہیں ان کا کاروبار میں منہمک ہونا، سیاست میں دخیل ہونا، اور کھیل وغیرہ سے دلچسپی کچھ گوارا نہ تھا، خود بھی دعا کرتے اور دوسروں سے بھی دعا کراتے، کیسے یہ فکر و جذبہ رنگ نہ لاتا، چنانچہ انہوں نے ان کے لیے دعائیہ اشعار

کیے جو بڑے مؤثر اور ایمان افروز ہیں۔

حجاز مقدس اور دوسرے بیرونی اسفار

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے دو حج کیے، پہلا حج ۱۹۹۲ء میں اور دوسرا حج ۲۰۰۷-۲۰۰۸ء میں کیا، اس سے پہلے عمرہ کا سفر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ ۱۹۷۹ء/۱۳۹۹ھ میں کیا تھا، جہاں تک حج کے سفر کا تعلق ہے، ایک جھولا لے کر جس میں نہایت ضروری سامان تھا تنہا نکلے اور مکہ معظمہ میں ان کو چند رفقاء مل گئے، حرم کے بیرونی صحن میں آرام کرتے جب آرام کا تقاضا ہوتا اور وہیں سے کچھ لے وے کر کھا لیتے، مولانا محمد کلیم صدیقی پھلتی کی یہ بات درست ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت اور تعلق کو اس قدر چھپایا کہ قریب ترین لوگوں کو بھی معلوم نہ ہو سکا، ورنہ قدردانوں کی کوئی کمی نہ تھی، نہ ہی حضرت مولاناؒ سے کوئی خط وغیرہ لیا تھا، عاشقانہ بے تابانہ انداز میں چل پڑے، مولانا محمد کلیم صدیقی پھلتی اور مولانا امتیاز احمد ندوی ہندوستان کے دو ایسے اہل تعلق تھے جن کا ساتھ ہو گیا، اور کانوں کان ایک محب مخلص ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط مرحوم جو اس وقت ام القریٰ یونی ورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر تھے کو خبر ہو گئی تو پھر انہوں نے قدردانی کی اور خوب کی، مدینہ منورہ میں انجینئر سید حسن عسکری طارق مرحوم اچھے میزبان مل گئے، ان دونوں سے پہلے ہی سے تعلق تھا، اور بڑا محبانہ ومخلصانہ تعلق تھا، حج کے دن تو بڑے عشق ومستی کے گزارے، سواری پر پیدل آمد ورفت ادائیگی مناسک میں رہی، دعاء وابتہال کی کیفیت بہت رہی، طواف کی کثرت رہی، عین جوانی کے دن تھے، عمر ۴۱ رسال تھی، دوسرے حج میں باطنی احوال میں اور ترقی تھی، لیکن صحت کمزور ہو چکی تھی، اس وقت ان کی عمر ۵۷ رسال تھی اور بیماری کے ایک جان لیوا مرحلہ سے گزرے ہوئے چند سال ہی گزرے تھے، دوسرا حج ان کے لیے نفلی حج تھا اور اہلیہ ساتھ تھیں جن کا پہلا حج تھا، اس حج میں راقم سطور کو رفاقت حاصل ہوئی، اس کے ساتھ اس کی پھوپھی مرحومہ (والدہ مولوی سید محمد معاذ حسنی ندوی) تھیں، خال محترم مولانا سید بلال حسنی ندوی ان دنوں ہندوستانی حج کمیٹی کے ممبر تھے، ان سے بڑا تعاون ملا اور قریب ترین رہائش مل گئی، جس سے بڑی سہولت ہوئی، اس سفر حج میں جب وہ لکھنؤ ایئرپورٹ سے روانہ ہوئے، مولانا علی میاں حج ہاؤس اموسی سے کاغذات کی جانچ پڑتال کے بعد بسیں ایئرپورٹ روانہ ہوئیں تو ایک الگ سماں تھا، خود ان کی حیثیت بھی ندوۃ العلماء کے ناظر عام کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے اہم تھی، اور ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ، معتمد تعلیم مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ اور خاندان، اقارب واہل تعلق کی بڑی تعداد ایئرپورٹ الوداع کے لیے آئی تھی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے دعا کرائی، وہ سماں بھی عجیب تھا، حضرت مولانا مدظلہ ایئرپورٹ کے اندر تک چھوڑنے گئے، جہاں احرام میں ملبوس ہو کر پھر ان کی دوبارہ دعاؤں کے ساتھ رخصت ہوئے جبکہ گھر سے روانہ ہوتے وقت ان کی دعائیں پہلے حاصل کی جا چکی تھیں، اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ان کو بھی سفر کا شدید اشتیاق اور حاضری کے لیے بے تابی ہے، عرفات میں جہاں خیمہ تھا، وہیں پر پڑوس کے خیمہ میں اچانک ایک محب قدیم ومکرم انجینئر سید حسن عسکری طارق مدینہ منورہ پر نظر پڑی، ان کی بھی خوشی کی انتہا نہ رہی: **الأرواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف** کا معاملہ بھی عجیب ہے، عرفات جیسے مقام پر دو تعلق والوں کا ملنا اور بغیر کسی پلاننگ کے یہ اس کا کھلا مظہر تھا، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی عجیب کیفیات وہاں دیکھیں، عرفات سے مزدلفہ جانے میں ان کا وہ ایثار دکھا جس کی مثال ان حالات میں کہ وہ شوگر کے مریض اور دوسری تکلیفیں تھیں، چپل اہلیہ کے حوالہ کی اور خود ننگے پاؤں روانہ، ۹-۱۰ کیلو میٹر کا فاصلہ اور رات کے ڈھائی بجے پہونچے، بسوں پر چڑھنا دشوار تھا اور اس سے زیادہ ٹریفک کی وجہ سے بسوں کا وقت پر پہونچنا محال نظر آرہا تھا، قربان جایئے ان کی اس عاشقانہ ادا پر، والہانہ انداز پر، پھر رفقاء ومتعلقین کا پورا خیال وفکر، ذرا بھی انہیں تکلیف نہ ہو، لوگ کیا تھے، لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا جسے جہاں جگہ مل گئی وہ وہاں رک گیا، دونوں نمازیں مغرب وعشاء وہیں ادا کیں، پھر معلوم ہوا کہ صبح کے مزدلفہ

کے معمولات کرکے وہ اور دونوں خواتین منیٰ سخت مشقت کے ساتھ پہنچے، راقم سطور کچھ پچھڑ گیا تھا، دیر سویر وہ بھی مزدلفہ سے منیٰ پہنچا، تو اسے دیکھ کر ان کی پریشانی دور ہوئی، عزیزان مسعود حسنی و یوسف سلمہما نے بھی اس موقع پر اچھا ساتھ دیا، جو کسی طرح ان لوگوں کے پاس پہنچ گئے تھے، حج تمتع تھا، اس کے مطابق اعمال ہوئے، قربانی، حلق، عورتوں کا قصر اور پھر بیت اللہ شریف کی حاضری اور وہاں اپنے ہوٹل میں جاکر کچھ استراحت اور لباس کی تبدیلی اور منیٰ واپسی وغیرہ کے اعمال، ۱۲ ذی الحجہ تک قیام، اس طرح منیٰ کے پانچ دن بہت عافیت اور بڑے شکر و امتنان کے گزرے، اور حج کے ایام و مناسک کی اچھی طرح گزر جانے سے سب نے رب کریم کا شکر ادا کیا کہ بس اس کی توفیق اور فضل سے انجام پایا، اور ان کا بھی شکر اور دعا کی جن کا تعاون رہا، اس میں مکہ معظمہ میں مقیم عم مکرم مولانا سید عبید اللہ حسینی ندوی (خویش حضرت مولانا سید ارشد مدنی) اور بحیثیت رکن حج کمیٹی آف انڈیا مولانا سید بلال عبد الحی حسنی کے نام ہیں، بعض کراچی کے اہل تعلق بھی آئے تھے، مولانا سید یوسف طاہر حسینی جو کراچی میں ہم لوگوں کے میزبان رہتے ہیں اور اقارب میں ہیں۔

مدینہ منورہ میں بڑی اچھی ملاقات حضرت مولانا سید ارشد مدنی سے بھی رہی، مسجد نبویؐ میں وہ خال معظم کو دیکھ کر تیزی سے ان کی طرف بڑھے اور تپاک سے ملے، خال معظم کم لوگوں سے ملتے تھے اور ان کا جذبہ مکہ معظمہ میں اللہ کے گھر اور مدینہ منورہ میں دربار نبوت میں حاضری تھا، ادب کا یہ عالم تھا کہ انجینئر عبد الرشید حیدرآبادی جو مدینہ منورہ میں ایک عرصہ سے مقیم اور مسجد نبویؐ کے تعمیراتی کام میں مشیر و نگراں تھے، اور ان کی وہاں اُن مقامات تک رسائی تھی جہاں دوسروں کی نہیں ہے، اور ایسے وقت انہیں تنہائی کے مل جاتے ہیں، جب روضہ اقدس کے سامنے وہ ہوتے اور لوگوں سے حرم خالی ہوتا ہے، بیت اللہ شریف کے اندرونی حصہ کے بعض تعمیری اصلاحات بھی ان کی نگرانی میں انجام پارہے ہیں، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ سے بیعت وارادت کا تعلق اور پھر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ سے تجدید بیعت اور اجازت وخلافت اور ان کے افراد خاندان کی مدینہ پاک میں ضیافت اور دوسرے بہت سے مواقع قرب و تعلق ہیں، چنانچہ خال معظم رحمۃ اللہ علیہ نے انہی کے مکان پر مدینہ پاک میں قیام کو ترجیح دی جب کہ حج کمیٹی کی طرف سے بھی ہوٹل میں نظام تھا لیکن آمد و رفت میں دشواری کی وجہ سے انجینئر عبد الرشید نے نہایت قریبی جگہ اختیار کی تھی جو روضۂ اقدس کے بالکل سامنے تھی، جہاں ان حضرات نے ادب کے تقاضے سے قیام مناسب نہیں سمجھا اور انجینئر عبد الرشید زید مجدہٗ نے مسجد نبویؐ کی مشغولیت کے باوجود مسجد نبویؐ اپنی ہی گاڑی سے لاتے لے جانے کا غیر معمولی اہتمام کیا، اور کسی بات پر انہوں نے چہرہ پر شکن بھی نہیں آنے دی، ناشتہ کھانے وغیرہ کا بھی نظم خود کرتے، اور ہم لوگوں کے لیے یہ بڑے سعادت کی بات تھی کہ اپنی معلومات میں مدینہ پاک میں سب سے اچھے میزبان کی میزبانی میں تھے، **أطال اللہ بقاء ہ**۔

انجینئر سید حسن عسکری طارق کا تعلق پرانا اور بہت مخلصانہ تھا، ان کے یہاں بھی جانا ہوا، اور انہوں نے بھی ایک وقت ضیافت کی، اس سفر سعادت میں مکہ معظمہ کے دوران قیام ایک اور لکھنؤ کے رہنے والے صاحب تعلق جو اب سعودی شہریت رکھتے ہیں' کھانے پر مدعو کیا اور بڑا اہتمام کیا، اور ایک دوسرے لکھنوی صاحب تعلق جناب شعیب اسکندر، جن کا خاندان معلموں کا خاندان ہے بڑے تعلق سے پیش آئے محترمی جناب ضیاء عبد اللہ بن مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی کا تعلق اپنی جگہ ہے، ان کا جدہ میں اسکول ہے اور مکہ میں ان کا مکان اب فروخت ہو چکا ہے، جناب فضل الرحمن منیری پھلکی جدہ سے ایک دن خود کھانا لے کر آئے یہ الحاج محی الدین منیری پھلکی کے فرزند ہیں، بھائی مصلح الدین حیدرآبادی روانگی کے وقت آئے، اور دو دن جدہ میں ان کا اپنی والدہ مرحومہ کے ماموں زاد بھائی جناب سید محمد صابر ہنسوی (مرحوم) کے مکان پر بھی قیام رہا، وہ ایک روز ساحل سمندر جدہ پر صحرائے عرب کی خصوصیت کو بھی دکھانے لے گئے، حجاز کا ذرہ ذرہ پانی پانی تقدس مآب ہے، کیوں نہ ہو کہ اس کا رشتہ مہبط وحی سے ہے۔

جہاں تک اسفار کی بات ہے، حج کے سفروں، اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی

ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیج عرب اور سعودی عرب کے علاوہ ایک طویل سفر وہ بھی ہے جو آپ نے تجارتی نقطۂ نظر سے امارات اور سعودی عرب کا کیا تھا، اس سفر میں ان کی جن ممتاز عرب شخصیات سے ملاقات ہوئی تھی، ان میں وہ استاذ ادیب و شاعر عدنان علی رضا نحوی کا خاص طور پر تذکرہ فرماتے تھے، اس زمانہ میں جدہ میں لکھنؤ کے ان کے ایک بے تکلف دوست اور مخلص کرم فرما جناب محمد عرفان صدیقی مرحوم بھی مقیم تھے، افسوس کہ اسی سال ایک حادثہ کا شکار ہو کر مختصر علالت اور اپولو ہسپتال لکھنؤ میں زیر علاج رہ کر وفات پا گئے، وہ اس کی اچھی یادیں ہم خوردوں کو گوش گزار کرتے تھے، اور چند ماہ پہلے ان کے بہنوئی الحاج شفیق لکھنوی بھی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، جن کے ساتھ بھی وہاں ان کی یادیں تھیں، وہ وہاں تبلیغی جماعت کے ذمہ داروں میں اور صائم الدہر تھے۔

جہاں تک شارقہ، ابوظبی، دبئی، ریاض، جدہ، حرمین شریفین اور طویل سفر کی بات ہے اس کے تعلق سے جو ضروری معلومات راقم سطور نے خال معظم رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی تھیں، ان کو سپرد قلم کر لیا تھا جو تاریخی امانت کے طور پر محفوظ ہیں۔

دینی تعلیمی سرگرمیاں

حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا حادثہ خال معظم کے لیے ان کی زندگی کا سب سے عظیم سانحہ تھا، وہ ان کے اکلوتے فرزند تھے، اور ان کی تمام نسبتوں اور کاموں کے وارث و امین بھی، ان کے جاری کردہ ماہنامہ رسالہ "رضوان" کو ترقی دی، ان کے دارالاشاعت مکتبۂ اسلام انہیں کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے آگے بڑھایا، طباعت میں معیار و تصحیح کا خاص خیال رکھا، اور امانت و دیانت کو ہر چیز پر ترجیح دی، تجارت میں بھی توکل کو قائم رکھا، اسی وجہ سے ان کو اشتہار وغیرہ سے دلچسپی نہ رہی، اور نہ کبھی اس کو پسند کیا کہ ٹائٹل کو خوب اچھا کریں جو کتاب کے اندرون سے بہتر ظاہر ہو کہ یہ بھی تجارت میں دھوکہ کی قسم ہو سکتی ہے، آخری درجہ کی احتیاط اور تقویٰ کتابوں کی تجارت میں دیکھا گیا، لوگوں پر ان کے پیسے خوب چڑھ جاتے اور اپنے اوپر چڑھنے نہیں دیتے، نقصان بھی آسانی سے برداشت کر لیتے، ایک ایک چیز کا حساب کرتے، اور ادائیگی کا بڑا خیال کرتے، فرمانے لگے اور وہ بھی جب زندگی کا آفتاب غروب ہونے کو تھا کہ الحمد للہ ہم پر کسی کا کوئی قرض نہیں ہے، اور جو امانتیں وغیرہ تھیں، ان کے متعلق اپنے فرزند عزیز القدر مولوی سعید احمد حسنی ندوی اور بھانجہ مفتی مسعود حسن حسنی ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کو ایک ایک کر کے بتا دیا، اور کچھ مخفی و مستور نہ رکھا۔

مولانا محمد ثانی حسنی کی وفات کے بعد ان کی یاد میں سوسائٹی اور فاؤنڈیشن قائم کی تاکہ اس کے ذریعہ دین و ملت اور علم کا کام کریں، اور ان کو ثواب ملے جب کہ والد کا یہ رتبہ ہے کہ اولاد نیت کرے یا نہ کرے اس کی ہر نیکی کا ثواب اسے پہنچتا ہے، اس طرح والدہ کو بھی کہ یہ دونوں دنیا میں اس کے وجود میں آنے کا ذریعہ ہیں، اور نیت پر مزید حسن سلوک کا ثواب اور فائدہ پہنچتا ہے، اور پھر یہ کہ: "**ان من أبر البر أن يصل الرجل أهل ود أبيه بعد ان يُوفى**" (بڑی نیکی یہ کہ آدمی اپنے باپ (بشمول ماں) کے تعلق والوں اور تعلق والی چیزوں اور کاموں سے تعلق رکھے ان کی وفات کے بعد) اس کا بھی انہیں بڑا خیال اور اپنے والد کے بھائیوں اور عزیزوں ان کے خاص احباب حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۲۳ء-۱۹۹۷ء) نیازمندانہ تعلق رکھا، اور ان کے افراد خاندان کو عزیز رکھا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو اہمیت و ترجیح دی، اور اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے ان کے ایک محبوب نواسے مولوی سید محمد غفران ندوی کو ان کی نسبت سے تقرری میں ترجیح دی، حضرت قاری صاحبؒ کی ان کو اچھی توجہ و شفقت حاصل تھی اور تعلق اس قدر تھا کہ حضرت قاری صاحبؒ کو ان کی اولاد کے لیے بڑی فکر تھی اور شادی کی ایک مدت کے بعد اولاد نہیں ہوئی، ۸، ۱۰ سال کا عرصہ گزر گیا تھا کہ حضرت قاری صاحبؒ نے خواب دیکھا کہ خال معظم کے باغ میں پھل آیا ہے، پھر ان کے فرزند برادر عزیز مولوی سید رشید احمد حسنی کی ولادت ہوئی۔

حضرت قاری صاحبؒ کو وہ اپنے مدرسوں مدرسہ فلاح المسلمین رائے بریلی جو اب ضلع امیٹھی میں ہے اور بدر العلوم سدھونہ جو اپنے وقت کے عظیم المرتبت شیخ حضرت شاہ بدر

علیؒ کے وطن میں ہے، دعوت دیتے، باوجود کثرت کار اور ہجوم مشاغل کے حضرت قاری صاحب قدس سرہ وہاں شرکت کا اہتمام فرماتے اور ناصحانہ گفتگو بھی کرتے اور وعظ کہتے۔

اس تعلق کا احساس دونوں کے افراد خاندان کو رہا، اور ہتھورا باندہ کے مدرسہ عربیہ کی مجلس شوریٰ کے ایک جلسہ میں جب اس کے ایک معتمد رکن حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے کسی عذر کی وجہ سے شرکت نہیں کر سکے تھے تو اپنا نمائندہ اسی نسبت وتعلق سے خال معظم کو بنا کر بھیجا، خال معظم نے راقم الحروف اور اپنے ایک محب مخلص قاری محمد عثمان قریشی مرحوم کو بھی لے لیا تھا، مولانا حبیب احمد باندوی ناظم مدرسہ نے ان کی تشریف آوری کو اسی طرح اہمیت دی اور بڑی خوشی کا اظہار کیا، اس طرح ایک نہیں کتنے واقعات ہیں، اپنے والد کے خاص احباب میں مولانا سید محمد مرتضی مظاہری سابق ناظر کتب خانہ ندوۃ العلماء کے ساتھ بھی اور ان کا بھی ان کے ساتھ اسی طرح خصوصیت کا برتاؤ اور آج بھی الحمد للہ اس کا امتداد ہے۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کے ملک کے اندرونی اسفار میں بھوپال اور حیدرآباد کے سفر خاص طور پر اہمیت کے حامل ہیں، جن میں وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھے، بھوپال کا سفر ان کے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد کا ہے، غالباً ۱۹۶۹ء یا ۱۹۷۰ء کا ہے جس میں کے ایک رفیق درس مولانا علی آدم ندوی افریقی (یکے از خدام و مجازین بیعت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ) بھی ساتھ تھے، اس سفر کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ شیخ وقت حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالی (متوفی ۱۹۷۰ء) کی اچھی صحبت میسر آئی تھی اور یہ مشاہدہ کیا تھا کہ وہ حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا کس قدر خیال فرماتے تھے، اور کیسی تکریم کرتے تھے، ان کے پہونچتے ہی مجلس کا رنگ کچھ اور ہی ہو جاتا، خال معظم فرماتے تھے کہ ابا جان (یعنی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ) کس ادب واحترام سے سامنے بیٹھے کہ حرکت بھی نہیں کرتے تھے، ایک طرف اپنی چھڑی رکھ کر کہ وہ کم دکھنے کی وجہ سے لازمی چیز تھی، خاموش قال وحال سے بیٹھ جاتے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجددیؒ کی باتوں کو ہمہ تن گوش ہو کر سنتے اور پھر الگ آکر املا کراتے، وہ اتنی مجلس ہو گئیں کہ کتاب بن کر جس کی آخری اور تیسویں مجلس مولانا سید محمد ثانی حسنی کی مرتب کردہ ہے اور مجالس ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ میں اہتمام سے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے شائع کیں، جن کی بڑی پذیرائی ہوئی، خاص طور پر حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ نے بہت سراہا، اور پھر اسے اپنے دارالاشاعت کتب خانہ الفرقان لکھنؤ سے اپنے مقدمہ و تعارف کے ساتھ شائع کیا۔

حیدرآباد اور اورنگ آباد کا سفر ۱۹۸۲ء یا ۱۹۸۳ء کا ہے جو ان کے والد مولانا سید محمد ثانی حسنی کی وفات کے بعد کا ہے، جس میں ان کی ان کے بڑوں کی طرف سے دعوتی تسکین وتسلی کی بات بھی کی تھی، اسی سفر کے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے خطبات اور تقریروں کا مجموعہ ''تحفۂ دکن'' کے نام سے شائع ہو کر مقبول ہوا۔

رائے بریلی، لکھنؤ اور ان کے اطراف کے اسفار اور آپ کے سیاسی باب کا حصہ ہیں، پھر دعوتی اور اصلاحی دورے ہوئے، اس کے ذریعہ آپ نے اچھی ریاضتیں اور مجاہدے کیے، رائے بریلی، امیٹھی اور سلطان پور کے انتخابات بڑی اہمیت رکھتے تھے، جو وزیر اعظم ہند اور ان کے قریبی متعلقین کا حلقۂ انتخاب تھا، ملک پر ایک طویل عرصہ سے کانگریس کی عملی اقتدار سے اس کے لوگ طاقت واقتدار کے نشہ میں ڈوبے ہوئے تھے، مسلمانوں اور دبے کچلے طبقہ کو سخت مشکلات کا سامنا تھا، ایمرجنسی، نس بندی، ہندو احیائیت جیسے بہت سے ایشوز بہت قابل فکر ولائق توجہ امور تھے پھر ایک الیکشن میں ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی مرحوم نے سیتاپور سے الیکشن لڑنے اور باعزت مسلم لیڈر جو مرکزی وزارت میں بھی رہ چکے تھے جناب یونس سلیم نے لکھنؤ سے اور الحاج ذوالفقار اللہ نے الہ آباد سے الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا اور سیتاپور سے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم نے پرچہ بھرا اور جناب اسد حسین مرحوم نے امیٹھی (سلطانپور) سے، تو ان سب کے لیے خال معظم کی جو فکر وتوجہ، محنت اور پلاننگ سامنے آئی، اس سے ان کی سیاسی بصیرت وحکمت عملی کا وہ باب کھلا جو ایک مدرسہ کے فارغ کے متعلق وہم وگمان سے بالا

تربیات تھی، یوں آپ کا مقر لکھنؤ تھا کہ جہاں آپ کا مکتبہ اور آپ کے رسالہ ماہنامہ ''رضوان'' کا دفتر تھا اور اس طرح آپ کی سرگرمیوں ونشاط کا سینٹر لکھنؤ تھا، کچھ دن کے لیے رائے بریلی جو کہ آپ کا وطن تھا' آپ تشریف لاتے تو وہ مرکز ہوتا اور اطراف سے لوگ آپ سے مشورے لینے کے لیے آتے اور گاؤں دیہات وغیرہ میں دعوت دیتے، قریبی جگہوں پر جہاں موٹر سائیکل، اسکوٹر وغیرہ سے آمد ورفت دشوار نہ تھی، اس کو اپنے کسی معاون کے ساتھ اختیار کرتے، آخر میں مولانا نیاز احمد ندوی مرحوم، مولانا محمد صدیق ندوی مرحوم، مولانا افتخار احمد ندوی، الحاج عبد الرحمن خاں رائے بریلوی کو اس میں ان کی معاونت کے لیے زیادہ مستعد دیکھا، لکھنؤ میں خاص مشورہ لینے والوں مسلم مجلس سے وابستہ لوگ زیادہ نظر آتے جن میں بعض وزیر، رکن پارلیمنٹ ورکن اسمبلی بھی ہوتے جیسے جناب محمد ادیب، جناب الیاس اعظمی، سابق ریاستی وزیر محمد مسعود اعظمی وغیرہ۔

مولانا کی تربیت مثالی والدین کے زیر شفقت ہوئی، والد ماجد مولانا سید محمد ثانی حسنی کی شہرت ایک مصنف، مبلغ، داعی، خادم دین، شیخ طریقت وغیرہ مختلف حیثیتوں سے تھی، والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہ حسنی بھی صاحب علم وفضل خاتون تھیں، اور مضامین وغیرہ بھی لکھتی تھیں، ''رضوان'' کے لیے ایک اپنے مضمون میں ''میری بے زبان استانیاں'' کے عنوان سے اپنی تعلیم وتربیت کا حال موثر انداز میں لکھا تھا، انہوں نے اپنے والد مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء کی فکر مندی اور توجہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''میری ذرا سی عمر بڑھی اور میں لکھنے پڑھنے کے قابل ہوئی تو میرے والد صاحب قبلہ نے میرے لیے ایک استاد کا انتظام کیا، وہ مولوی صاحب بڑے دین دار اور صاحب علم تھے، وہ روز تشریف لاتے اور خوب سمجھا سمجھا کر پڑھاتے ان کی تعلیم دل میں گھر کر تی گئی، میں نے کلام پاک انہیں مولوی صاحب سے ختم کیا، کلام پاک کے بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی بہشتی زیور اور فارسی پڑھنی شروع کی اردو میں بہشتی زیور سے مجھ کو بہت فائدہ ہوا، درحقیقت بہشتی زیور میں مسائل کے علاوہ بھی بہت سی گھریلو زندگی میں کام آنے والی اور چٹکلے نیز علاج و معالجہ کی باتیں معلوم ہوئیں، جنہوں نے مجھ کو بہت فائدہ پہونچایا، بہشتی زیور کے علاوہ مولانا سید عبد الحی حسنیؒ کی ایک مختصر سی کتاب روزمرہ کام آنے والے مسائل پر ہے، وہ بھی میں نے پڑھی، ان ہی مولانا عبد الحی حسنی کی دوسری کتاب جو بچوں کے لیے لکھی ہے، جس میں سوالات وجوابات کے انداز میں ایمان وعقیدہ، اعمال اور سیرت نبویؐ پر بیان ہے، ان کتابوں کے علاوہ مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی مشہور کتاب ''تعلیم الاسلام'' کے تمام حصے بڑے ذوق وشوق سے پڑھے اور ان سے بہت سے مسائل معلوم ہوئے، اور برابر کام آتے رہے، ان کتابوں کے پڑھنے کے بعد قرآن پاک کی مخصوص سورتیں (سورہ یٰسین، سورہ رحمن، سورہ واقعہ، سورہ فتح، سورہ تبارک الذی) یاد کیں، اس لیے کہ ان سورتوں کی فضیلتیں، ان کے پڑھنے کا ثواب اپنے والدین اور بزرگوں سے سنتی آئی تھیں، یہاں تک پہونچی تھی کہ پھر استاد سے پردہ ہوگیا، اور میری عمر اس حد تک پہونچ گئی کہ اب گھر کے اندر ہی پڑھنے لگی، میرے والد صاحب جن کو خدا نے دینی ودنیوی علوم سے بخوبی نوازا تھا، مجھ کو خود پڑھانے لگے، اور عربی شروع کرادی، سب سے پہلے **حکایات للأطفال** پڑھائی، اس کے بعد بعض دوسری عربی کتابیں''۔

والدہ صاحبہ کی تعلیم وتربیت کے انداز کو یوں بیان کرتی ہیں:

''میری والدہ صاحبہ مرحومہ کو بھی علم و دین سے بے حد لگاؤ تھا، وہ اکثر و بیشتر 'طریق النجاۃ' (ترجمہ مشکوۃ شریف) پڑھا کرتیں، جب وہ کھانا کھا کر قیلولہ کرتیں تو اپنے ہاتھوں میں طریق النجاۃ لے لیتیں اور پڑھتی رہتیں، اسی طرح تسبیح پڑھنے کا بھی اہتمام کرتیں، ہم سب بھائی بہنوں پر کڑی نگاہ رکھتیں اور غلط جگہ بیٹھنے اور بے کار کاموں کے کرنے سے روکتیں''۔

عام مطالعہ کے تعلق سے جس کا ذوق اپنے والدین کے حسن ذوق وسیرت سے حاصل کیا تھا لکھتی ہیں:

اور تمام مطالعہ میں میں نے ''سیرت عائشہؓ'' (از: علامہ سید سلیمان ندوی) ''اسوۂ صحابیات'' (از: مولانا عبد السلام ندوی) اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی ''حکایات صحابہؓ'' رکھی، نیز'' سیرۃ

الصحابیات'' (دار المصنفین اعظم گڈھ)، ''مسدس حالی''، علامہ اقبال مرحوم کی ''شکوہ جواب شکوہ''، مولانا جعفر علی تھانیسری کی ''تواریخ عجیب'' اور عم محترم مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی کی ''سیرت سید احمد شہید'' بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھی، ان ساری کتابوں کے پڑھنے کے بعد مطالعہ کا شوق بڑھتا رہا، اور اب بھی دینی کتابوں کے مطالعہ سے بڑی دلچسپی ہے، اور مشغول اوقات میں بھی کتابوں اور رسالوں کے مطالعہ کے لیے موقع نکال لینا آسان معلوم ہوتا ہے۔ [ماہنامہ رضوان جولائی- اگست ۱۹۶۷ء]

یہ تو والدین ماجدین کے طرز تعلیم و تربیت کی بات تھی، جس کا ذکر مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی والدہ مرحومہ نے کیا ہے، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی پر ان کے علاوہ اپنی دادی صاحبہ سیدہ امۃ العزیز مرحومہ جن کو اللہ تعالی نے اچھی عمر دی اور ان کا اچھا زمانہ پایا، پھر ان کی بہن محترمہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم کی تعلیم و تربیت کے جو اثرات تھے، وہ الگ تھے، پھر ان کی والدہ (جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی کی والدہ ماجدہ تھیں) مخدومہ سیدہ خیر النساء بہتر کا سایۂ شفقت ملا اور ان کی بھی تربیت کا انداز دیکھا، پھر یہ کہ ان کی مناجاتوں اور ان کی کتابوں سے الگ فائدہ اٹھایا جنہیں آپ کے والد مولانا سید محمد ثانی حسنی اپنے مکتبۂ اسلام لکھنؤ سے شائع کرتے تھے اور پھر آپ نے اس عمل کو جاری رکھا، امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کی ''قصص الانبیاء'' اور دوسرے رسالوں کا بھی اچھا حصہ رہا، جہاں تک تصنیفی ذوق اور مضامین کی تربیت میں معیاری انداز وسلیقہ کا تعلق ہے، وہ اپنے والد کے شانہ بہ شانہ رہے، خاص طور پر طویل کو مختصر، مشکل کو آسان کرنے کا آپ کو بڑا سلیقہ تھا، آپ کے 'رضوان' کے اداریے اس کے لیے شاہد عدل ہیں، پھر حالات پر نظر، سیاسی بصیرت، ملی غیرت، دینی حمیت، اور وسعت مطالعہ وتوجہ، ان سب چیزوں نے آپ کو گونا گوں صفات وکمالات کا حامل بنا دیا تھا، ماہنامہ ''رضوان'' کے جو آپ نے نمبر نکالے، ان میں بعض کتابی صورت میں منظر عام پر بھی آچکے ہیں، جن میں امہات المؤمنین نمبر بنام ''سیرت امہات المؤمنین'' اور صحابیات نمبر بنام ''تذکرہ صحابیات'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جنہیں مکتبہ امامہ حسنی جامعہ ام المؤمنین عائشہ للبنات نے شائع کیا، اول الذکر کے متعلق مولانا مرحوم کے عم نامدار حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''برادر زادۂ عزیز گرامی مولوی سید محمد حمزہ حسنی ندوی (مدیر ماہنامہ ''رضوان'' لکھنؤ) نے امہات المؤمنین سے متعلق رضوان کی خصوصی اشاعت میں امہات المؤمنین کی الگ الگ خصوصیات وامتیازات، ان کے علمی ودینی کمالات، معاشرتی وسیاسی سوجھ بوجھ اور ان کی شخصیت پر اہم وممتاز اہل علم سے مضامین ومقالات لکھوا کر ایک دستاویزی شکل دے دی''۔ [از: مقدمہ کتاب]

''مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی'' کا کام بڑا صبر آزما کام تھا، وہ چاہتے تھے کہ کم از کم دس جلدیں ان کی زندگی میں شائع ہوجائیں، چھٹی جلد کا کام پورا ہوا تھا کہ انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا، جبکہ ساتھ ہی میں بقیہ جلدوں کے لیے مواد اکٹھا کر چکے تھے اور کچھ کے منتظر تھے جس کا وہ ''تعمیر حیات'' میں اعلان نکلوا چکے تھے اور خطوط ان کے پاس تیزی سے آرہے تھے اور اگلی جلدوں کا نقشہ بھی تیار تھا، تیسری جلد میں انہوں نے جو پیش لفظ لکھا، اس سے ان کے کام کی اہمیت کو کسی صورت میں سمجھنا آسان ہوگا، وہ رقم طراز ہیں:

''مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی تیسری جلد اللہ تعالی کے فضل وکرم سے منظر عام پر آرہی ہے، جس پر جتنا بھی اللہ تعالی کا شکر ادا کیا جائے کم ہے، اس جلد میں جو خطوط ہیں، وہ بہت اہمیت کے حامل ہیں، اور ان افراد کے نام ہیں جو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے لیے دست وبازو کی حیثیت رکھتے تھے، ان میں خاندان کے افراد بھی تھے، جس کی وجہ سے خاندانی معاملات بھی سامنے آتے ہیں، ان خطوط میں عالمی امور کے ساتھ ساتھ مقامی معاملات کا بھی تذکرہ ہوا ہے، اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی فکر' خطوط کی سطر سطر سے ظاہر اور عیاں ہوتی ہے، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ان شاء اللہ کبھی بھی حضرت مولانا کی فکر میں تحریف نہیں کی جا سکتی، کیوں کہ'' کاروان زندگی'' کی موجودگی اور

ان خطوط نے اس کا راستہ بند کر دیا ہے"۔ [از پیش لفظ مکتوبات جلد سوم]

جہاں تک حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شفقت کا تعلق ہے، اس کے ذکر و بیان کے لیے مستقل باب درکار ہے جس میں تربیت بھی تھی، تنبیہ و تادیب بھی، خاص طور پر مطالعہ کے سلسلہ میں فکر، رہنمائی، نگرانی، خاندانی میراث کی حفاظت کی فکر، صرف جائداد کی نہیں، وہ روحانی میراث جو اس شاخ کے مورث اعلیٰ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی کی میراث تھی، عقیدۂ توحید میں صلابت، جذبۂ اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد و عزیمت اور اتباع و احیاء سنت جس کا سب سے شاہکار نمونہ حضرت سید احمد شہید تھے، اور دوسرے مشائخ و علماء مولانا محمد واضح، مولانا شاہ ابو سعید حسنی، حضرت (سید محمد عدل) شاہ لعل، مولانا محمد ظاہر، حضرت شاہ ضیاء النبی، حضرت خواجہ احمد نصیر آبادی، مولانا امین نصیر آبادی، مولانا سید عبدالحی حسنی، مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی رحمہم اللہ وغیرہ۔

شفقت کا دوسرا پہلو محبت و عاطفت کا تھا، اس کا ایک واقعہ مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء نے "میر کارواں" میں سفر حجاز کی نسبت سے لکھا ہے کہ:

"ایک سال حج کے موقع پر حمزہ میاں (مولانا سید محمد حمزہ حسنی بن مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم) شریک سفر تھے، ایک شب حرم شریف سے ان کو اپنے قیام گاہ واپس آنے میں تاخیر ہوگئی تو وہ چند گھنٹے مولانا کے لیے بے تابی و پریشانی اور امتحان کا وقت ثابت ہوا، اور ہر چند منٹ کے بعد دریافت فرماتے کہ حمزہ آئے یا نہیں؟ حضرت کے کئی خادم زادے حرم سے قیام گاہ تک کا راستہ ناپتے رہے، مگر لاکھوں کے مجمع میں ایک فرد کو حاصل کر لینا کچھ آسان نہ تھا، پھر خدا خدا کر کے جب وہ آئے تو مولانا کو سکون ملا اور دلی خوشی ہوئی اور چند گھنٹوں کے لیے آرام کر سکے"۔ (سفر حج کا نہیں عمرہ کا تھا اور ۱۹۷۹ء کے اوائل کا تھا)۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی مرحوم کی علمی و دعوتی سرگرمیوں میں ان کی وہ خدمات اور کوششیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو انہوں نے اپنے والد مرحوم کی وفات کے بعد مولانا سید محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی کے قیام کے ذریعہ انجام دیں، جس کا **الندوۃ العالمیۃ للشباب الاسلامی** ریاض سے بھی الحاق کرایا، اور اس کے قیام کے ساتھ ہی مکہ مکرمہ میں ممتاز عرب علماء، ادباء، مصنفین و محققین و اہل فکر نے رابطہ ادب اسلامی کے قیام کی تجویز رکھی اور اس کا بانی صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو منتخب کیا کہ اصلاً یہ فکر ان ہی کی تھی اور اس کے بڑے داعی ایک نامور مصنف و ادیب عبدالرحمٰن رأفت باشا ابھر کر سامنے آئے، اس کا پہلا مشاورتی اجتماع ندوۃ العلماء میں جنوری ۱۹۸۶ء میں ہوا اور پھر جون میں استنبول (ترکی) میں اسی سال ہوا مگر افسوس کہ ڈاکٹر رافت باشا اپنی علالت کی وجہ سے اس میں شریک نہ ہو سکے، پھر سیمینار کے بعد بغرض علاج وہاں آئے، درحقیقت ان کو قضا لے کر آئی، ۱۸؍ جولائی ۱۹۸۶ء کو وہ وفات پا گئے، پھر جو اہم سیمینار منعقد ہوئے، ان میں پہلا سیمینار ۱۹۸۷ء کے شروع میں جامعۃ الہدایہ جے پور میں ہوا، اور دوسرا سیمینار ندوۃ العلماء میں اسی سال کے آخر میں ہوا، اگلا سیمینار جو تیسرا تھا' رائے بریلی میں ایک بڑے اہم موضوع "حمد و مناجات" پر مولانا محمد ثانی حسنی سوسائٹی کے زیر اہتمام منعقد ہوا، دعوت نامہ رابطہ ادب اسلامی کے سکریٹری کی طرف سے جاری کیا گیا تھا اور انتظام و انصرام مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی سرگرمی و رہنمائی میں مولانا امتیاز احمد ندوی جنرل سکریٹری سوسائٹی اور مولانا ڈاکٹر سید احمد حسنی صدر سوسائٹی کے ساتھ رائے بریلی کے نوجوانوں کی ایک کارگزار اور مستعد ٹیم کر رہے تھے اور ان کے ساتھ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بعض اساتذہ پورے طور پر معاون تھے۔

جن ممتاز عرب شخصیات نے اس سیمینار میں شرکت کی، ان میں شاعر طیبہ استاذ ضیاء الدین صابونی، مشہور مصری مفکر و مصنف ڈاکٹر عبدالحلیم عویس اور سعودی عرب کی اہم دینی و علمی شخصیت اور صحافی و داعی شیخ احمد محمد جمال کی شرکت نے اس کو بہت اہم بنا دیا تھا، پھر پروفیسر خلیق احمد نظامی کے وقیع مقالہ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی صدارت نے اس کی اہمیت بہت بڑھا دی تھی، بڑا اچھا انتظام و انصرام تھا، یہی وہ زمانہ تھا کہ صوبہ بہار کے گورنر جناب محمد یونس سلیم تھے، وہ بھی اس موقع پر آئے، اس

وقت کھانا تکیہ شاہ علم اللہ میں حضرت مولانا کی طرف سے مندوبین کے اعزاز میں تھا، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نگرانی فرمارہے تھے۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی میں نظم و نسق کے سلیقہ کا وصف اپنے والدین سے بھی موروثی طور پر ملا تھا، خاندان کی مختلف تقریبات کا انتظام بھی ان کے حوالہ کیا جاچکا تھا، لکھنؤ کے اجلاس، تقریبات وغیرہ میں بھی ان کی ذہانت، طباعی، بیدار مغزی، سب پر نگاہ، مساوات وغیرہ اور اس کے ساتھ اسراف سے بچنے کی فکر، عوام و خاص کی معرفت، فرق مراتب، درجات کا خیال، اور جہاں مروت کی ضرورت ہو وہاں مروت، جہاں جھنے اور ڈٹنے کی ضرورت ہو وہاں جمنا اور ڈٹنا اور کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا، اس طرح بہت سی وہ خصوصیات ان کی تھیں کہ وہ ایسے مواقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے اچھے معتمد کے طور پر سامنے آئے تھے۔

ان کا عزم و حوصلہ یہاں پر رکنے والا نہ تھا، غالباً ۱۹۹۳ء میں ایک عالمی کانفرنس برائے امور دعوت وفکر اسلامی منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ عالم اسلام کے سامنے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا ایک پیغام اور وصیت چلی جائے، دعوت نامہ صدر سوسائٹی مولانا ڈاکٹر سید احمد حسنی کی طرف سے تھا، اس میں بھی بلاد عربیہ وممالک اسلامیہ کے اہم نمائندے شریک ہوئے اور اجلاس حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے زیر صدارت بڑی کامیابی سے اختتام پذیر ہوا، اس میں اردن، عرب امارات، مصر، بنگلہ دیش کے نمائندوں کے ساتھ ملک کی ممتاز اور قدآور شخصیات اور نئی دہلی میں قائم مقام سفیر سعودی عرب نے بھی شرکت کی، اس کے علاوہ رائے بریلی شہر میں انہوں نے ایک عظیم الشان کانفرنس غالباً ۱۹۸۶ء میں منعقد کیا جب آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے تحفظ شریعت تحریک زور شور سے چل رہی تھی، اور مسلم مطلقہ کے تعلق سے سپریم کورٹ کا ایک فیصلہ سامنے آیا تھا، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اراکین، عہدے داران ملاقاتوں کے ذریعہ بھی تحریک کو طاقتور انداز سے پیش کررہے تھے، بالآخر یہ کوشش رنگ لائی، جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی قیادت وصدارت میں جاری تھی، اور مولانا سید منت اللہ رحمانی اس کے روح رواں تھے، اور پارلیمنٹ کی اکثریت نے وزیراعظم راجیو گاندھی کے زیر ہدایت بل میں ترمیم شریعت اسلامی کے اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کی، اس سلسلہ میں رائے بریلی کا یہ اجلاس اس لیے بھی اہمیت کا حامل تھا کہ اس حلقہ انتخاب سے برسر اقتدار پارٹی کانگریس کی خدمات وابستہ تھیں، مسز اندرا گاندھی وہاں سے الیکشن لڑتی تھیں، چوں کہ رائے بریلی اور اس سے متصل ضلع کی تحصیلوں پر مشتمل حلقۂ انتخاب امیٹھی سے اس وقت کے وزیراعظم راجیو گاندھی منتخب ہوکر آئے تھے، رائے بریلی و امیٹھی کے عوام پر مشتمل یہ اجتماع جو ایک بڑی ریلی کی شکل اختیار کرگیا تھا، تاریخ ساز کنونشن ثابت ہوا، اس کی صدارت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی اور نظامت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی مدیر ماہنامہ ''رضوان'' لکھنؤ نے کی تھی، اس سے ان کی غیر معمولی صلاحیت، لیاقت، تدبر و تدبیر سیاست سامنے آئی۔

اس سے پہلے لکھنؤ میں امام حرم و خطیب عرفات شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل الشیخ کی فروری ۱۹۷۸ء میں تشریف آوری اور نومبر ۱۹۸۶ء میں صدر امور حرمین شریفین و خطیب و امام حرم مکی علامہ محمد بن عبداللہ السبیل کی تشریف آوری پر بھی ان کو انتظامات کی ذمہ داری میں کلیدی کردار شہر کے افراد کو جمع کرکے کرنے کا موقع اپنے عم مکرم، مخدوم و معظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں حاصل ہوچکا تھا، اور ان دونوں پروگراموں میں ہزاروں نہیں لاکھوں لاکھ فرزندان توحید جمع ہوئے اور ایک امام حرم کے پیچھے نماز پڑھنے کی نہایت امن وسکون کے ساتھ اقتداء کا منظر کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، جبکہ اور کئی ممتاز عرب شخصیات ساتھ تھیں، اول الذکر پروگرام میں الندوۃ العالمیۃ للشباب الاسلامی کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر احمد توتونجی اور ثانی الذکر پروگرام میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف اور سعودی سفیر فؤاد صادق مفتی بھی تھے، خواص وعوام بھی کے ساتھ جو اکرام وخیال کا معاملہ رکھا گیا، اس

کی نظیر ملنی مشکل ہے، چوں کہ یہ پروگرام جمعہ کے دن کے تھے، اس لیے بھی ان کی نوعیت الگ تھی اور پھر اس کا خیال کہ ان حضرات کی تکریم حرمین شریفین کی نسبت سے ان کے شایان شان ہو، جو انتظام استقبال کے لیے ایرپورٹ جانے کا تھا وہ بھی عدیم النظیر تھا، ۱۹۸۵ء میں اگر چہ شیخ عبد الرحمن سدیس جو نئے نئے امام ہوئے تھے، اور ایک موقع پر مسجد اقصیٰ کے سابق امام شیخ محمد الصیام اور دوسرے موقع پر اس کے موجودہ امام بھی تشریف لائے، لیکن وہ جمعہ کے دن نہیں تھے اور بعد میں ۱۹۹۷ء میں شیخ محمد بن عبد اللہ السبیل دوبار تشریف لائے اور سعودی عرب اعیان کا ۱۱ رکنی وفد ساتھ تھا، اور ۲۰۱۲ء میں شیخ خالد غامدی تشریف لائے مگر اس موقع پر ذمہ داریاں تقسیم تھیں، حالانکہ مؤخر الذکر امام حرم کی تشریف آوری کا زمانہ آپ کی نظارت عامہ کا تھا، اور آپ کی ہدایت پر ندوہ کے اندر کے پروگرام بحسن و خوبی ترتیب دیے گئے تھے۔

جبکہ ندوہ کی دعوت کانفرنس میں جس کا بنیادی موضوع تحفظ عقیدۂ ختم نبوت ورد قادیانیت اورامت مسلمہ کو درپیش دوسرے عصری چیلنجز اور مسائل تھا، کانفرنس کے انچارج مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء تھے، انہوں نے اپنا خصوصی معاون مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی کو بنایا تھا، آپ بھی شہر کے لوگوں کو جوڑنے میں اہم معاون تھے جس کی وجہ سے شہر کے عمائدین کی بھی اچھی شرکت بطور میزبان کے تھی۔

اس سے قبل جب آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ نے اپنے بڑے پورا جلاس ۱۹۹۳ء میں دارالقضاء اور اصلاح معاشرہ کی تحریک زیادہ منظم اور فعال بنانے پر زور دیا، اور ندوۃ العلماء نے اس کی اپیل پر پہل کرتے ہوئے ملکی سطح کا عظیم الشان اصلاح معاشرہ کانفرنس کا ندوہ میں انعقاد کیا جس کے داعی بحیثیت بورڈ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور بحیثیت مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ تھے' آپ اس کے کارگزار افراد میں عملی طور پر بڑے متحرک تھے اور صرف یہی نہیں کہ اس کو صرف دعوت تک محدود نہ رکھا بلکہ اس کی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اس کی پوری کوشش کی کہ جو تجاویز وقرار دادیں پاس ہوئی ہیں، ان کا نفاذ ہو اور اگر سب نہیں کر سکتے تو وہ اپنے طور پر سے پوری ہمت و جرأت سے اپنے تئیں کریں، اس کی اہم قرار داد جہیز کی لعنت سے معاشرہ کو پاک کرنا اور مہر میں 'ایسا مہر نہ مقرر کرنا' جس کی ادائیگی نہ ہو سکے اور صرف وہ الفاظ تک رہ جائے، پھر یہ کہ نکاح مسجد میں ہوں، سادہ ہوں اور لڑکی والوں کی طرف سے دعوت سے احتراز کیا جائے، خود تو عمل کیا اور جن پر بس تھا، ان سے عمل کرایا اور اپنے طور پر اس کا بھی اہتمام کیا کہ نکاح، ولیمہ، عقیقہ وغیرہ دوسری خاندانی تقریبات میں قریب ترین رشتوں میں تو قریبی جگہ سفر کرلیا جائے، ورنہ جو جہاں ہے وہ وہاں بسہولت شریک ہولے، شہر لکھنؤ میں اپنے اور اپنے خاص اقرباء کے متعلقین کی تقریبات میں بھی شرکت کا آخر تک معمول رکھا اور عیادت، شرکت جنازہ وتقریب جیسے امور میں اہتمام کیا، جب تک صحت رہی قبرستان پیدل جاتے رہے اور راقم الحروف کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے۔

ندوۃ العلماء کا دور نظارت عامہ ونیابت نظامت

مارچ ۱۹۹۹ء کا پہلا ہفتہ اختتام پذیر تھا، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ بنگلور کے ادب اسلامی کے سیمینار میں شرکت، وہاں سے بھٹکل و بنگلور کے جلسوں و پروگراموں میں شرکت کر کے لکھنؤ واپس ہوئے تو ان پر ضعف کا شدید حملہ ہوا جو فالج کا اشارہ دے رہا تھا، سٹی اسکین سے یہی بات سامنے آئی، منگلور میں ایک رپورٹ سے بھی اس کا خدشہ ظاہر کیا گیا تھا، عوام کا ایسا ہجوم ہوا کہ روکے رکنے کو نہ تھا، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی پر سب کی نگاہ گئی، اور انہوں نے ملاقاتیوں اور عیادت کرنے کے لیے آنے والوں کو ڈیل کرنا شروع کیا، لوگوں کی تسکین کے لیے انتظامی طور پر ایک رجسٹر رکھا جس میں دنیا بھر سے فون کرنے والوں کے نام اوقات کے ذکر کے ساتھ اور ملنے آنے والوں کے نام بھی درج کیے جاتے اس لیے کہ یہ ممکن نہ تھا کہ ہر فون پر بات کرائی جائے اور ملاقات کرائی جائے، معالجین کی سخت ہدایت تھی جس کا پاس رکھنا بھی ضروری تھا، اس سے لوگوں کو یہ اطمینان ہوتا کہ حضرت کو بعد میں نام کے

ذریعہ معلوم ہو جائے گا اور وہ اسے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے، اہل اللہ کی دعائیں بڑی جامع ہوتی ہیں اور کوئی صاحب ایمان اور تعلق و محبت رکھنے والے یا دعا چاہنے والے کو اجمالی طور پر محروم نہیں کیا جاتا، پھر یہ کہ حضرت مولانا کا تو حال یہ تھا کہ انبیاء و رسل اور اسلام کے عہد اول سے لے کر امت کے مختلف ادوار و طبقات کے افراد کے لیے اپنے عہد تک محسنین، اہل خاندان و خادمین دین و ملت کا حتی الامکان نام لے کر بذریعہ یٰسین شریف ایصال ثواب اور بذریعہ منزل دعا کرتے تھے۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کے اخلاق، برتاؤ، مساوات کے عمل کو دیکھ کر لوگ متاثر ہوئے، مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ان کی اس صلاحیت کے ایسے قدرداں ہوئے کہ ان کے لیے ندوہ کی نظارت عامہ کا عہدہ نکالا کہ مددگار ناظم کے طور پر مولانا محمد طاہر منصور پوری کی خدمات اپنی جگہ تھیں، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کے لیے اچھے مشاہرہ کی پیشکش ادارہ کی طرف سے ہوئی مگر انہوں نے اس پر شکریہ کے ساتھ خدمت لوجہ اللہ کرنے کو ترجیح دی، انہیں استحقاق تھا لیکن انبیاء کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اس پر اجرت لینا پسند نہیں کہ "**ان أجري إلا على الله رب العالمين**"، جبکہ سوال تو پہلے بھی نہ تھا، نہ ہی انہوں نے ملازمت یا منصب کے لیے کوئی درخواست دی، مشاہرہ کا سوال نہ زبان سے نہ ہی دل سے کیا، مکتبہ اسلام کی تجارت، رائے بریلی کے موروثی جائیداد کی زراعت کو اپنے اور اپنے اہل و عیال کے نفقہ (خرچ) کے لیے کافی سمجھا، اور بڑوں کی طرف سے پیش کش سے بڑے لحاظ و ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے معذرت پیش کر دی۔

دوسرا مرحلہ ذمہ داریوں کا تھا، یہ تو یاد نہیں کہ وزیر اعظم اٹل بہاری باجپئی، وزیر اعلیٰ کلیان سنگھ اور گورنر اتر پردیش دوسرے اہم عہدے داروں کے ساتھ جب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عیادت کو آئے تو آپ ناظر عام کی ذمہ داری انجام دینے لگے، البتہ یہ ضرور ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد فرد خاندان کی حیثیت سے وہ نظام بنانے میں اعلیٰ جنس کے افراد اور ندوہ کی انتظامیہ کے شریک تھے کہ ملاقات میں کون کون رہے گا؟ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے گفتگو کی لیکن زبان صاف نہ ہونے کی وجہ سے کہ فالج سے متاثر تھی، ان کے بھانجہ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے اس کی وضاحت کی اور وزیر اعظم بڑے آداب و لحاظ کے ساتھ سرہانے کی کرسی پر بیٹھے تھے لیکن پھر وہ پائتے کی جانب کرسی پر بیٹھ گئے، اور دعا کی درخواست کے ساتھ کچھ دیر میں رخصت ہوئے، میڈیا کے لیے پابندی تھی کہ اندر نہ آئے، مگر کسی طرح یہ تصویر پھیل گئی، خبر اخبارات اور نیوز ایجنسیوں نے شائع کی جو ندوہ کے دفتر سے ارسال کی گئی تھی اور یہ خبر مختصر، جامع اور صحافت کا اعلیٰ نمونہ تھی جو مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نے تیار کی تھی، مولانا نے صحافت اعلانات و اعلام کا فن دراصل اپنے عظیم القدر ماموں حضرت مولانا سید محمد الحسنی مرحوم بانی مدیر البعث الاسلامی سے سیکھا تھا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کا زمانہ جو مرض وفات کا زمانہ کہا جائے گا، ان کے لیے رجوع عام کا زمانہ تھا، عام ہی نہیں بلکہ عام و خاص سبھی لوگ ٹوٹے پڑ رہے تھے، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی جس فکر و توجہ سے دیکھ ریکھ کر رہے تھے، وہ ندوہ کے اچھے مستقبل کا آئینہ دار تھا، ایک مجلس میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو مہتمم کے ساتھ اضافی ذمہ داری نائب ناظم کی بھی سپرد کر دی گئی، اور یہ اس وقت کے نائب ناظم مولانا محمد معین اللہ ندوی اندوری رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے ضعف و علالت اور مسلسل تعطیل میں رہنے کی وجہ سے ایک دوسرے اعزاز سے نوازتے ہوئے مجلس نے انہیں سرپرست بنایا، اگرچہ اس کی مدت کم رہی کہ ۲۳ راگست ۱۹۹۹ء کو انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا، اس کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی وہ ذمہ داری بڑھی، تو مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی بھی ذمہ داری بڑھی، ان کی حسن کارکردگی سے مجلس نظامت اور مجلس انتظامیہ مکمل مطمئن تھی، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی کا ۲۲ ررمضان المبارک ۱۴۲۰ھ / ۳۱ ردسمبر ۱۹۹۹ء کو رائے بریلی میں سانحۂ وفات پیش آیا، فوری طور پر دو تین دن کے اندر رائے بریلی میں ہی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء نے اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے مکہ معظمہ

سے آکر میٹنگ بلائی، اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا جانشین یعنی ناظم ندوۃ العلماء منتخب کیا گیا اور مہتمم کی حیثیت سے مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی کا انتخاب عمل میں آیا اور اختیارات بڑھائے گئے، اس میں معتمد مال پروفیسر محمد وصی احمد صدیقی کی تحریک کو بھی خاص دخل تھا اور مولانا سید نظام الدین امیر شریعت بہار کی بحیثیت رکن مجلس نظامت خصوصی تائید اور سبھی ارکان کی حمایت حاصل تھی، پھر یہ نظام چل پڑا، یہاں تک کہ کچھ عرصہ کے بعد حضرت ناظم صاحب مدظلہ کے کثرت اسفار کی وجہ سے جو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر ہونے کی وجہ سے اور بعض دوسری ملی ذمہ داریوں کی وجہ سے بڑھ گئے تھے پروفیسر وصی احمد صدیقی مرحوم کو مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی وفات کے بعد نائب ناظم کی اضافی ذمہ داری دی گئی، ان کے بعد یہ اعزاز مولانا مفتی محمد ظہور ندوی مفتی اعظم ندوہ کو ملا، اور پھر ان کی وفات کے بعد مہتمم دارالعلوم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی کی تحریک اور دیگر ارکان کی تائید پر ۲۰۱۷ء کی مجلس نظامت کی میٹنگ میں مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کو یہ منصب ملا، لیکن مولانا نے اس اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے بعد جو مجلس نظامت اور مجلس انتظامیہ (بڑی مجلس) کی توثیق کے بعد موثق ہو گیا تھا' اس کے اظہار میں عجلت سے کام نہیں لیا، جس کی وجوہات جو بھی رہی ہوں، اپنے بڑوں کا احترام ایک بڑی وجہ تھی، بعض معاصرین نے اس کا مطلب جو کچھ لیا ہو اور ان کو ایک کلرک (دفتر کے ذمہ دار) کی حیثیت سے اپنے کو رچشمی سے دیکھا ہو لیکن ان ظاہری ترقیات میں ان کے باطنی اوصاف وخصوصیات اور تعلق مع اللہ کو بھی بڑا دخل تھا پھر یہ کہ جو اپنے بزرگوں کے سامنے چھوٹا بنتا ہے، اللہ اس کو بڑا بناتے ہیں اور جو اپنے بزرگوں کے سامنے بڑا بننا چاہتا یا بڑائی ظاہر کرتا ہے، وہ نیچا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پورے عہد میں جو ان کی نظارت عامہ کا عہد ہے، در حقیقت بڑا کام لیا۔

وہ ندوۃ العلماء کے اردو ترجمان پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' کے نگراں بھی ہوئے، یہ ذمہ داری ومنصب ان سے پہلے مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء اور پروفیسر وصی احمد صدیقی معتمد مال ندوۃ العلماء کے پاس تھی، انہیں ندوہ کی نمائندگی کا آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ میں بھی موقع ملا، پہلے اس کے رکن میقاتی اور پھر رکن تاسیسی ہوئے۔

ان سب ذمہ داریوں کے ساتھ ان کو اسفار سے مناسبت نہ رہی، بیرونی اسفار میں اس مدت خدمت ندوۃ العلماء میں انہوں نے صرف حج کا ایک سفر ۲۰۰۷ء میں کیا، اور اندرونی اسفار میں لکھنؤ و رائے بریلی و اطراف کے بعض اسفار کے علاوہ غالباً ایک بار بنگلور کا سفر کیا اور بس، وہ خدمت ندوۃ العلماء کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد لکھنؤ کے قیام کو ہی ترجیح دیتے رہے اور بہت کم مدت کے لیے وہ رائے بریلی جو کہ ان کا وطن اور اہل وعیال کا مستقر بنے جاتے، اور افسوس کرتے کہ میرا ارادہ تھا جب پچاس سال عمر ہوگی تو پھر اپنے وطن اور اپنے بزرگوں کی جگہ دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں یکسو ہو کر یاد الٰہی میں گزاریں گے، مگر جب یہ عمر آئی کہ اس فکر کے خلاف اجتماعی و ملی کام کی مشغولیت ایسی ملی کہ سر اٹھانے کا موقع نہیں، فرماتے کہ اللہ تعالیٰ جس سے جو کام لینا چاہتا ہے وہ لیتا ہے، اپنے اختیار سے بات نہیں بنتی، بس اللہ سے لو لگائے رہیے، اور ذکر کرتے رہیے پھر تماشہ دیکھیے۔

ان کے لیے ناظر عام کا منصب سنبھالنے کے بعد ایک بڑی آزمائش یہ آئی کہ سال دو سال ہی گزرے تھے کہ ان کو پیٹ کے درد کی ایسی شدت ہوئی کہ جو اطباء کے لیے بھی مایوس کن تھی اور علاج کے لیے وہ حیران تھے، اندر پھیلتے زہر کو نلکی کے ذریعہ نکالنے کا سلسلہ شروع کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے شفا دی، اس وقت راقم سطور خال محترم مولانا سید بلال حسنی ندوی (حال ناظر عام ندوۃ العلماء) اور عم مکرم مولانا سید احمد علی حسنیؒ سابق ڈائرکٹر رائے بریلی کے ساتھ لاہور کے سفر سے ہندوستان واپس ہو رہا تھا کہ اس تشویشناک خبر نے ہلا کر رکھ دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور ان سے ایک طویل مدت خوب کام لیا۔

یہاں یہ بات بھی مناسب حال معلوم ہوتی ہے کہ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کے ناظر عام کے منصب پر فائز ہونے کے کچھ وقت کے بعد راقم الحروف نے ان کی والدہ

(یعنی اپنی نانی مرحومہ بنت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء) کو خواب میں ایک روشن محل میں دیکھا اور معلوم ہوا کہ ان کا یہ محل جو خوب جگمگا رہا اور روشن و پرنور ہے، اس میں روشنی حمزہ سے آرہی ہے، تعبیر معلوم ہوئی کہ خال معظم مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی نیکیاں یہ روشنی پہونچا رہی ہیں، جو آپ بلا معاوضہ ندوۃ العلماء کی خدمت کر رہے ہیں، اس کی نیکیوں کی روشنی ہے اور ثواب بی بی یعنی نانی مرحومہ کو جا رہا ہے، معلوم ہوا کہ انہوں نے والدین کے اجر وثواب کی خاص نیت بھی کی تھی، اور نہ بھی نیت کرتے تو اولاد چونکہ دنیا میں وجود میں والدین کے ذریعہ آتی ہے، ہر نیکی کا اجر وہ بلا نیت کے بھی پاتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی امام سرہندی (۹۷۱ھ-۱۰۳۴ھ) نے عجیب بات لکھی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امتی کی ہر نیکی کا ثواب چاہے وہ نیت کرے یا نہ کرے اور ماں باپ کو اولاد کی نیکی کا ثواب خواہ وہ نیت کرے یا نہ کرے، پہنچتا رہتا ہے، البتہ نیت وارادہ سے حسن سلوک کا ثواب وفائدہ مزید حاصل ہوتا ہے۔

آپ کی نظارت عامہ میں ندوۃ العلماء میں جو اہم ملاقاتیں اور پروگرام ہوئے، وہ ۲۰، ۲۱ رسال کی مدت میں خاصے اور اہمیت کے حامل ہیں، ان میں ایک اہم ملاقات شنکر اچاریہ مدراس کی تھی جو بابری مسجد اور رام جنم بھومی تنازع کے حل کی ایک کوشش کے طور پر حکومتی اشارہ سے تھی، شنکر اچاریہ جو ہندوؤں کے چار بڑے شنکر اچاریہ (بڑے مذہبی رہنما) میں ایک اور چاروں میں سب سے بڑی شخصیت کے طور پر تھے ظہر اور عصر کے درمیانی وقت میں ملنے ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ سے ملنے آئے، حضرت مولانا نے ان سے ملنے کے لیے پہلے سے تیاری کر رکھی تھی اور پڑھنے پڑھانے کا غیر معمولی اہتمام کیا، اور دعا ونماز سے بھی اللہ کی مدد چاہی، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی اس وقت انتظام دیکھ رہے تھے، شنکر اچاریہ اگر چہ اپنا اثر نہیں ڈال سکے، لیکن خبر اس طرح میڈیا میں ان کے حلقہ سے پھیلائی گئی کہ وہ اپنی بات منوا کر گئے ہیں، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نے اپنی ایمانی فراست، سیاسی بصیرت اور صحافتی تجربہ سے فوراً اس کا ایسا توڑ کیا کہ وہ حلقہ لاجواب ہو گیا اور پھر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے مجلس عاملہ کا اجلاس دار العلوم ندوۃ العلماء میں بلایا گیا، اور ایک ایسی پریس کانفرنس بھی منعقد ہوئی ہو، جس میں انٹرنیشنل ذرائع ابلاغ (میڈیا) موجود تھے، اور ایسی پریس کانفرنس لکھنؤ میں شاید ہی منعقد ہوئی ہو، اس میں صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ بنفس نفیس شریک ہوئے تھے اور بورڈ کے عہدے داران، اراکین عاملہ، اس کی بابری مسجد کمیٹی کے کنوینر اور ممبران اور اہم رکن یوسف حاتم مچھالا سینئر وکیل سپریم کورٹ اور ڈاکٹر قاسم رسول الیاس کے ساتھ جو بابری مسجد کمیٹی بورڈ کے کنوینر تھے اور پھر سکریٹری بورڈ جناب عبدالرحیم قریشی مرحوم کے ساتھ جن کی بابری مسجد قضیہ پر بڑی دستاویزی کتاب بھی بورڈ شائع کر چکا ہے، محضر نامہ تیار کرنے میں مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی بھی پیش پیش تھے، بورڈ نے ایسا واضح اور صاف موقف اختیار کیا کہ جس میں کوئی لچک نہ تھی، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی اپنی بات پر جمنے والے شخص تھے، اور وہ پینترا نہیں بدلتے تھے، آخر تک وہ اسی موقف پر قائم رہے اور اس کو بہت ناپسند سمجھتے کہ بابری مسجد کے مسئلہ میں کہیں سے پیچھے ہٹا جائے اور اللہ کی عبادت کی جگہ کو یا اس سے متصل وقف کی زمین کو بھی جو اللہ کے لیے وقف ہے، غیر اللہ کے لیے چہ جائیکہ کے ٹرسٹ کے لیے دی جائے، اور جب بعض حضرات نے ایک مدت کے بعد پھر اس مسئلہ کو غیر شرعی انداز سے اٹھا کر ملکی حالات کے تناظر میں سمجھوتا کے نام سے مندر ٹرسٹ کے لیے دینے کی بات کہی تو بورڈ اپنے اسی موقف پر قائم رہا، اور مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نے بھی اس کی سخت مخالفت کی۔

بورڈ کا بڑا اجلاس تو ۲۰۱۰ء میں لکھنؤ میں رکھا گیا اور آپ بحیثیت ندوہ کے ذمہ داران میں سے ایک اہم ذمہ دار کی حیثیت سے اس کے میزبان رہے جس کی نشستیں ندوۃ العلماء میں منعقد ہوئیں اور یہ انتخابی اجلاس بھی تھا، ندوۃ العلماء کے ایک ذمہ دار کی حیثیت سے آپ کا رول اس میں اہم تھا، اور اس کا جلسہ عام عیدگاہ عیش باغ میں منعقد ہوا، عاملہ کی نشستیں پہلے بھی اور بعد میں بھی

ہر کچھ مدت میں لکھنؤ میں ہوتیں اور ندوہ میزبانی کرتا اور آپ اس حیثیت سے میزبان ہوتے، مولانا سید نظام الدین کی جنرل سکریٹری شپ کا دورا اور پھر آخری جلسہ مولانا سید محمد ولی رحمانیؒ کی جنرل سکریٹری شپ میں طے ہوا مگر اس وقت کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ راتوں رات جلسہ بعض سیاسی مصلحت سے ایک دوسری جگہ ممتاز کالج کھدرا میں منتقل کرنا پڑا جس کے لیے اس کے منیجر ظفریاب جیلانی نے اپنی خدمات پیش کیں اور اس کے نائب صدر جناب فضل الباری مرحوم، کالج کے عہدے داران اور اسٹاف نے اچھا تعاون دیا اور ندوہ نے بھی حسب معمول مہمانوں کی دیکھ ریکھ کی، اور اس کے ساتھ ایک اہم پروگرام کو ناکام بنانے کی جو سازش رچی گئی تھی، وہ طشت ازبام ہوئی مگر آپ نے سارے حقائق کے علم اور انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود صبر وضبط سے کام لیا، اور اس پر نہیں اڑے کہ جلسہ ندوہ میں ہی ہو، مولانا سید محمد ولی رحمانی مرحوم جنرل سکریٹری بورڈ جن کو اللہ نے غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا، اور انھوں نے آنکھوں میں آنکھ ڈال کر لکھنؤ کی انتظامیہ کو سمجھایا تھا جس کے بعد عاملہ کا یہ اجلاس ندوہ میں ہونے کے احکام جاری ہو گئے تھے مگر مولانا محمد حمزہ حسنی نے ندوہ اور بورڈ دونوں کے مفادات کو ملحوظ رکھتے ہوئے جگہ کی منتقلی سے اتفاق کیا اور پھر اسی پر سب کا اتفاق ہوا، یہ ان کی اصابت رائے تھی۔

کانفرنسوں، اجلاس، سیمناروں میں رابطہ ادب اسلامی کے سیمنار، دینی تعلیمی کانفرنسیں اور جلسے جو دینی تعلیمی کونسل اترپردیش کے پلیٹ فارم سے ندوہ میں وقتاً فوقتاً ہوئے اور دوسری تقریبات ان سب کے انعقاد اور تیاری میں بحیثیت ناظر عام ندوۃ العلماء آپ کی رائے بلکہ فیصلہ ہی اصل ہوتا، اور ان سب میں آپ کا حصہ ہوتا، ان کے علاوہ شہر لکھنؤ کا سالانہ تبلیغی اجتماع اور کتابوں کے اجرا کی تقریبات پھر سب سے بڑھ ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے جلسے اور اراکین انتظامیہ کے اعزاز میں پروگرام حالانکہ آپ کی اجازت ضروری تھی لیکن آپ خود سامنے آنے سے گریزاں ہوتے، خود نمائی، خود ستائش آپ کے لیے تکلیف دہ تھی، اس کا دوسروں کو موقع ہی نہ دیتے، زیادہ خاموش رہتے، اور ذاکر شاغل رہتے، پاس انفاس اور ذکر قلبی کی ایسی مشق کی تھی کہ خواہ لوگ آپ کو جتنا الجھانا چاہیں' آپ اپنا بچاؤ کر لیتے، قریب ترین، مزاج شناس اور مانوس لوگوں کا بیٹھنا پسند کرتے اور اس کے علاوہ زیادہ وقت دوسروں کو نہ دیتے، دفتر کا کام دفتر میں، مکتبہ کا کام مکتبہ، اور بڑے اہل تعلق کے تعلقات کی پاسداری کے الگ وقت، چاہنے والوں کے حقوق کا خیال، اعمال میں مواظبت ومداومت، معمولات کا اہتمام، ذکر وتلاوت، درود شریف، کتابوں کا مطالعہ اور اپنے مکتبہ سے شائع ہونے والی کتابوں کی تصحیح کا عمل، ماہنامہ "رضوان" کی ادارت اور "تعمیر حیات" چھپنے جانے سے پہلے آخری نظر، ندوہ کی ترقیات اور مالیات کی فراہمی کی فکر اور اس کا انتظام، اور اس کا آخری درجہ خیال کہ ایک پیسہ بھی ادھر کا ادھر اور بے مصرف نہ لگنے پائے، اسراف سے بچاؤ، تبذیر کا تو گزر ہی نہیں، نوٹ بندی اور کورونا کی وبا کا زمانہ سخت ابتلا وامتحان کا زمانہ تھا، مگر اس میں بھی آپ اپنا دامن بچا کر نکل گئے اور ندوہ اور اس کے متعلق مکاتب و اداروں کو بھی آزمائش سے بچایا، جبکہ اور اداروں میں تنخواہیں دینا مشکل ہو گئیں تھیں لیکن ندوہ اس میں ممتاز رہا، اور ندوہ کی تاریخ میں سنہرے حروف سے یہ بات رقم ہوگی کہ آپ ایک بہترین منتظم تھے۔

معہد دار العلوم ندوۃ العلماء (سکروری) میں واقع رواق ابوالحسن ومسجد ابوالحسن، کتب خانہ حبیب الرحمٰن شیروانی اور ٹی عبدالواحد ہال۔ دار العلوم ندوۃ العلماء میں رواق سلیمانی کی تکمیل، رواق حبیب (بیاد نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی) کی تعمیر، رواق ابوالحسن علی (بیاد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) رواق محمد علی (بیاد حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری بانی وناظم اول ندوۃ العلماء) مستشفی الدکتور السید عبد العلی الحسنی (ڈاکٹر سید عبد العلی ہسپتال)، اسی دار العلوم ندوۃ العلماء کے احاطہ میں گراں قدر تعمیراتی کام ہیں اور سب سے بڑھ کر مسجد دار العلوم ندوۃ العلماء کی توسیع کا کام جس میں شہر کے لوگوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور وہ پورے شہر لکھنؤ کی سب سے بڑی مسجد اور حقیقی طور پر جامع مسجد ہے جس کے بغیر لکھنؤ

کا تصور تھا، اور بڑی مساجد اہل تشیع کی تھیں، سوائے قدیم ٹیلہ والی مسجد کے مگر اندرونی حصہ بھی اتنا وسیع نہیں، ندوۃ العلماء کی مسجد میں بیک وقت جتنے حضرات نماز کے لیے آسکتے ہیں لکھنؤ کی کسی مسجد میں نہیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو اس کی بڑی فکر تھی اور ایک توسیع ان کے عہد نظامت میں مولانا معین اللہ ندویؒ سابق نائب ناظم کی نگرانی میں ہوئی تھی، یہ مکمل توسیع حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی کے دور نظامت میں اس وقت کے نائب ناظم و ناظر عام مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی نگرانی اور فکر و توجہ سے ہوئی، اور یہ عطیہ خداوندی کہ تکمیل ہوتے ہی اچانک پروگرام امام حرم شیخ صالح آل طالب کا بن گیا اور انہوں نے ظہر اور پھر اگلے روز فجر کی نماز کی امامت سے اس آخری توسیع شدہ مسجد کا افتتاح فرمایا، اللہ تعالی اپنے نیک بندوں کی اس طرح مدد فرماتا ہے۔

شفقت و ہمدردی، حوصلہ افزائی اور حسن تربیت

نانا مرحوم مولانا سید محمد ثانی حسنی کے انتقال کے بعد تو وہ اپنی دوسری ذمہ داری محسوس کرنے لگے تھے اور جب نانی صاحبہ کا بھی انتقال ہو گیا تو ان کی نسبت سے تہری ذمہ داری محسوس کرنے لگے، اور جب ہمشیرہ (یعنی راقم کی والدہ) بھی نہ رہیں تو شفقت اور بڑھ گئی، جب ان کے بہنوئی (راقم کے والد ماجد سید حسن حسنی) بھی نہ رہے تو وہ، ہم لوگوں کے لیے والد کے قائم مقام بھی ہو گئے، آخرت (معاد) کی فکر کے ساتھ دنیا (معاش) کی بھی فکر انہیں رہتی کہ اس کے ذرائع بھی درست رہیں۔

جب میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں پڑھنے کے لیے داخل ہوا جو شہر سے جانے میں دشواری تھی یا پیادہ جانا پڑتا تھا، ان کو سواری کا خیال ہوا اور نئی سائیکل دلوائی، یہ آج سے ۳۳،۳۲ سال پہلے کی بات ہے، اس طرح مختلف انداز کی شفقت سامنے آئی، لکھنے کا ذوق پیدا کرانے کے لیے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے خطوط صاف کرنے کا کام سپرد کیا، کام بڑا اور سلسلہ دراز ہونے کی وجہ سے قافلہ میں اور لوگ بھی شریک ہوتے گئے، جن کا تشکر انہوں نے کتاب کے شروع یا آخر میں کیا ہے۔

غالباً ۱۹۸۶ء کی بات ہے کہ ایک بزرگ عالم اور مصنف و محقق مولانا نسیم احمد فریدی امروہی نے وفات پائی، ان پر میرا مضمون اپنے رسالہ ماہنامہ "رضوان" میں شائع کیا، حج کا موقع تھا اور اداریہ بھی لکھنے کو کہا اور میرے نام سے ہی شائع کیا، ۱۹۸۹ء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی اہلیہ محترمہ کی وفات پر اگرچہ خود اداریہ لکھ چکے تھے لیکن مضمون اس ناچیز سے لکھوا کر اس کی نہ صرف حوصلہ افزائی بلکہ اس کے ذریعہ ایک نیک راہ پر ڈال دیا جس سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی دعائیں اور شفقت ملی کہ انہوں نے پورا مضمون پڑھا، اور استعجاب کا اظہار بھی کیا کہ پہلے کی معلومات کیسے اس مختصر مضمون میں جمع کر دیں، حالانکہ وہ اپنے بزرگوں کی صحبت کا فیض تھا۔

۱۹۹۳ء مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کی اہلیہ محترمہ کی وفات پر اپنے جذبہ سے مضمون لکھ کر پیش کیا تو اسے بھی بے کم و کاست "رضوان" میں شائع کر دیا، اسے بھی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے پڑھا اور فرمایا کہ ہم نے پورا پڑھا، بہت اچھا لکھا ہے اور دعائیں دیں، پھر تو ہمت بڑھ گئی اور بعض طلبہ مضمون لکھنے کی مشق کرنے آنے لگے جو مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور سے وابستہ تھے جس کا اچھا مضمون لگا تو خال معظم کو "رضوان" کے لیے دے دیا، انہوں نے میری دلجوئی کے ساتھ ان نونہالوں کی بھی حوصلہ افزائی کی، ان کو اصلاحات کا بڑا اچھا ذوق تھا، راقم کا جو مضمون یا جو کتاب اشاعت سے پہلے ان کی نظر سے گزر گئی، اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی، مطالعہ کا اچھا مشورہ دیتے اور جدید اہل علم کو بھی پڑھنے کو کہتے تا کہ قلم میں خشکی نہ رہے، اور ادب و زبان صرف مدرسی نہ رہے، یہ بات مجھ سے بڑے آزمودہ کار مصنفین و ناقدین نے بھی کہی، پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی اور مشہور شاعر و ادیب ڈاکٹر تابش مہدی نے آپ لوگوں کے اسلوب میں عربیت آنے کی وجہ سے جدید طبقہ کے لیے نامانوس الفاظ آجاتے ہیں، جس سے مضمون اور کتاب کی افادیت کم ہو جاتی ہے، صرف مدرسہ کا طبقہ ہی مخاطب نہیں ہونا چاہیے۔

زبان بڑی حساس چیز ہے، اس کا خال معظم

کو بھی بہت خیال رہتا تھا کہ انہوں نے موجودہ دور کے لکھنے والوں کو خوب پڑھا تھا، اوران کے مطالعہ کی مقدار بہت زیادہ تھی، وہ ہندوستانی اردو ادب کے مطالعہ کے ساتھ پاکستانی اردو ادب کا مطالعہ بھی کرتے، کہ وہ اردو کا اس وقت سب سے بڑا مرکز ہے، ''تعمیر حیات'' کے صفحات پر ان کی نظر دیکھنے سرسری لگتی مگر وہ تیزی سے بہ نظر غائر دیکھتے تھے۔

ان کی شفقتوں وعنایتوں میں ایک بڑی عنایت یہ بھی تھی کہ انہوں نے اپنے والد معظم حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی کے چھوڑے ہوئے کام کو تکمیل تک پہونچانے میں راقم کو بھی شریک کیا، جس کی اول صورت یہ تھی کہ انہوں نے ان کے مسودات صاف کرنے کو دیے، جن میں قابل ذکر کتاب ''صادقین صادقپور'' ہے جو حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت اصلاح وتربیت اور دعوت وعزیمت کے نمائندہ افراد کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔

اپنے خاندانی اسلاف جو کہ حضرت سید احمد شہید اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے اسلاف واخلاف ہیں، کے متعلق کتاب خانوادہ علم الٰہی مؤلفہ حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی کی تکمیل کی تو بعض مضامین مجھ سے بھی لکھوائے اور نام کی صراحت کے ساتھ نواسۂ مؤلف کا بھی اضافہ کیا اور عرض ناشر میں بڑے عزیزانہ الفاظ سے ذکر کیا، اپنے والد مرحوم کے شعری مجموعہ ''کلام ثانی'' بعنوان ''میزاب رحمت'' پر بھی بحیثیت مرتب راقم کا نام ڈالا، اوران کے متعلق سوانح کام بھی راقم کے سپرد کیا اور قیمتی مواد دیا، مولانا چاہتے تھے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی جیسی شخصیت صدیوں میں پیدا ہوتی ہے، ان کے روزنامچے بھی قلم بند ہوں، ان کے خاص رفیق سفر وحضر الحاج عبد الرزاق نصیرآبادی کو یہ ذمہ داری سپرد کی، میری معلومات میں دو ڈائریاں تو انہوں نے بھر دی تھیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو توفیق دی اور اس نے بھی رائے بریلی کے قیام کے روزنامچے لکھنے شروع کیے اور تین چار ڈائریاں اس کی بھی تیار ہوگئیں اور سب سے بڑھ کر ''کاروان زندگی'' جو کہ روزنامچوں کا ہی ایک کتابی انداز کا سلسلہ ہے، جس کی شروع کی جلدیں ابواب کے تحت تقسیم تھیں پھر روزنامچے کا انداز ہوگیا اور یہ سلسلہ سات جلدوں تک پہونچ گیا جس کا تتمہ ان کی خواہش پر چونکہ وہ ناشر تھے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے لکھا، ایسے بہت سے موقعوں پر جو دینی وعلمی ہوتے 'تربیت کے لیے آگے کرتے اور تنبیہ وتادیب بھی کرتے۔

''تعمیر حیات'' کے مفکر اسلام نمبر پر انہوں نے نظر ثانی کی تھی اور جن مضامین کی ضرورت محسوس نہیں کی ان کو یا تو مختصر یا حذف بھی کیا کہ اس کی ضخامت بڑھتی ہی جا رہی تھی، پھر مولانا عبد اللہ عباس ندوی نمبر، مولانا مفتی محمد ظہور ندوی نمبراور مولانا سید محمد واضح رشید ندوی نمبر بھی ان کی تحریک اور نگرانی میں سامنے آئے ،نائب مدیر کی حیثیت سے چونکہ میرا بھی نام ہے، اس لیے اس میں ان کی حسن تربیت وعنایت کا خاص انداز دیکھنے کو ملتا۔

ذاتی اوصاف وخصوصیات

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں خصوصیات وکمالات سے سرفراز کیا تھا، بالغ نظری، ایمانی فراست، دور اندیشی، دینی ودنیاوی فہم (عقل معاد و معاش) صبر وتحمل کے وہ باطنی کمالات بھی کہ بڑے صاحب فراست عالم وبزرگ نے خود راقم سے یہ بات کہی کہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے خاندان میں باطنی صلاحیت میں حمزہ آگے جارہے ہیں، یہ ان کی سعادت وخوش نصیبی تھی کہ وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ وتربیت پروان چڑھے تھے، اور بعض چیزوں میں حضرت مولانا نے ان پر سختی بھی فرمائی تھی، ایک بار کا واقعہ وہ خود بیان کرتے تھے کہ دسترخوان پر تھے، اور عمر کم تھی، ہاتھ دسترخوان پر ادھر ادھر جارہا تھا، حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ بتیل ہو کہ کھائے چلے جارہے ہو، فرماتے ہیں کہ یہ حضرت کی کرامت تھی کہ پھر بے محل وبے وقت کھانے کی اشتہا ہی ختم ہوگئی۔

حجاز مقدس کے سفر کا واقعہ سنایا کہ اس قدر محتاط تھے کہ وہ ہوٹل میں قیام باوجود حکومت کے مہمان کے قیام نہیں کرتے تھے اور اگر مجبوراً کسی وجہ سے قیام کرنا پڑ گیا تو کھانا ان کا اور ایک رفیق کا الگ الگ آتا تو ایک ہی کھانا لیتے، ہم جس سفر میں تھے جو امارات اور سعودی کا تھا، عمو جان (حضرت

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ) بھی ساتھ تھے' سخت تاکید تھی کہ کھانا ایک ہی لیا جائے، انہوں نے صرف اس کا مشاہدہ نہیں کیا، یا صرف اس تربیت سے نہیں گزرے بلکہ اپنی زندگی کا یہی حال بنالیا۔

فرق مراتب پر بڑی نظر تھی اور مقبولین بارگاہ حضرات پر تبصرہ وتنقید کو بہت برا سمجھتے تھے، اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات وطریقۂ تربیت کی روشنی میں اس کا لحاظ نہ کرنے والے کے لیے زندقہ کا خطرہ محسوس کرتے تھے، اور مقبولین بارگاہ میں انبیاء کرامؑ کی قدسی جماعت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت اور صحابیت ایسا وصف ہے جو شروع میں ایمان لانے والے صحابہ اور بعد میں ایمان لانے والے صحابہ میں قدر مشترک ہے، اور ان میں جو فرق مراتب ہے، وہ اپنی جگہ، البتہ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم (بشمول امہات المومنین اور افراد خاندان) میں خاندانی اور عائلی اشتراک بھی ہے، جس کا سلف نے ہمیشہ خیال رکھا، آپ بھی اعتدال اور توسط والے رویہ کو دیکھنا چاہتے تھے اور یہ فیض بھی آپ کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی صحبت بابرکت سے حاصل ہوا تھا، ان کے والد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء وخلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی وحضرت شاہ ضیاء النبیؒ) کا رسالہ جو اہل بیت وصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر ہے، برادر عزیز مولانا اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی سے اردو میں ترجمہ کراکر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو سے شائع کیا جو مقبول ہوا۔

فکر آخرت ان کا اصل وصف تھا، موت کی یاد انہیں اس قدر تھی کہ اس نے ان کو دنیا سے ذرا بھی بقدر ضرورت سے زائد لینے سے باز رکھا، انہوں نے مراقبات، اشغال واذکار، تصوف کی' جوانی جواں عمری میں مصروف زندگی گزاری تھی' اس نے بعد کی زندگی کے لیے گہرے نقوش چھوڑے تھے اور وہ دنیا کے کاموں میں ہوتے ہوئے ذکرو استحضار نیت سے دینی زندگی میں ہی ہوتے، ان پر ایسے حالات بھی گزرے تھے کہ ان کا دنیا سے دل بالکل اچاٹ ہوگیا تھا، اور ندوہ کی نظارت عامہ کی اہم اور بڑی ذمہ داری ملنے سے پہلے ایک طرح ان عظیم کاموں کے لیے انہیں تیار کیا جاتا تھا، گھر کے افراد بڑے چھوٹے سب ہی ان کی اچاٹ طبیعت سے بڑے کبیدہ خاطر، فکر مند اور پریشان نظر آتے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے ان کا حال خود حقیقی دادی صاحبہ (سیدہ امۃ العزیز مرحومہ م ۱۳۲۳-۱۴۱۶ھ جو ان کی بڑی ہمشیرہ تھیں) بیان کرتیں' حضرت ان کو تسلی دیتے، اور فرماتے کہ ہم دعا کرتے ہیں، ابھی اللہ ان سے کام لے گا اور کبھی فرماتے ابھی وہ خوشیاں دیکھیں گے، بہر حال پھر وہ دن آئے کہ ایک خوشی نہیں، کتنی خوشیاں، کتنی ترقیاں دیکھیں، انفرادی و اجتماعی منافع دیکھے، ملی، دینی بھی کاموں میں خوب حصہ لیا، وہ دینی تعلیمی کونسل کے بھی رکن تھے، مجلس تحقیقات واسلام لکھنؤ کے جنرل سکریٹری بھی ہو گئے تھے، اور مولانا سید محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی کے بھی جنرل سکریٹری ہوئے، اور سب سے بڑھ کر ندوۃ العلماء کے نائب ناظم بھی ہو گئے، جو ندوۃ العلماء کا دوسرا سب سے بڑا ذمہ دارانہ عہدہ ہے۔

مولانا عجیب بات فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں موت سے نہیں ڈر لگتا اور کبھی فرماتے کہ ہمیں قبر سے کبھی وحشت نہیں ہوتی، یہیں نہیں بلکہ جب ان کے والد مولانا سید محمد ثانی حسنی کی تدفین قریب تھی تو اس سے پہلے وہ قبر میں اتر کر لیٹ بھی گئے تھے اور جنازہ اترنے سے پہلے اٹھ گئے اور اس کو اتارا اور سب حضرات انجام اعزہ واقارب (محارم کے علاوہ) خاص اہل تعلق کی قبر میں اترتے اور آخری خدمت بڑے اہتمام سے انجام دیتے، وہ اپنے ساتھ اپنے ماموں زاد بھائی مولانا سید بلال حسنی ندوی کو اکثر شریک کرتے مگر جب معذوریاں بڑھ گئیں تو پھر مجبوراً ایسا کرنے سے قاصر ہونے لگے پھر بھی ان کی چاہت ہوتی کہ وہ آخری خدمت انجام دیں اور چاہتے کہ اس خدمت کے لیے دوسرے تیار ہوں اور دوسروں کے منتظر نہ رہیں۔

ان کی آخری علالت یعنی مرض وفات کا زمانہ اگرچہ سخت اور تکلیف دہ تھا، لیکن وہ اپنی علالت کو چھپاتے رہے تاکہ دوسرے پریشان نہ ہوں اور کوئی کام نہ رکے، جبکہ پیشاب پاخانہ سے خون کا آنا اور بار بار اجابت کا تقاضہ، علاج در علاج مگر دوا کارگر نہیں، اس سے وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ اب

وقت موعود قریب ہے، مگر آخر تک اس کو ظاہر نہیں ہونے دیا کہ یہاں مرض کے آخری حملہ سے چند دن پہلے اہم تقریب اپنے چھوٹے صاحبزادہ مولوی حافظ سید احمد حسنی ندوی کی ۱۲، ۱۳/ مارچ کو منعقد کیا، اعزہ واقارب کا اچھا اجتماع ہوا، کیا معلوم تھا کہ ان کی یہ آخری خاندانی مجلس ہے، اس کے بعد لکھنؤ کی ایک شادی میں بھی جو ۲۰/ مارچ کو تھی انہوں نے شرکت کی وہ بھی عزیزوں کی تھی اور مولانا عبیداللہ بلیاویؒ کے پوتے مولوی فیض سے ہورہی تھی، پھر وہ ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے جلسہ کی تیاری میں مصروف ہوگئے تھے کہ اچانک پیٹ میں شدید درد ہوا اور سحر نرسنگ ہوم میں داخل کیے گئے، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

مرض وفات اور رب کریم کے حضور حاضری

باوجود صحت کی کمزوری کے ان میں قوت عمل، قوت فکر اور قوت ارادی بہت تھی جو انہیں ان کے ہم عصروں میں ممتاز کرتی تھی، کم وقت میں زیادہ اور بہتر سے بہتر کام کرنے کا انہیں جو سلیقہ تھا، وہ ان کی امتیازی شان تھی، کم گو تھے لیکن گفتگو باوزن ہوتی، سخت بیماری اور تکلیف کے زمانہ میں بھی استحضار آخرت بہت تھا، اور چاہتے تھے کہ ایک ایک سے معافی تلافی کرلیں، جس کے سلسلہ میں کوئی بات کمی زیادتی کی ہوگئی ہو اسے باقی نہ رہنے دیں، لیکن عقیدہ کے معاملات اور اسلامی حدود کی چیزوں میں ذرا بھی لچک آخر تک نہ پیدا ہونے دی۔

طہارت ونماز کا ہر لحظہ خیال رکھا اور غافل نہ ہوئے، سحر نرسنگ ہوم سٹی اسٹیشن اور پھر ہوپ ویل اندرانگر لکھنؤ میں ایڈمٹ ہوئے، وہاں بھی اپنی مومنانہ شان کے ساتھ رہے، ڈاکٹر محمد غوث قریشی، ڈاکٹر جنید خان نے جہاں بڑا خیال رکھا، ڈاکٹر محمد ارشد سرجن و پروفیسر کنگ جارج میڈیکل یونی ورسٹی ڈاکٹر کوثر عثمان پروفیسر کنگ جارج میڈیکل یونی ورسٹی، ڈاکٹر صدیقی سابق ڈائرکٹر بلرام پور اسپتال، ڈاکٹر عثمانی نیفرولوجسٹ بھی بڑی فکر مندی سے آئے ہیں اور ڈاکٹر محمد عامر نے بھی بڑی محنت کی، کچھ دن علالت کے خاتون منزل لکھنؤ میں اپنے بہنوئی سید حسن حسنی مرحوم کے مکان پر گزارے، پھر معالجین کی رائے پر زندگی کی آخری ساعتیں ندوہ کے احاطہ میں گزریں، ایک روز وہیں سے اپولو ہسپتال ڈاکٹر ولی اللہ صدیقی سے مشورہ کے لیے گئے، یوں ان کے معالجین میں ڈاکٹر جنید خاں سرفہرست تھے، اور بہت توجہ دے رہے تھے، رمضان المبارک کی ایک ایک گھڑی سخت آزمائش کی گھڑی تھی، مگر ان کے لیے خیر وبرکت اور نورانیت کی یہ گھڑیاں تھیں، جن سے آخرت کے انعامات جڑے ہوئے تھے، بالآخر وہ مبارک ساعت آخری ساعت ثابت ہوئی جو مقبول ترین مانی اور سمجھی جاتی ہے، جمعہ کا دن، رمضان کا مہینہ، آخری جمعہ اور جمعہ کی بھی آخری ساعت، عصر اور مغرب کا خاص درمیانی وقت، سانسیں ذکر الٰہی سے تیز، قلب اللہ کی یاد میں سرشار، گو زبان بالکل خاموش مگر روئیں روئیں اللہ کی حمد وثنا میں یکسو، آخر جان جاں آفریں کے سپرد کی، ڈاکٹر انوار صدیقی اور ڈاکٹر سید عرفان قدیر نے رب کریم کے حضور حاضری کی تصدیق اور تعزیت کی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ سے بڑھ کر کون تعزیت وتسلی کا مستحق ہوسکتا تھا جن کے وہ بھتیجے بھی تھے اور خویش (داماد) بھی، مگر وہ سراپا تسلیم ورضا تھے، چھبیسویں شب شروع ہوگئی، پہلی نماز جنازہ بعد نماز عشاء احاطہ دارالعلوم میں مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی نے، جبکہ دوسری نماز جنازہ بعد نماز فجر دائرۂ شاہ علم اللہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے پڑھائی، اور تکیہ کلاں رائے بریلی میں اپنے محبوب چچا مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی، **رحمہ اللہ رحمۃ الأبرار المقربین وحشرہ مع النبیین والصدیقین وحسن أولئك رفیقاً**

☆☆☆

افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے۔ رضوان کے خصوصی شمارے کے پریس میں جانے سے پہلے لکھنؤ میٹروسٹی ہاسپٹل میں انتقال فرماگئے۔ **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ** قارئین رضوان سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

○○○

{حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی مقبول معروف کتابیں}

{کاروانِ زندگی}

ایک معلم، مصنف، مورخ، داعی اور رہنما کی سرگذشت حیات

جس میں ذاتی زندگی کے مشاہدات و تجربات، احساسات و تاثرات اور ہندوستان اور عالم اسلام کے واقعات و حوادث و تحریکات و شخصیات کے مطالعہ کا ماحصل اس طرح گھل مل گیا ہے کہ وہ ایک دلچسپ و سبق آموز آپ بیتی اور ایک مورخانہ و حقیقت پسند جگ بیتی بن گئی ہے اور چودھویں صدی ہجری، بیسویں صدی عیسوی کی تاریخ و سرگذشت کا ایک اہم باب محفوظ ہو گیا۔

☆ ایک تاریخی دستاویز۔ ☆ ادبی مرقع۔ ☆ دعوت فکر و عمل۔

(فوٹو آفسیٹ کی بہترین کتابت و طباعت سے آراستہ)

قیمت کاروان زندگی حصہ اول	260
قیمت کاروان زندگی حصہ دوم	350
قیمت کاروان زندگی حصہ سوم	220
قیمت کاروان زندگی حصہ چہارم	350
قیمت کاروان زندگی حصہ پنجم	200
قیمت کاروان زندگی حصہ ششم	240
قیمت کاروان زندگی حصہ ہفتم (مع ضمیمہ)	275
قیمت کاروان زندگی مکمل سیٹ	1895

{خواتین اور دین کی خدمت}

مسلم خواتین کی کیا ذمہ داریاں ہیں، ان کے دینی و سماجی فرائض کیا ہیں وہ کس طرح دین کی خدمت کر سکتی ہیں، آخر میں مولانا کی والدہ ماجدہ کے وہ تربیتی خطوط ہیں جو انھوں نے مولانا کے نام ان کی تعلیم کے دوران لکھے تھے۔

قیمت Rs. 80

{ذکر خیر}

حضرت مولانا کی والدہ ماجدہ کے حالات زندگی خود حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے۔

قیمت Rs. 80

{دو ہفتے ترکی میں}

ترکی کا سفرنامہ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا شگفتہ و دلآویز طرز بیان۔

قیمت Rs. 25

{کاروان ایمان و عزیمت}

قافلۂ مجاہدین یعنی حضرت سید احمد شہیدؒ قدس سرہٗ کی تحریک اصلاح و جہاد سے تعلق رکھنے والے اصحاب علم و فضل و عزیمت کا تذکرہ جس سے مسلمانوں کی تاریخ دعوت و عزیمت کا ایک روشن باب سامنے نظر آتا ہے۔

(خوبصورت کتابت و طباعت)

قیمت: Rs. 100

{سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ}

عہد حاضر کی مشہور دینی شخصیت اور عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے حالات زندگی، ان کی شخصیت، ان کی نمایاں صفات، انداز تربیت، توازن و جامعیت، تعلق مع اللہ، خلوص و محبت، فیض و تاثیر اور معرفت و سلوک کا ایمان افروز تذکرہ۔

قیمت Rs. 300

مکتبہ اسلام رؤف مارکیٹ، گوئن روڈ، لکھنؤ ۱۸ Mob: 9453949221

مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی، چیف ایڈیٹر "الرائد" ندوۃ العلماء لکھنو
جنرل سکریٹری رابطہ ادب اسلامی شعبہ برصغیر

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق ناظر عام و نائب ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ میرے بھائی تھے، چچا زاد بھی، خالہ زاد بھی، ایک رشتہ اور ہم دونوں کے درمیان مشترک تھا، وہ یہ کہ ہم دونوں ہم زلف بھی تھے، عمر میں تقریباً وہ مجھ سے دس سال بڑے تھے، ایک ہی گھر تھا، لکھنو میں بھی اور رائے بریلی میں بھی، ایک ہی کچن تھا، ایک ہی دستر خوان تھا، خوشی غمی ہر موقع پر ساتھ تھا، زمین جائداد، کھیتی باڑی، سب ہی کچھ مشترک تھا۔

گھر میں ساتھ، سفر میں ساتھ، معاملات میں ساتھ، کھانے میں ساتھ، لوگوں سے ملنے جلنے میں ساتھ، کہیں آنے جانے میں ساتھ، گھر کا نظام چلانے میں ساتھ، ہر حیثیت سے دیکھا، ہر زاویہ سے پرکھا، ہر پہلو سے جانچا، خوبیاں ہی خوبیاں، نیکیاں ہی نیکیاں، اچھائیاں ہی اچھائیاں، سادگی، قناعت اور تواضع ایسی کہ آدمی رشک کرے، امانت و دیانت ایسی کہ آدمی مثال دے، صبر و تحمل ایسا کہ آدمی ششدر رہ جائے، ہمدردی و خیر خواہی ایسی کہ آدمی کے دل سے دعا نکلے، رہی قوت فیصلہ تو اس کی گواہی ہر کس و ناکس دے رہا ہے، ذہانت، بصیرت، حکمت، فراست، غیرت، خشیت، معرفت، جس پہلو سے دیکھئے ممتاز اور فائق۔

ان کی علمی گہرائی، وسعت مطالعہ، کثرت معلومات اور واقعات کے استحضار پر پردہ پڑا ہوا تھا ان کی کم گوئی کا، خاموش طبیعت اور اپنے کو پیچھے رکھنے کے مزاج کا، ان کی انتظامی صلاحیت، معاملہ فہمی، دوراندیشی، سیاسی شعور، مہذب انداز گفتگو، شائستہ انداز تخاطب، پر وقار لب ولہجہ، حسن سلوک، نرم گفتاری، باطنی خوبصورتی کے ساتھ ظاہری وجاہت، بارعب چہرہ، خوبصورت اور دل میں اتر جانے والی آواز، اصابت رائے، عفوودرگزر، کسر نفسی، کم گوئی، خودداری اور بے نیازی نے ان کو مقام کی وہ بلندی عطا کی تھی جہاں سب کی نظریں نہیں پہنچ پاتیں۔

وہ مولانا محمد ثانی حسنی ندویؒ کے صاحبزادہ تھے، مولانا محمد ثانی حسنیؒ زمین پر انسانی شکل میں ایک فرشتہ تھے، ان کی بے نفسی اور خدا ترسی کے واقعات اگر آدمی بیان کرنے پر آئے تو یہ سلسلہ جلد ختم ہونے کو نہ آئے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے وہ خلیفہ و مجاز تھے، حیات خلیل، سوانح مولانا محمد یوسف، تذکرہ ہارون اور خانوادہ علم اللہی جیسی ضخیم کتابوں کے مصنف تھے، بڑے اچھے مقرر اور قادر الکلام شاعر تھے، ندوہ کا ترانہ آپ ہی کی دین ہے، جس کے ایک ایک مصرعہ سے ان کے ندوہ سے والہانہ تعلق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ہمارے خاندان میں ایسی محبوب شخصیت شائد ہی کوئی دوسری رہی ہو، خاندان کا شائد ہی کوئی بچہ ہو جس کے لیے انہوں نے دعائیہ اشعار نہ کہے ہوں، مائیں اپنے بچوں کے لیے ان سے دعائیہ اشعار کی فرمائش کرتی تھیں اور وہ ان کی فرمائش بڑی خوشدلی سے پوری کرتے تھے، تو سوچیے انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے کیسی کیسی دعائیں کی ہوں گی اور کس جذبہ اور کس تڑپ سے کی ہوں گی، کس بے قراری اور کس آہ و زاری سے کی ہوں گی، وہی دعائیں تھیں جنھوں نے اپنا اثر دکھایا، وہی دعائیں تھیں جنھوں نے ان کے بیٹے کو عزت، شہرت، مقبولیت اور للٰہیت کے اس مقام پر پہنچایا کہ آج لوگ اس پر رشک کر رہے ہیں۔

مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ اپنی نوعمری

میں ایک عرصہ تک کرکٹ سے وابستہ رہے، بہت اچھی گیند بازی کرتے تھے اور اپنے کھیل کی بدولت صوبائی سطح پر انہوں نے کافی شہرت بھی حاصل کرلی تھی، لیکن ایک وقت آیا کہ انہوں نے کھیل کی دنیا سے رشتہ توڑا اور تعمیرات کی دنیا میں قدم رکھا، پھر کیا تھا، گھر میں پھاؤڑے، کدالیں اور تسلے نظر آنے لگے، لیکن امانتداری کے ساتھ یہ کام شاید ذرا مشکل تھا، لہٰذا اس کو بھی چھوڑا اور صنعت کی طرف قدم بڑھایا، چنانچہ ''ڈان انک'' کے نام سے روشنائی بنائی، اس زمانہ میں روشنائی کا رواج تھا، گھر میں روشنائی بنتی، شیشیوں میں بھری جاتی، ڈبوں میں پیک ہوتی اور دکانوں میں اس کی سپلائی ہوتی، لیکن والد صاحب کی دعائیں تو کسی اور منزل کے لیے تھیں، لہٰذا اس کام سے بھی ان کا دل اچاٹ ہوگیا۔

اب سیاست کی باری تھی، مسلم مجلس کا قیام عمل میں آچکا تھا، مسلم قائد کے طور پر ڈاکٹر عبدالجلیل فریدیؒ کا ہر طرف چرچا تھا، مسلم مجلس کی مقبولیت بڑھتی جارہی تھی اور یوپی کے مسلمان بڑی امید بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے، حمزہ صاحب مسلم مجلس سے وابستہ ہوئے اور جلد ہی اپنی غیر معمولی ذہانت، سوجھ بوجھ اور سیاسی بصیرت کی بنا پر ترقی کرتے کرتے سکریٹری کے عہدہ تک پہنچ گئے، ایمرجنسی کے بعد جب مرکز میں جنتا پارٹی کی سرکار بنی تو اس سرکار میں مسلم مجلس کے بھی کئی چہرے تھے اور الحاج ذوالفقار اللہ صاحب تو کابینہ میں بھی شامل تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ سیاست میں بہت ایکٹیو تھے، گوئن روڈ پر واقع ان کے مکتبہ کی حیثیت وہی تھی جو امین آباد ٹمپو اسٹینڈ پر واقع سینٹرل ہوٹل کے نیچے دانش محل بک ڈپو کی تھی، دانش محل مرکز تھا ادباء اور شعراء کا اور مکتبہ اسلام مرکز تھا سماجی کارکنوں اور سیاست دانوں کا، مغرب بعد وہاں شہر کے اہم لوگوں کی آمدورفت شروع ہوجاتی تھی اور مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ کی حیثیت ایک شاہ کی ہوتی تھی، ان کے سیاسی دورے اور الیکشن کے موقع پر ان کی تقریریں آج بھی یاد آتی ہیں، ان کے اندر تقریر کی بے پناہ صلاحیت تھی، آواز بھی اچھی، لہجہ بھی اچھا، انداز بھی اچھا، وہ گرم اور جوشیلی تقریریں کرتے تھے، اگر وہ یہ سلسلہ جاری رکھتے تو آج ان کا شمار ملک کے بڑے مقرروں میں ہوتا، ایک واقعہ یاد آتا ہے، ایمرجنسی کا زمانہ تھا، گنگا پرساد میموریل ہال (لکھنؤ) میں منعقد ایک جلسہ میں حکومت کے خلاف سخت تقریر کی، انتظامیہ نے اس پر ایکشن لیا اور نتیجہ میں دو پولس والے گوئن روڈ پر واقع ان کے مکان میں ان کی تلاش میں پہنچ گئے، گھر والے پریشان ہوئے، اتفاق کہ ندوہ کے سابق مہتمم مولانا ابوالعرفان خان ندوی رحمۃ اللہ علیہ جو غیر معمولی ذہین اور بڑے حاضر جواب تھے، بڑے بڑے مسائل کو چٹکیوں میں حل کرلیتے تھے، گھر سے متصل حسنی فارمیسی میں موجود تھے، انہوں نے پولس والوں کو سمجھا بجھا کر کسی طرح رخصت کیا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی کی سیاست سے اتنی دلچسپی، سیاسی لوگوں سے اتنی وابستگی اور سیاسی جلسوں میں اس طرح شرکت ناپسند تھی، انہوں نے سیاست کی طرف جب ان کے بڑھتے قدم دیکھے تو اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا کیونکہ وہ اس کے مضر اثرات دیکھ رہے تھے اور حمزہ صاحب کا کمال تھا کہ انہوں نے سیاست کی مضبوط کرسی پر بیٹھے ہونے کے باوجود پوری فرمانبرداری کا ثبوت دیتے ہوئے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور پوری طرح اپنے والد کے قائم کیے ہوئے ''مکتبہ اسلام'' کی طرف متوجہ ہوگئے، انہوں نے اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے ''الحسن ایکسپورٹ'' کے نام سے ایک کمپنی بھی قائم کی تھی اور اس کے لیے کویت، شارجہ اور ابوظہبی کا دورہ بھی کیا، وہاں سے آڈر بھی لائے اور مال بھی بھیجا، لیکن بعد میں یہ سلسلہ انہوں نے بند کردیا۔

مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ کی زندگی میں اہم ترین موڑ اس وقت آیا جب مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ نے مختلف موقعوں پر ان کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے بحیثیت

ناظر عام ان کو ندوہ لانا چاہا اور اس عہدہ کے شایان شان ان کے لیے ایک بڑی تنخواہ بھی طے کردی، دن تاریخ مجھے یاد نہیں، وقت ضرور یاد ہے مغرب اور عشاء کے درمیان کا تھا، وہ دفتر ''رضوان'' میں بیٹھے ہوئے تھے، میں کسی کام سے گیا تو انہوں نے مجھے بلایا اور کہنے لگے کہ آج مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ نے مجھے ندوہ بلایا تھا اور ندوہ میں کام کرنے کے لیے مجھ سے کہا ہے اور اس کے عوض میں اتنی تنخواہ انہوں نے میرے لیے طے کی ہے، لیکن میں نے تنخواہ لینے سے معذرت کردی ہے، کیوں کہ میں یہ کام اس نیت سے کرنا چاہتا ہوں کہ اس کا ثواب میرے والدین کو ملے، یہ کہہ کر وہ رونے لگے۔ یہاں سے شروع ہوتا ہے ان کا ندوہ کا سفر۔

انہوں نے ندوہ میں خدمت کے لیے دو شرطیں رکھی تھیں، ایک تو یہ کہ وہ مہینہ میں تین ہفتے دفتر آئیں گے اور ایک ہفتہ رائے بریلی میں رہیں گے اور چونکہ ان کے پاس اپنی کوئی سواری نہیں ہے، اس لیے ندوہ کی گاڑی ان کو لے جایا کرے اور چھوڑ دیا کرے، لیکن پھر لوگوں نے دیکھا کہ انہوں نے ندوہ کے لیے رائے بریلی چھوڑا، اپنا مکتبہ چھوڑا، رضوان کا دفتر چھوڑا، گھر چھوڑا، دوسری ساری گرمیاں چھوڑیں اور صرف اور صرف ندوہ کے ہوکر رہ گئے، انہوں نے ندوہ کو بہت کچھ دیا، ندوہ کی شاندار مسجد، رواق حبیب، رواق ابوالحسن، رواق مونگیری، سلیمانیہ ہاسٹل کا اضافہ، جدید درسگاہ، ڈاکٹر عبدالعلی اسپتال، معہد سکروری کی مسجد، دارالاقامہ، درسگاہ اور اسٹاف کوارٹر، یہ سب ان کی یادیں ہیں، انہوں نے یہ تعمیراتی کام جس خوبصورتی، سلیقہ مندی، دیانت داری، فکر مندی اور مالیات کو سنبھالتے ہوئے انجام دیے، اس کا ہر شخص گواہ ہے۔

مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندویؒ (سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء) کو مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ کی صلاحیتوں کا اندازہ اس وقت ہوگیا تھا، جب پہلی مرتبہ ۱۹۷۸ء میں امام حرم شیخ عبدالعزیز بن عبد اللہ بن حسن آل الشیخ ندوہ تشریف لائے تھے اور عمائدین شہر اور ذمہ داران ندوہ کے درمیان حمزہ صاحب رابطہ کا کام کررہے تھے، کیونکہ شہر میں حمزہ صاحب کا ایک بڑا حلقہ تھا، مختلف تنظیموں، اداروں اور سوسائٹیوں کے ذمہ داران اور سماجی کارکنان ان سے جڑے ہوئے تھے، اور مکتبہ اسلام میں ان کی آمد ورفت رہتی تھی، یہ پہلا موقع تھا کہ لکھنو کے لوگوں کو امام حرم کے استقبال کا شرف حاصل ہورہا تھا، لوگوں کا جوش وخروش دیکھنے کے لائق تھا، پورا شہر گویا اس استقبال کی تیاری میں لگا ہوا تھا، ہوائی اڈے سے ندوہ تک بیسیوں گیٹ لگائے گئے تھے، لال کھلی گاڑی میں امام حرم اور حضرت مولانا علی میاںؒ پچھلی سیٹ پر تشریف فرما تھے، اور گاڑیوں کے ایک لمبے قافلہ کے ساتھ اپنے معزز میزبان اور اپنے معزز مہمان کو لیے یہ سرخ کھلی گاڑی دھیرے دھیرے ایرپورٹ سے ندوہ پہنچی تھی، ندوہ میں جمعہ کی نماز کے علاوہ حضرت محل پارک میں اہل لکھنو کی طرف سے ایک استقبالیہ جلسہ بھی ہوا تھا، اس پورے پروگرام میں مولانا محمد حمزہ حسنیؒ کا کردار بہت اہم اور بہت نمایاں تھا۔

دوسرا موقع ان کی صلاحیتوں کے سامنے آنے کا اس وقت آیا جب ۱۹۸۵ء میں شاہ بانو کا مسئلہ چل رہا تھا اور پورے ملک میں پرسنل لا بورڈ کے زیر اہتمام عوامی احتجاجی جلسوں کا ایک سلسلہ چل رہا تھا، اس وقت کے مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ان کو بلا کر کہا کہ ہمارے شہر رائے بریلی میں بھی ایک بڑا جلسہ ہونا چاہیے، لوگ کہیں گے کہ صدر صاحب کے شہر ہی میں کوئی جلسہ نہیں، لیکن ہمیں ڈر ہے کہ شائد یہاں جلسہ کامیاب نہ ہو، کیوں کہ شہر بھی چھوٹا ہے اور یہاں کے لوگوں کو اس طرح کے جلسوں کا کوئی تجربہ بھی نہیں ہے، حمزہ صاحب نے حضرت مولانا کی اس خواہش کو حکم کا درجہ دیتے ہوئے جلسہ کی ذمہ داری لے لی اور بڑی حکمت سے رائے بریلی کے شیعہ اور بریلوی حضرات کو شامل کرکے ایک عظیم الشان جلسہ کرد کھایا جس کی مثال رائے

بریلی کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

تیسرا موقع ان کی صلاحیتوں کے سامنے آنے کا اس وقت آیا جب ۱۹۹۰ء میں رائے بریلی جیسے چھوٹے شہر میں رابطہ ادب اسلامی کا عالمی سیمینار منعقد ہوا، یہ سیمینار مولانا محمد ثانی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی کی دعوت پر ہوا تھا اور سعودی عرب، مصر اور شام کی اہم ادبی شخصیات اس سیمینار میں شریک ہوئی تھیں، اتنے معزز مہمانوں کی آمد، ان کی رہائش کا انتظام، ان کے شایان شان کھانے کا نظم اور پروگرام کی ترتیب کوئی معمولی کام نہ تھا، لیکن حمزہ صاحب کی صلاحیتوں کی بدولت اتنا اہم پروگرام بحسن وخوبی انجام پایا۔

اب ذرا ان کے نائب ناظم ندوۃ العلماء بننے کا قصہ بھی سنتے چلیے، ادھر ادھر کی باتیں تو آپ نے بہت سنی ہوں گی، غلط بیانی اور بے بنیاد باتوں نے نہ جانے آپ کو کیسی کیسی بدگمانیوں میں مبتلا کیا ہوگا، ۱۰؍شوال ۱۴۳۸ھ مطابق ۵؍جولائی ۲۰۱۷ء کو مجلس نظامت کی میٹنگ میں مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سعید رحمٰن صاحب اعظمی ندوی دامت برکاتہم نے مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ کی انتظامی صلاحیتوں کو دیکھتے، ندوہ کے لیے ان کی افادیت کو محسوس کرتے اور ناظر عام کی حیثیت سے ان کی کارکردگی کو مد نظر رکھتے ہوئے نائب ناظم کے طور پر ان کا نام تجویز کیا جسے ارکان نے اتفاق رائے سے منظور کیا، پھر مجلس انتظامی نے اپنے ۲۵؍مارچ ۲۰۱۸ء کے جلسہ میں اس کو بالاتفاق منظوری دے کر اس پر مہر لگادی۔

مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ کو اس بات کی بڑی فکر تھی کہ ندوہ کے وہ طلبہ جو عصری تعلیم گاہوں میں داخلہ لینا چاہتے ہیں یا ندوہ سے فارغ ہونے کے بعد کوئی اور کورس کرنا چاہتے ہیں، یا کسی سرکاری ملازمت کے لیے کوشش کررہے ہیں، لیکن سرکاری ضابطے پورے نہ کرپانے کی وجہ سے اپنی منزل تک نہیں پہنچ پارہے ہیں، ان کی مشکلات کیسے دور کی جائیں اور ان ضابطوں کو پورا کرنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں، وہ اس کے لیے فکر مند بھی تھے اور اس کے لیے کوشاں بھی، چنانچہ اس طرح کی کمیوں کو سمجھنے، ان کی نشاندہی کرنے اور ان کا مناسب حل پیش کرنے کے لیے انہوں نے ایک کمیٹی بھی تشکیل دی تھی اور اس کے ذمہ یہ کام کیا تھا کہ وہ ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کی سطح کا لحاظ کرتے ہوئے ثانویہ میں عصری علوم شامل کرنے پر غور کرے اور اس کے لیے NCRT کا نصاب بھی منگوایا اور اس کو ابتدائیہ وثانویہ کے نصاب میں داخل کروایا۔ اسی طرح کووڈ ۱۹ کے اثر سے جب تعلیم متاثر ہوئی تو ناظم ندوۃ العلماء کے مشورہ سے ندوہ میں آن لائن تعلیم کا نظم کرایا اور اس کے لیے ایک تعلیمی کمیٹی بھی تشکیل دی تھی جس نے حالات اور مسائل کے مدنظر آن لائن تعلیم کا نظم کیا جو کامیاب رہا۔

حمزہ صاحب کو سفر سے بالکل مناسبت نہ تھی، ملنے جلنے سے بھی ان کو کچھ زیادہ دلچسپی نہ تھی، وہ کم گو تھے، نپی تلی بات کرتے تھے، ہاں یا نہیں میں زیادہ تر جواب دیا کرتے تھے، نہ جلد بے تکلف ہوتے تھے، نہ ہر کسی سے بے تکلف ہوتے تھے، لیکن یہ ان کا کمال ہے کہ اس کے باوجود بھی جو ان سے مل لیتا وہ ان سے متاثر ہوجاتا تھا اور دو چار ملاقاتوں کے بعد تو وہ ان کا گرویدہ ہوجاتا تھا، ان کے اندر ایک کشش تھی جو لوگوں کو ان کی طرف کھینچتی تھی، وہ اعلی قدروں کے حامل تھے، اور ان کے یہاں روایات کا پورا پاس ولحاظ تھا، خاندانی شرافت کا وہ ایک نمونہ تھے، کبھی اونچی آواز سے بات کرتے ان کو نہیں سنا گیا، بڑوں کے سامنے تو وہ ایسے رہتے جیسے وہ بولنا ہی نہیں جانتے، ان کے حلم اور تحمل کا یہ عالم تھا کہ ان کے چھوٹے بھی اگر ان پر تنقید کریں، اعتراض کریں، تو خاموشی سے ٹال جاتے تھے، کئی بار ایسا ہوا کہ گفتگو کے درمیان کسی مسئلہ پر میرا لہجہ سخت ہوگیا، آواز تیز ہوگئی، وہ مجھ سے کہہ سکتے تھے کہ اپنی حد میں رہو، چھوٹے ہو، تم جانتے ہی کتنا ہو، مشکلات ابھی تمہارے سامنے نہیں، لیکن انہوں نے کبھی بھی ایک لفظ بھی ناگواری

کے ساتھ نہیں کہا، وہ عجیب وغریب انسان تھے، وہ انتہائی حساس تھے اور حساس آدمی منٹوں میں تولہ اور منٹوں میں ماشہ ہو جاتا ہے، منٹوں میں سرد اور منٹوں میں گرم ہو جاتا ہے، منٹوں میں پانی اور منٹوں میں آگ ہو جاتا ہے، لیکن ان کا تحمل ہمیشہ ان کی حساسیت پر غالب رہتا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی بھی اپنا کنٹرول نہیں کھوتے تھے۔

مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ کم گو ضرور تھے، لیکن ایسا نہ تھا کہ وہ منہ میں زبان نہیں رکھتے تھے، مظبوط کلائی تھی، اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتے تھے، شیشے کی دیواریں کیا پتھر کی دیواریں توڑ سکتے تھے، ان کے چھوٹے چھوٹے جملے لوگوں کی بڑی بڑی باتوں پر بھاری پڑ سکتے تھے، لیکن انہوں نے جواب دینے پر ہمیشہ خاموشی کو ترجیح دی، صرف نظر سے کام لیا اور صبر وتحمل کا وہ ثبوت دیا کہ عقل حیران رہ جائے۔

ان کی ایک خوبی یہ تھی کہ وہ جہاں بیٹھ جاتے وہاں مجلس لگ جاتی تھی، جس موضوع پر بات ہوتی لگتا کہ وہ انہی کا موضوع ہے، انداز گفتگو اتنا دلچسپ اور اتنا بے تکلف ہوتا تھا کہ لوگوں کو ان کی مجلس میں بیٹھ کر بہت مزہ آتا تھا، چھوٹے بھی ان کی مجلس میں بہت دلچسپی سے بیٹھتے تھے اور بہت بے تکلف بیٹھتے تھے، وہ بیچ بیچ میں ان کو نصیحتیں بھی کرتے جاتے تھے، ان کی غلطیوں پر ٹوکتے بھی جاتے، تلفظ کی غلطی کو درست بھی کرتے جاتے، لیکن لہجہ اتنا نرم اور انداز اتنا محبت آمیز ہوتا تھا کہ چھوٹوں کو برا نہیں، اچھا لگتا تھا، خود میرے بچے بھی مجھ سے زیادہ ان سے مانوس تھے اور میرے پاس بیٹھنے کے بجائے ان کے پاس بیٹھنے کو ترجیح دیتے تھے، ان کی مجلس کا لطف ہی کچھ اور ہوتا تھا۔

بولنے کو تو سادگی کا لفظ بہت سے لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے کہ ان کی زندگی بڑی سادہ ہے، لیکن سادگی کیا ہوتی ہے، کیسی ہوتی ہے، کیسی دکھتی ہے؟ اگر یہ جاننا ہو تو آپ کو مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ کی زندگی کو دیکھنا ہوگا، ان کا کمرہ، ان کے کمرہ کا سامان، ان کا اوڑھنا بچھونا دیکھنا ہوگا، گھر کا کمرہ تو کم لوگوں نے دیکھا ہوگا، لیکن ماہنامہ ''رضوان'' کے دفتر میں ان کا کمرہ تو بہت سے لوگوں نے دیکھا ہوگا، وہ بتائیں گے کہ سادگی کیا ہوتی ہے، کیسی ہوتی اور کیسی دکھتی ہے، لوگوں کی سادگی کے چرچے تو بہت ہوتے ہیں، لیکن سادگی کا نمونہ تو حمزہ صاحب ہی کے یہاں دیکھنے کو ملتا تھا، ان کی یہ سادگی خود میرے شوق اور میری خواہشات پر بھی بریک لگاتی تھی۔

حبّ جاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایسا مرض ہے جو نفس کشی سے دب تو جاتا ہے؛ لیکن ختم نہیں ہوتا، جہاں نفس کو ذرا طاقت ملی، تو یہ پھر ابھر آتا ہے، نفس جتنا موٹا ہوتا جاتا ہے یہ مرض اُتنا ہی بڑھتا جاتا ہے، یہی مرض ہے جو اداروں میں مسائل پیدا کرتا ہے، خانقاہوں کو بے اثر کرتا ہے، مساجد میں جھگڑے کھڑے کرتا ہے، مدارس میں ٹکراؤ کی صورتحال پیدا کرتا ہے، تنظیموں اور سوسائٹیوں میں کئی کئی دھڑے کر دیتا ہے، لیکن اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں، جو اپنے نفس کو اتنا کچل دیتے ہیں کہ وہ سر اٹھانے کے لائق ہی نہیں رہتا، جن لوگوں نے مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کو قریب سے دیکھا ہوگا، وہ بتائیں گے کہ یہ مرض ان کو چھو کر کیا! ان کے قریب سے بھی نہیں گزرا تھا، یہ ان کا ایسا وصف تھا، جس میں وہ بڑوں بڑوں سے فائق تھے، سچ تو یہ ہے کہ یہ وصف ان کو اپنے والد ماجد مولانا سید محمد ثانی حسنی ندویؒ سے ورثہ میں ملا تھا، دیکھا یہ گیا ہے کہ اللہ والوں کی سچی صحبت اس مرض سے محفوظ رکھنے میں بڑی معاون ثابت ہوتی ہے۔

مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ کی کوئی کمزوری ہو یا نہ ہو، کتاب ان کی کمزوری ضرور تھی اور اگر وہ کتاب ادب، تاریخ، یا تصوف سے متعلق ہوتی تو وہ کتاب ان کے لیے گویا غذا کی حیثیت رکھتی تھی، بہت سے لوگ کتاب کا مطالعہ اس طرح کرتے ہیں، جیسے بعض لوگ قسطوں پر سامان خریدتے ہیں، ہفتے گزر جاتے ہیں، ایک کتاب پوری کرتے ہیں، لیکن مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ کا مطالعہ یک نشست ہوتا تھا، جیسے

سمجھدار لوگوں کی خریداری یک مشت ہوتی ہے۔ اخبارات پابندی سے پڑھتے تھے، مختلف اخبارات پڑھنے کی کوشش کرتے تھے حتی کہ پاکستان سے شائع ہونے والے اخبارات کے پرنٹ نکلوا کر ان کو پڑھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ ان کی معلومات اپڈیٹ رہتی تھیں، وہ مطالعہ پر بہت زور دیتے تھے اور اکثر اپنی مجلسوں میں اپنے چھوٹوں کو مطالعہ کی اہمیت بتاتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ مطالعہ میں تنوع ہونا چاہئے اور بڑے مصنفین کو پڑھنا چاہئے، مطالعہ سے علم تو بڑھتا ہی ہے زبان بھی آتی ہے۔ ۲۰۱۳ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ کے لیے اپنے ایک پیغام میں وہ کہتے ہیں:

''دار العلوم کے طلبہ کو چاہئے کہ وہ علامہ شبلی نعمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبدالسلام ندویؒ، مولانا عبدالباری ندویؒ، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور شاہ معین الدین احمد ندویؒ کی کتابوں کا ضرور مطالعہ کریں، یہ وہ عظیم ہستیاں اور ندوۃ العلماء کی مثالی شخصیات ہیں جن کی کتابوں کے مطالعہ سے علم کا معیار بلند ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ملی دردوسوز اور دینی غیرت وحمیت پیدا ہوتی ہے جو ایک مسلمان کا طرۂ امتیاز ہے اور اسی کے ساتھ زندگی کا صحیح رخ متعین ہوتا ہے۔

افسوس آج کل مطالعہ کا ذوق کم ہوتا جارہا ہے اور اس کے نتیجہ میں سطحیت پیدا ہورہی ہے جس سے علماء کا وقار گر رہا ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ایک موقع پر یہ بات فرمائی تھی کہ مطالعہ میں تنوع، تعمق اور وسعت پیدا کی جائے، یہ ندوۃ العلماء کا امتیاز ہے''۔

۲۰۰۲ء سے ۲۰۱۲ء تک وہ سنی سنٹرل وقف بورڈ یوپی کے ممبر رہے، اس دس سالہ مدت میں وقف بورڈ میں جو خدمات انجام دیں، ان کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، انہوں نے جس خوش اسلوبی، دیانتداری اور سوجھ بوجھ سے مسائل حل کیے، معاملات نمٹائے اور حق اور ناحق کا فیصلہ کیا، اس نے ان کے وقار اور عزت میں بے پناہ اضافہ کیا، وقف بورڈ سے ان کو الگ ہوئے آج تقریباً سات سال ہوچکے ہیں؛ لیکن لوگ آج بھی ان کو یاد کرتے ہیں اور عزت اور محبت سے ان کا نام لیتے ہیں۔

ان کا ایک بڑا کارنامہ اپنے آبائی وطن رائے بریلی میں ''مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی'' کا قیام ہے، یہ کام انہوں نے اس وقت انجام دیا جب رائے بریلی تعلیمی میدان میں بہت پچھڑا ہوا تھا، نہ مدرسے تھے، نہ ڈھنگ کے اسکول، نہ لڑکیوں کی تعلیم کا کوئی نظم تھا نہ حفظ کے لیے کوئی مناسب انتظام، مسافرین کے قیام کے لیے کوئی گیسٹ ہاؤس یا ہوٹل بھی نہ تھا، انہوں نے شہر کے باشعور سرگرم اور دینی جذبہ رکھنے والے نوجوانوں کو جوڑا کیونکہ وہ خود بھی اس وقت نوجوان تھے اور کام کرنے والوں کی ایک ٹیم تیار کرلی اور اس میں اپنے اخلاص سے ایسی روح پھونکی کہ وہ ہر وقت ان کے ساتھ کام کے لیے تیار کھڑی تھی، ایسی اجتماعیت، ایک دوسرے سے ایسی مناسبت، ایسی آپس میں ہم آہنگی، مل جل کر کام کرنے کا ایسا جذبہ اور اپنے ''میاں'' (کیونکہ وہ سب حمزہ صاحب کو میاں کہتے تھے) ایسی محبت اور عقیدت کم دیکھنے کو ملتی ہے، چنانچہ حمزہ صاحب کی سرپرستی میں کام کرنے والی اسی ٹیم کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ رائے بریلی میں لڑکیوں کا ایک بڑا مدرسہ ''مدرسہ عائشہ للبنات'' اور حفظ کا ایک بڑا مدرسہ ''مدرسہ سید احمد شہید لتحفیظ القرآن'' اور مسافروں کے لیے ڈاکٹر عبد الجلیل فریدیؒ کے نام پر ''ایوان فریدی'' (عالی شان مسافر خانہ) قائم ہوا۔

مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ کا ایک بڑا علمی کارنامہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے خطوط کی جمع وترتیب اور اس میں آئی شخصیات کا تعارف بھی ہے، حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو جو عہد ملا اور اس عہد کی جن ممتاز ترین اور مختلف الجہات شخصیات سے ان کا تعلق اور رابطہ ہوا، اس نے ان کے خطوط کو اتنا کارآمد اور مفید بنادیا کہ اس کا اندازہ صرف ان خطوط کو پڑھ کر ہی لگایا جاسکتا ہے اور

شاید یہی وجہ تھی کہ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ نے اپنی تمام مصروفیات اور اعذار کے باوجود اس کام کو اپنے دوسرے تمام علمی کاموں پر ترجیح دی، یہاں تک کہ ان کا وقت موعود آ گیا، خدا کا فضل تھا کہ وہ چھٹی اور ساتویں جلد مکمل کر چکے تھے۔ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کو جیسے یہ احساس ہو چلا تھا کہ وقت کم ہے اور کام زیادہ اور کام بھی وہ جو آخرت میں کام آنے والا، چنانچہ وہ اپنے زمانہ علالت میں اس کام کو اپنی تکلیفوں کے ساتھ انجام دیتے رہے اور وقت موعود آنے سے پہلے پہلے چھٹی اور ساتویں جلد تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

ان کا دنیا سے جانا صرف ندوہ ہی کا نہیں؛ بلکہ پوری ملت اسلامیہ کے لیے اور خاص طور پر ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ایک بڑا خسارہ ہے، ایسی سوجھ بوجھ رکھنے والا، ایسی انتظامی صلاحیت رکھنے والا، لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے کا مزاج رکھنے والا، خود پیچھے رہ کر دوسروں کو آگے بڑھانے والا، امانت و دیانت میں اکابر بزرگان دین کی یاد دلانے والا، خاموش طبیعت، نرم مزاج، سادگی پسند، شیریں زباں، توکل وقناعت، زہد واستغناء، حلم وبردباری کا نمونہ، ہماری نظروں سے اوجھل تو ضرور ہو گیا؛ لیکن اپنی محنت، اپنے اخلاص، اپنی للہیت اور اپنے جذبہ سے وہ ندوۃ العلماء کو اتنا مستحکم کر گیا ہے کہ اس ادارہ کے لیے بری نظر، برا ارادہ، بری سوچ رکھنے والا اپنا سر پٹخ کر رہ جائے گا، لیکن ناکامی کے سوا اس کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔

دینی اور غیر دینی اداروں میں ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ غیر دینی ادارے کو صرف باصلاحیت افراد کی ضرورت پڑتی ہے؛ لیکن دینی اداروں کو صلاحیت کے ساتھ ساتھ اخلاص اور للّٰہیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے، ندوہ کا یہ امتیاز رہا ہے، اس کو ہمیشہ اللہ کے ایسے مخلص، باصلاحیت اور رضائے الٰہی کے لیے کام کرنے والے افراد ملتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ ملتے رہیں گے اور یہ ادارہ ان کی کوششوں، دعاؤں اور اخلاص کی برکت سے دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتا رہے گا۔ نور کی بارش ہوتی رہے گی، علم کا دھارا بہتا رہے گا، قطرہ موتی بنتا رہے گا، ذرہ مہ پارہ ثابت ہوتا رہے گا، مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ندوہ کے ترانہ میں یہی تو کہا تھا:

یہ اہل جنوں کی بستی ہے، یہ اہل خرد کا گہوارہ
ہر چیز یہاں کی شہ پارہ، ہر فرد یہاں کا سیارا
یاں نور کی بارش ہوتی ہے یاں علم کا بہتا ہے دھارا
ہر قطرہ یہاں کا موتی ہے، ہر ذرہ یہاں کا مہ پارہ

☆☆☆

اس وقت ہمارے مسلم معاشرہ کو جو چیز گھن کی طرح کھائے ڈال رہی ہے وہ ہے آپسی انتشار اور نجی فائدہ کو ہر ملی مفاد اور دینی معاملہ پر ترجیح دینا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی بھی معاملہ چاہے خاندانی حیثیت رکھتا ہو یا پوری ملت سے اس کا تعلق ہو الجھتا ہی جا رہا ہے، ایثار اور قربانی کے الفاظ یا ڈکشنریوں میں ملتے ہیں یا سوانح و سیرت کی کتابوں میں۔

ہمارا حال تو اب یہ ہے کہ ملت کے مفاد کی بات تو جانے دیجئے خاندانی معاملات میں بھی ہم بدترین قسم کی خود غرضی اور مفاد پرستی کے شکار ہیں، جس کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ بھائی بھائی میں نفرت اور دوری پیدا ہو گئی ہے، شاید چند ہی گھرانے ایسے ہوں گے جہاں جائداد یا کاروبار کے جھگڑے نہ ہوں، ورنہ جدھر دیکھئے معمولی بات پر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں، آپسی محبت و مودت جو اسلام کی عطا کردہ ایک نعمت عظمیٰ تھی بالکل مفقود ہو گئی ہے۔ لیکن ہماری غفلت و بے حسی اب اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ہم کو اس خطرناک صورت حال کا احساس تک نہیں ہوتا علاج تو دور کی بات ہے۔

ہم سب لوگوں کا یہ فرض ہے کہ اپنے اپنے حلقہ کی فکر کریں اور پہلے اپنے گھر کی اصلاح کی فکر کریں اور اس کو درست کریں۔ اگر گھر درست ہوگا تو محلہ اور پڑوس اس سے متاثر ہوگا اور اصلاح حال کی معطر ہوا پوری فضا کو خوشگوار کر دے گی۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

برادر محترم مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ و ناظم جامعہ ضیاء العلوم، میدان پور، رائے بریلی

اس سال رمضان المبارک میں موت کے حادثات کثرت سے پیش آئے، دنیا سے متعدد ایسے لوگ رخصت ہو گئے جو دین کے بڑے خدمت گذار اور ملت کے اہم مردان کار تھے اور پوری ملت اسلامیہ ان سے فائدہ اٹھا رہی تھی، انہی حوادث میں سے ایک بڑا حادثہ برادر معظم مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کی وفات کا ہے جن کا ندوۃ العلماء سے گہرا تعلق تھا۔

مولانا تقریباً ایک ڈیڑھ مہینہ سے بیمار تھے، ان کی وفات کا حادثہ ایسا تھا جس نے ہمارے پورے خاندان کو ہلا کر رکھ دیا۔ خاندانی معاملات اور ملی مسائل میں مولانا بڑی گہری سوچ رکھتے تھے اور ان کے مشورے بڑے اہم ہوتے تھے، ہمیں اس کا تجربہ ہے، بہت اہم مواقع پر ان کی رائے ایسی ہوتی تھی کہ اگر اس پر عمل نہ کیا جاتا تو شاید نتائج اچھے نہ ہوتے، لیکن ان کی رائے پر عمل کرنے سے الحمدللہ فائدہ پہنچا، خاندانی اعتبار سے بھی، ملی اعتبار سے بھی اور دینی اعتبار سے بھی۔

حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ کے بڑے فرزند حضرت شاہ آیت اللہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے اللہ والے اور بہت بزرگ آدمی تھے، ان کے بیٹے حضرت مولانا محمد صابر صاحبؒ اپنے وقت کے کبار مشائخ میں سے تھے، اس زمانہ میں رائے بریلی کے اندر تین بڑے مشائخ تھے: حضرت شاہ ابوسعید صاحبؒ جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے نانا تھے، حضرت مولانا محمد صابر صاحبؒ اور حضرت شاہ لعل صاحبؒ جو اپنے وقت کے شیخ الاسلام کہے جاتے تھے، مولانا صابر صاحبؒ کے بیٹے مولانا واضح صاحبؒ اپنے وقت کے بزرگ تھے، زہد و قناعت ان کا شیوہ تھا، حضرت مولانا سید محمد ثانی صاحبؒ، حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا سید محمد واضح صاحبؒ وغیرہ اسی نسل سے ہیں، اس نسل میں بڑے بڑے مشائخ پیدا ہوئے، جیسے: حضرت شاہ ضیاء النبی صاحبؒ جو حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے نانا تھے، ان سے پہلے حضرت مولانا ظاہر صاحبؒ جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے بڑے خلفاء میں سے تھے، اللہ نے اس سلسلہ میں بڑی برکت عطا فرمائی، ہمیں امید ہے کہ ان شاء اللہ مولانا حمزہ صاحب اپنے انہی بزرگوں کے ساتھ ہوں گے اور قیامت میں اللہ تعالیٰ ان ہی کے ساتھ ان کو بھی اٹھائیں گے۔

مولانا حمزہ حسنی صاحبؒ ہمارے پھوپھی زاد بھائی تھے، ان کے والد اللہ کے بڑے برگزیدہ بندے تھے اور ان کی والدہ بھی بہت صالحہ خاتون تھیں جو ہماری سگی پھوپھی تھیں، ہمارے دادا مولانا ڈاکٹر عبد العلی صاحبؒ کی پانچ بیٹیاں تھیں، ماشاء اللہ سب ممتاز تھیں، ان کی صفات ان کی اولاد میں بھی منتقل ہوئیں، ہمارے والد صاحب تنہا فرزند تھے، سب بہنوں میں سب سے پہلے وہی اس دنیا سے رخصت ہوئے، ہم سب پھوپھی زاد ماموں زاد بھائی بہنوں میں سگے بھائی بہنوں جیسا تعلق رہا ہے۔

مولانا حمزہ صاحبؒ کے والد حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے مجاز تھے اور حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے بہت محبوب بھانجہ اور معتمد تھے، ان کی ذات سے بڑی توقعات تھیں، انہوں نے رائے بریلی کے پورے علاقہ میں تعلیمی اور اصلاحی جو کام کیا ' الحمد للہ آج اس کا فائدہ نظر آ رہا ہے، مولانا کی دو اولادیں تھیں، سیدہ امامہ حسنی بیٹی تھیں جو بڑی تھیں اور صفات میں

اپنے والد کا پرتو تھیں، اللہ نے ان کو تین بیٹے اور دو بیٹیاں دیں، بڑے فرزند عزیزی مولوی محمود حسنی سلمہ ماشاء اللہ صاحب تصانیف اور بڑا دینی ذوق رکھنے والے عالم اور" تعمیر حیات" کے نائب مدیر ہیں، دوسرے فرزند مولوی مسعود حسنی عالم اور مفتی ہیں، دار العلوم ندوۃ العلماء میں استاذ فقہ ہیں اور دار القضاء والافتاء سے بھی وابستہ ہیں، تیسرے مولوی منصور حسنی بھی ماشاء اللہ عالم اور مدرس ہیں، دونوں بیٹیاں بھی ماشاء اللہ دین دار ہیں اور اپنے والد کی صفات لیے ہوئے ہیں۔ مولانا حمزہ حسنی صاحب مولانا محمد ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے تنہا فرزند تھے، اللہ تعالی نے ان کو بھی کئی ایسی صفات دی تھیں جن میں وہ بڑے ممتاز تھے، مولانا محمد ثانی صاحبؒ کی وفات کے بعد اللہ نے ان کے اندر ایسا عجیب جذبہ پیدا کیا کہ انہوں نے تصوف وسلوک کی منازل طے کرنے کے ساتھ سماجی واصلاحی اور تعلیمی امور کی طرف بھرپور توجہ دی۔

حضرت شیخ الحدیثؒ سے ان کا بیعت وارشاد کا تعلق تھا، شیخ کی وفات کے بعد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا تعلق رہا، پھر وہ باقاعدہ حضرت رائے پوری کے سلسلہ میں مجاز بھی ہوئے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب دامت برکاتہم نے بھی ان کو اجازت دی تھی۔ مولانا نے ذکر کا خوب اہتمام کیا تھا، ہمیں ان کا وہ دور یاد ہے جب وہ چلتے پھرتے ذکر میں مشغول رہتے تھے اور ان کی ایک عجیب کیفیت ہوگئی تھی، کبھی کبھی وہ خود کہتے تھے: " لگتا ہے میرے سینہ میں ایک آگ سی لگ گئی ہے۔" ظاہر ہے وہ عشق الٰہی کی آگ تھی، جس کا ان کے قریبی لوگوں نے مشاہدہ کیا ہے، روضہ پاک پر حاضری کے وقت ان کی چیخیں نکل گئیں، اس کے علاوہ بھی ان کے بہت سے ایسے عجیب واقعات ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس راستہ میں انہوں نے غیر معمولی ترقی کی، ان کے دل کے اندر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی محبت تھی۔

مولانا نے سماجی و تعلیمی کام بھی کیے، حضرت مولانا سید محمد ثانی صاحبؒ کی وفات کے بعد ان کے نام پر ایک سوسائٹی بنائی گئی، جس کے ذریعہ بہت سے کام ہوئے، الحمد للہ رائے بریلی میں مدرسہ عائشہ للبنات قائم ہوا، تکیہ دائرہ شاہ علم اللہ میں تحفیظ القرآن کا مدرسہ قائم ہوا، اس کے علاوہ اسکول اور مکاتب بھی قائم ہوئے اور بہت سے ایسے کام ہوئے جو اس سے پہلے یہاں نہیں ہوئے تھے۔ اس سے الحمد للہ ایک دینی فضا بنی جس میں بنیادی طور پر جو فکر اور کوشش تھی وہ مولانا ہی کی تھی۔

اسی طرح مولانا محمد ثانی صاحبؒ نے خواتین کے لیے "رضوان" کے نام سے جو ماہنامہ جاری کیا تھا، انہوں نے اس کو بھی سنبھالا اور ایسا سنبھالا کہ چالیس سال اس کے مدیر رہے اور اس کے نشیب وفراز کو انہوں نے برداشت کیا، دینی پرچوں کا چلانا کوئی آسان کام نہیں ہے، لیکن تقریباً ساٹھ سال سے الحمد للہ وہ پرچہ تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ مکتبہ اسلام بھی اسی لیے قائم ہوا تھا کہ اس سے دینی کتابیں شائع ہوں، الحمد للہ وہ سلسلہ بھی جاری رہا اور وہاں سے بہت اہم پچاسوں کتابیں شائع ہوئیں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وفات کے بعد خاص طور پر بلکہ ان کی زندگی ہی میں ندوہ سے مولانا کا تعلق گہرا ہوتا چلا گیا، جس میں مولانا عبداللہ عباس صاحب ندویؒ کا بڑا حصہ ہے، انہوں نے بہت اصرار کے ساتھ ان کو پہلے مجلس انتظامی کا رکن بنایا، اس دوران انہوں نے ان کی صلاحیتوں کو دیکھا تو محسوس کیا کہ ان کے اندر جو انتظامی صلاحیت اور بصیرت ہے وہ کم لوگوں میں ہوتی ہے، کیونکہ وہ بڑے صائب الرائے تھے اور بہت دور تک سوچتے تھے، اسی لیے مولانا عبد اللہ عباس صاحبؒ نے ان کو باصرار ناظر عام بنوایا، اس وقت حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم ندوہ کے ناظم تھے اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید صاحبؒ کا بھی شروع ہی سے ذمہ دارانہ تعلق تھا، مولانا عبد اللہ عباس صاحبؒ کے بعد وہی معتمد تعلیم بھی ہوئے،

اس وقت ندوہ میں یہی حضرات ذمہ دار تھے اور مولانا حمزہ حسنی صاحب ان کے بھتیجے تھے، یہ حضرات خاموش رہے، مگر مولانا عبد اللہ عباس صاحبؒ کے اصرار پر الحمد للہ انہوں نے کام کو سنبھالا، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے خوب کام لیا، پوری مدت وہ ندوہ میں للہ فی اللہ کام کرتے رہے، انہوں نے کبھی اس کا معاوضہ نہیں لیا، شروع میں یہ شرط لگائی تھی کہ ہم صرف تین گھنٹے دیں گے مگر اس کے بعد ندوہ میں ایسے فنا ہوئے کہ اسی کے ہو کر رہ گئے، پھر نہ مکتبہ کا ان کو زیادہ ہوش رہ گیا اور نہ اپنے دوسرے کاموں کا، یہاں تک کہ زندگی کی دوسری ضروریات کی بھی انہیں زیادہ فکر نہیں رہ گئی، الحمدللہ ان کی ذات سے ندوہ کو جو فائدہ پہنچا وہ جاننے والے خوب جانتے ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے وہ دست وبازو تھے، خاص طور سے انہوں نے ندوہ میں پورے کام کو سنبھال رکھا تھا، الحمدللہ ندوہ کو ان کی ذات سے بہت سے ایسے فائدے پہنچے جو شاید اکثر لوگ جانتے بھی نہ ہوں، بعض چیزیں ایسی ہیں جو لوگوں کے علم میں بالکل نہیں ہیں، ندوہ کی زمین کا مسئلہ انہوں نے بڑی حکمت عملی سے حل کیا، خدانخواستہ اگر وہ مسئلہ حل نہ ہوتا تو اس وقت ندوہ خطرہ میں پڑ جاتا، اس کے علاوہ انہوں نے ندوہ کے اندر تعمیر وترقی میں جو نمایاں خدمات انجام دیں اور حضرت مولانا معین اللہ صاحبؒ کے بعد تعمیرات کا جو کام ان کے دور میں ہوا وہ اس سے پہلے بھی نہیں ہو سکا تھا، پکی بات یہ ہے کہ مولانا اخیر تک اس سلسلہ میں فکر مند رہے۔

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم جو اس وقت دار العلوم کے مہتمم ہیں، انہوں نے نظامت کے ایک جلسہ میں فرمایا: میری ایک رائے ہے کہ مولانا حمزہ صاحب کو نائب ناظم بنا دیا جائے، میں حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس کو قبول فرمائیں، حضرت مولانا اس پر خاموش رہے، لیکن مہتمم صاحب اصرار کرتے رہے، پھر بھی جب حضرت مولانا نے کچھ ارشاد نہیں فرمایا تو از خود رجسٹر لے کر اپنے قلم سے تجویز تحریر فرمائی اور جب انتظامیہ میں اس بات کا ذکر آیا تو سب نے یہ رائے خوشی کے ساتھ منظور کر لی۔ لیکن مولانا حمزہ صاحب نے سالوں خود کو نائب ناظم نہیں لکھا، کہتے تھے مجھے اچھا نہیں لگتا اور مولانا سعید الرحمٰن صاحب ہمیشہ لکھتے رہے، جب بھی کوئی تحریر جاتی تھی تو وہ نائب ناظم ضرور لکھتے تھے۔

مولانا ندوہ میں ایک لمبے عرصہ تک اہم ترین عہدہ پر رہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ان کو کبھی حب جاہ کا شوق نہیں رہا، انہوں نے اپنا ہر کام اللہ کے لیے بہت ہی خفیہ طریقہ پر کیا، ان کا مزاج اخفاء ہی کا تھا، وہ کہتے تھے کہ اصل کام ہے، یہ سب مناصب اصل نہیں ہیں، اگر کام ہو رہا ہے تو ٹھیک ہے اور یہ جو کچھ بھی ہے محض اللہ کا فضل ہے۔ ان کے اندر دین کا ایک عجیب جذبہ اور اس کی فکر تھی، ندوہ کے کاموں کو لے کر وہ خاص طور سے اخیر وقت تک فکر مند رہے، بیماری کے زمانہ میں بھی بعض مرتبہ اہم لوگوں کو ندوہ کے متعلق بہت سے مشورے دیے۔ آخری ایام میں ان کے چھوٹے فرزند عزیزی سعید سلمہ نے ان کی بڑی خدمت کی، وہ کہنے لگے: آپ تھک جائیں گے، آپ اس وقت گفتگو نہ کریں تو اس سے کہنے لگے: مرنا ہے تو مر جائیں گے مگر جو بات ہم کہہ رہے ہیں، یہ بہت ضروری ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مولانا سے مختلف کام لیے، انہوں نے بعض ایسے تصنیفی کام بھی کیے جو بڑے مفید ہیں، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مکتوبات پوری ایک تاریخ ہے، ان کی ترتیب وتدوین مولانا حمزہ صاحب کا ایسا کارنامہ ہے کہ تنہا ان کے لیے بھی کافی ہے، اس سے حضرت مولاناؒ کی پوری شخصیت سامنے آتی ہے اور اس دور میں جو واقعات پیش آئے ہیں، ان خطوط کے ذریعہ وہ پوری تاریخ محفوظ ہو گئی ہے اور بہت سے وہ حقائق سامنے آ گئے ہیں جو شاید کتابوں میں نہیں ملیں گے، اس لیے کہ آدمی خطوط میں بے تکلف ہوتا ہے اور وہ

باتیں بھی سامنے آجاتی ہیں جن کا اظہار شاید کتابوں سے نہ ہوسکے۔

ہمیں یاد ہے کہ جب ہم طالب علم تھے، اس دور میں انہوں نے خطوط جمع کرنے کا کام شروع کیا تھا، ظاہر ہے وہ کام آسان نہیں تھا، اس کے لیے انہوں نے خطوط لکھے اور لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور الحمدللہ ہزاروں خطوط جمع کرلیے۔ وہ بڑے خوش خط تھے اور اس زمانہ میں کمپوزنگ وغیرہ کی اتنی سہولتیں نہیں تھیں، تمام خطوط ڈائریوں میں خود تحریر کیے۔

دار عرفات کے زیر انتظام سید احمد شہید اکیڈمی جب قائم ہوئی اور طباعت کا نظام شروع ہوگیا' اس وقت ہم نے ان سے کہا: مکتوبات کی طباعت کا سلسلہ یہیں سے شروع ہونا چاہیے، چنانچہ پہلی جلد چھپی اور الحمدللہ اس کے بعد دوسری جلد بھی یہیں سے شائع ہوئی۔ اس کے بعد اللہ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ ہمارے پاس وقت کم ہے اور ہمیں یہ کام جلد کرنا چاہیے، ایک دن انہوں نے ہم سے کہا: اگر تم اجازت دو تو مجلس سے بھی اشاعت کا یہ سلسلہ شروع ہو۔ پھر الحمد للہ مجلس سے اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا اور عجیب بات ہے کہ ابھی دو سال ہی گذرے ہوں گے کہ ان دو سالوں میں بڑی تیزی کے ساتھ آگے کی جلدیں شائع ہونا شروع ہوئیں اور پانچ چھ جلدیں چھپ گئیں، تقریباً سات جلدیں انہوں نے اپنی زندگی میں پوری طرح تیار کردی تھیں اور دس جلدوں کا پورا میٹر بھی تیار تھا اور بڑی حد تک اس پر کام بھی ہوگیا تھا، امید ہے کہ ان شاءاللہ یہ کام جلد ہی مکمل ہوگا اور ان کے بھانجہ عزیزی مولوی محمود حسنی ندوی جن کو اس کا ذوق بھی ہے، ان شاءاللہ وہ جلد ہی یہ کام پورا کرلیں گے اور کم از کم دس جلدیں حضرت مولاناؒ کے مکتوبات کی آجائیں گی۔

اس کے علاوہ ان کی متعدد تصنیفات شائع ہوکر مقبول ہوئیں، جن میں خاص طور سے ''تذکرہ سید احمد شہید'' قابل ذکر ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا سید محمد ثانی صاحبؒ کے انتقال کے بعد انہوں نے ان پر ''رضوان'' کا جو نمبر نکالا وہ بڑا یادگار نمبر تھا، اس کے علاوہ ''رضوان'' کا صحابیات اور امہات المومنین نمبر بھی شائع کیا، ان کے زمانہ میں ماہنامہ ''رضوان'' نے بڑی ترقی کی۔

آدمی دین کا جو کام اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے وہ آخرت میں اس کے کام آتا ہے، الحمدللہ ان کے ایسے بہت سے کام ہیں جو یقیناً یہاں سے جانے کے بعد ان کے کام آرہے ہوں گے، مگر عجیب بات ہے انہوں نے سب کچھ کرنے کے باوجود اپنے آپ کو کبھی کچھ نہیں سمجھا، کہتے تھے ہماری کیا حقیقت ہے، ہم اس قابل نہیں ہیں، اللہ نے ہم سے جو کام لیے اور ہم یہاں تک پہنچے' یہ صرف ہمارے والد صاحب کا صلاح اور ہمارے بزرگوں کی دعائیں ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ کا فضل ہے، جس نے توفیق دی۔ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم بھی اکثر یہ بات فرماتے ہیں کہ ماں باپ اور باپ دادا کی نیکیاں اور صلاح کام آتا ہے اور بعض مرتبہ نسلوں میں اس کے اثرات محسوس کیے جاتے ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے، قرآن مجید بھی اس کی شہادت دیتا ہے کہ ماں باپ نیک تھے تو ان کے بچوں کے خزانے کی حفاظت کی گئی اور یہ بات کہی گئی کہ:

''وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحاً'' (اور ان کے والد نیک (انسان) تھے)۔

والدین کے صلاح کے اثرات ان کی زندگی میں نمایاں تھے، وہ بڑی بے تکلف اور سادہ زندگی گذارتے تھے، تصنع اور بڑائی سے کوسوں دور تھے، ان کا مطالعہ بھی بڑا وسیع تھا، ہر طرح کی چیزیں ان کے مطالعہ سے گذری تھیں، ان کی معلومات بھی بڑی وسیع تھیں، تاریخ سے خاص دلچسپی تھی، تصوف کی دقیق کتابوں کا انہوں نے بڑی دلچسپی سے مطالعہ کیا تھا اور وہ اس کے دقائق و رموز سے واقف تھے۔

والد صاحب کی وفات کے بعد ہی ان کا دل دنیا سے اچاٹ ہوگیا تھا، ساری زندگی ایک چارپائی پر گذار دی، معمولی لباس، معمولی بستر، ناظر عام کے عہدہ پر تقرر کے بعد ایک بڑی تنخواہ کی پیشکش

ہوئی، لیکن اس سے معذرت کرلی، اپنی کمزوری کے باعث صرف ندوہ آمد ورفت کے لیے گاڑی کی پیشکش قبول کی، ایک مرتبہ مکتبہ اسلام پہنچنے کے بعد کہیں آگے جانے کی ضرورت پڑی تو ڈرائیور سے کہا: ہمارے ندوہ سے ہمارا معاہدہ یہیں تک تھا، آگے جہاں تک گاڑی جائے اس کا کرایہ میں ادا کروں گا، ندوہ میں ان کے ساتھ دسیوں سال کام کرنے والے ان کی امانت داری اور اخلاق کی بلندی پر گواہ ہیں۔

مولانا کی ایک عجیب بات یہ تھی کہ انہیں کبھی بھی موت سے وحشت نہیں ہوئی، ہم نے ان کو شروع سے دیکھا، وہ ہم سے بے تکلف تھے اور ہر طرح کی باتیں بھی کرتے تھے، ہمیشہ کہتے تھے کہ ہمیں موت کی گھبراہٹ کبھی نہیں ہوتی، اگر ابھی موت آجائے تو ہم استقبال کے لیے تیار ہیں، موت کا ذکر کرتے ہوئے ان کی ایک عجیب کیفیت ہوتی تھی، گویا لقائے رب کا جو شوق کہا جاتا ہے وہ ان کے اندر شروع سے تھا، وفات سے قبل جو بیماری ہوئی اس میں انہوں نے بار بار یہ بات کہی کہ ہمیں لگتا ہے یہ ہماری آخری بیماری ہے لیکن ہمیں اس کی کوئی فکر نہیں ہے، اللہ کے یہاں جانا ہے تو حاضر ہو جائیں گے، ان کی کیفیت اور حال دیکھ کر لگتا تھا کہ ان کے اندر لقائے رب کا ایک عجیب ہی شوق ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے مولانا کو موت کا ایسا مبارک وقت دیا جس کی تمنا اولیاء اللہ بھی کرتے ہیں، اس میں انہیں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے مشابہت حاصل ہوئی، اللہ نے حضرت مولاناؒ کو جب دنیا سے بلایا تو اس سے بہتر نہ وقت ہوسکتا تھا اور نہ اس سے بہتر حال ہوسکتا تھا، اللہ نے ان کو ایسا نوازا کہ جمعہ کے دن ۲۲؍رمضان کو حضرت مولانا کی وفات ہوئی اور پھر ۲۳ویں شب کو تدفین ہوئی، صاف لگتا تھا کہ شب قدر ہے اور انتقال جس حال میں ہوا وہ بھی نہایت قابل رشک تھا، باقاعدہ غسل کرکے، جمعہ کی تیاری کے ساتھ اور روزہ کی حالت میں، واقعہ یہ ہے کہ بہت ہی خال خال اللہ کے نیک بندوں کو یہ بات نصیب ہوتی ہے، اللہ تبارک وتعالی نے حضرت مولانا کو جو مقام دیا تھا' اس پایہ کے لوگ صدیوں میں اللہ تعالی پیدا کرتا ہے۔ مولانا حمزہ صاحبؒ کو بھی اللہ نے حضرت مولاناؒ کی گویا وہی نسبت عطا فرمائی، بلاشبہ یہ اللہ تعالی کا خاص فضل ہے۔ اسی طرح مولانا حمزہ صاحب کی دادی جو حضرت مولانا رابع صاحب دامت برکاتہم کی والدہ تھیں، اللہ نے ان کو بھی یہی سعادت بخشی تھی کہ ۲۳ویں شب کو رمضان میں عجیب کیفیت کے ساتھ ان کی وفات ہوئی، اس وقت دو حادثے ہوئے تھے، ۷؍رمضان المبارک کو حضرت مولانا رابع صاحب کی اہلیہ کی وفات ہوئی تھی اور ۲۳ویں شب کو مولانا کی والدہ کی وفات ہوئی، دونوں کے درمیان صرف چند دنوں کا فرق تھا۔

مولانا کی وفات سے ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوا ہے، لیکن ظاہر ہے یہ سب اللہ کے فیصلے ہیں اور اللہ تعالی جو بھی فیصلہ کرے اس پر راضی رہنا چاہیے، ان کی وفات پر حضرت مولانا رابع صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالی نے ان کے ساتھ بڑا فضل کیا، اللہ کی طرف سے سب کچھ ہوتا ہے، جانا تو سب کو ہے، لیکن اللہ نے ان کے لیے جانے کا جو وقت منتخب فرمایا وہ بڑی سعادت کی بات تھی، جمعۃ الوداع میں قبیل مغرب جو اس کا سب سے مبارک وقت ہوتا ہے، جس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں، اس وقت وہ دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ سورۂ یٰسین پڑھی جارہی تھی، ظاہر ہے وہ تو کامیاب چلے گئے لیکن ہم لوگوں کے لیے بڑا خلا ہو گیا، اللہ تعالی اس خلا کو پر فرمائے۔

عصر کے بعد وفات ہوئی، ندوہ ہی میں غسل دیا گیا اور پہلی نماز جنازہ بعد تراویح حضرت مہتمم صاحب نے پڑھائی، پھر جنازہ رائے بریلی لایا گیا اور بعد نماز فجر ان کے عم نامدار حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور حظیرۂ سید محمد ہدیٰ میں اپنے چھوٹے چچا حضرت مولانا واضح رشید ندویؒ کے پہلو میں سپرد

خاک کیے گئے، دو فرزند یادگار چھوڑے، فرزند اکبر عزیزی مولوی سید رشید احمد ندوی سلمہ جو اس وقت مدرسہ مظہر الاسلام بلوچپورہ میں مدرس ہیں اور چھوٹے فرزند عزیزی سید سعید ندوی سلمہ جو دو سال قبل فارغ ہوئے، وہ تدریس کے مرحلہ میں داخل ہورہے ہیں، عجیب بات ہے کہ وفات سے چند ماہ قبل ہی مولانا نے ان کے لیے کمرہ تیار کرایا اور شادی کی، ایک مہینہ بھی نہیں گذرا کہ وہ بیمار ہوئے، عزیزی سعید نے بڑی خدمت کی، پوری سعادت حاصل کی، اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اپنے باپ دادا کا جانشین بنائے اور ان سے خدمت دین کا کام لے، مولانا کی اہلیہ حضرت مولانا رابع صاحب کی بڑی صاحبزادی ہیں، خاندان کی ممتاز خواتین میں ہیں، صلاح اور علم سے آراستہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے، خاص طور پر ان کے والد نامدار مرشد الامہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی عمر میں صحت وعافیت کے ساتھ مزید برکت عطا فرمائے۔

☆☆☆

مسلمان عورت کو اس کا صاف اور صریح حکم ہے کہ وہ غیر محرم مردوں کے اختلاط اور میل جول سے بچے اور ان تمام لغزشوں سے حفاظت کے لئے زیب وآرائش کے اظہار اور بن ٹھن کر نکلنے کی ممانعت سختی کے ساتھ کی گئی ہے حتیٰ کہ حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھے قرآن کریم نے اس کی تفصیل سے ہدایت کی ہے اور بغیر کسی تفریق کے حکم دیا ہے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ۔

ترجمہ: اور فرما دیجئے مسلمان عورتوں سے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی جگہوں کو ظاہر نہ کریں مگر جو کھلی ہوئی رہتی ہیں، جس کے چھپانے میں حرج ہے، اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اسی حکم پر عمل کیا جاتا تو آج جو بے حیائی کے یہ مناظر دکھائی دیتے ہیں ان کا نام ونشان تک نہ ہوتا اور آزادی و بے باکی پرورش نہ پاتی، تجربہ بتلاتا ہے کہ جس زمانہ تک مسلمان مردوں اور عورتوں نے اس حکم پر سختی سے عمل کیا پورے پورے ملک میں ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہ آیا جو بے حیائی کا مرقع کہلایا جاسکتا اور صرف یہی نہیں کہ کوئی برائی میں مبتلا ہوتا کسی کی یہ مجال تک نہ ہوتی کہ وہ کسی عورت کی طرف بری نگاہ اٹھا سکے، اور آج بھی جن مسلمان ملکوں میں حیاو پاکدامنی کا یہ شعار قائم ہے وہاں برسوں گزر جاتے ہیں مگر کسی عورت کی بے آبروکا ایک واقعہ بھی پیش نہیں آتا لیکن ایک آدھ ملک کے علاوہ ہر ملک میں بے حجابی کی منظم تحریکیں چلائی گئیں اور ان پاک بازبی بیوں کو (جن کو نگاہ تک نیچی رکھنے کا صریح حکم ہے) آوارہ پھرنے اور غیر مردوں سے اختلاط کی تلقین کی گئی اس کے لئے ایسے دلکش انداز اور دلآویز طریقے اختیار کئے گئے اور چاروں طرف ایسا ماحول بنایا گیا کہ حجاب فرسودہ اور ناقابل عمل طریقہ سمجھا جانے لگا۔ وہ مسلمان خاندان جو نئی تعلیم سے آراستہ تھے اور یورپین تہذیب وتمدن کے دلدادہ تھے وہ حجاب ونقاب کو باعث شرم سمجھنے لگے۔ غیر مردوں اور غیر عورتوں کا اختلاط دوستی اور بے تکلفی رقص وسرود، جسموں کی آرائش وزیبائش اور مختلف طریقوں سے ان کا اظہار عین ترقی یافتہ سمجھا جانے لگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے حیائی کے تمام وہ مناظر سامنے آئے جن کے تصور سے بھی اب سے پہلے کوئی مسلمان عورت کانپ اٹھتی تھی۔...... ان تمام فحش کاریوں اور بے حیائی کے کریہہ مناظر کے سلسلے کی پہلی کڑی چہرے سے نقاب الٹنے کی تحریک تھی جس کو قرآن وحدیث کے نام اور تہذیب وتمدن کے واسطے سے شروع کیا گیا اور یہ بات اتنی بڑھی کہ رقص گاہوں، کلبوں اور ان میں اختلاط اور بے تکلفی کو ناکافی سمجھا گیا اور ایک ایسا طریقہ نکالا گیا جس کے بعد بے حیائی کا شاید ہی کوئی درجہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

(مکتبہ اسلام کی کچھ اہم و مفید مطبوعات)

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ:

- کاروانِ زندگی حصہ اول — 260
- کاروانِ زندگی حصہ دوم — 350
- کاروانِ زندگی حصہ سوم — 220
- کاروانِ زندگی حصہ چہارم — 350
- کاروانِ زندگی حصہ پنجم — 200
- کاروانِ زندگی حصہ ششم — 240
- کاروانِ زندگی حصہ ہفتم (مع ضمیمہ) — 275
- کاروانِ زندگی مکمل سیٹ — 1895
- مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی — 130
- ارکانِ اربعہ — 300
- خواتین اور دین کی خدمت — 80
- کاروانِ ایمان و عزیمت — 100
- دعائیں — 35
- سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ — 300
- سوانح مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ
- نبی رحمت (ﷺ) — 400
- سیرت سید احمد شہیدؒ (دو جلدیں) — 800
- تاریخ دعوت و عزیمت (پانچ جلدیں) — 1650
- انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر — 280
- اپنے گھر سے بیت اللہ تک — 60
- اصلاحیات — 85
- تذکرہ مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ — 70

از حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی:

- رہبرِ انسانیت — 250
- قرآن مجید انسانی زندگی کا رہبر کامل — 260
- دو مہینے امریکا میں — 300
- جزیرۃ العرب — 250
- حج و مقاماتِ حج — 90
- امت مسلمہ رہبر اور مثالی امت — 110
- سماج کی تعلیم و تربیت — 110
- یادوں کے چراغ — 250

از حضرت سید مولانا محمد ثانی حسنیؒ:

- سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ — 250
- تذکرہ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ — 30
- زبان کی تیکھیاں — 35
- مجدد الف ثانیؒ — 15
- گلدستۂ حمد و سلام — 15
- خانوادۂ علم اللّٰہی — 250
- میزاب رحمت
- سوانح مولانا سید محمد الحسنیؒ — 250

از مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی:

- تذکرہ صحابیاتؓ — 140
- تذکرہ حضرت سید احمد شہیدؒ — 150
- مکتوبات مولانا ابوالحسن علی ندویؒ (اول) — 250
- مکتوبات مولانا ابوالحسن علی ندویؒ (دوم) — 350
- 〃 〃 (سوم) — 300
- 〃 〃 (چہارم) — 400
- 〃 〃 (پنجم) — 350
- سیرت امہات المومنینؓ — 120

از مولانا سید محمد الحسنیؒ:

- تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہؒ — 150

از محترمہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ:

- زادِ سفر اول — 300
- 〃 〃 دوم — 320
- بابِ کرم — 20
- بچوں کی قصص الانبیاء (اول) — 80
- بچوں کی قصص الانبیاء (دوم) — 65
- بچوں کی قصص الانبیاء (سوم) — 80
- بچوں کی قصص الانبیاء (چہارم) — 50
- ہمارے حضور (ﷺ) (اردو) — 65
- ہمارے حضور (ﷺ) (ہندی) — 80
- مناجاتِ ہاتف — 20

- دیارِ حبیب (ﷺ) — 5

از محترمہ خیر النساء بہترؔ:

- حسنِ معاشرت — 60
- کلیدِ بابِ رحمت — 25
- ذائقہ — 60
- ذکرِ خیر — 80

از مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ:

- تعلیم الاسلام — 25
- نور الایمان — 20

از مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ:

- نماز سمجھ کر پڑھیے — 12

از مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی:

- نظام تعلیم و تربیت — 100
- محسن انسانیتؐ — 60

از دیگر مصنفین:

- بشریت انبیاء (مولانا عبدالماجد دریابادیؒ) — 80
- سیرت صدیقؓ (مولانا حبیب الرحمن شیروانیؒ) — ..
- عربی میں نعتیہ کلام (ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ) — 180
- امت مسلمہ کی مائیں (مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ) — 50
- رسول کی صاحبزادیاں (مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ) — 50
- اعمالِ قرآنی (مولانا اشرف علی تھانویؒ) — 45
- مثالی حکمراں (مولانا عبدالسلام قدوائیؒ) — 40
- عربی زبان کے دس سبق 〃 — 20
- خلافتِ راشدہ (مولانا غلام رسول مہرؒ) — 40
- خلافتِ بنی امیہ 〃 — 45
- خلافتِ عباسیہ 〃 — 28
- بہشتی ثمر (اول) (مولانا عیسیٰ صاحبؒ) — 55
- بہشتی ثمر (دوم) 〃 — 45
- تعلیم القرآن (مولانا اویس نگرامی ندویؒ) — ..
- بکھرے موتی (مولانا نیاز احمد بستویؒ) — 30
- کتاب النحو (حافظ عبدالرحمن امرتسریؒ) — 45
- کتاب الصرف (حافظ عبدالرحمن امرتسریؒ) — 55
- ہدایۃ النحو (سراج الدین عثمانی اودھیؒ) — 75
- کلیلہ و دمنہ — 90

مکتبہ اسلام رؤف مارکیٹ، گوئن روڈ، لکھنؤ ۱۸ Mob: 9453949221

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی
ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ

نقوش وتاثرات

حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ نائب ناظم ندوۃ العلماء وناظر عام ندوۃ العلماء کی وفات سے بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ بڑی مستعدی اور خاموشی کے ساتھ اور انتہائی یکسوئی اورزیرکی کے ساتھ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے تمام شعبوں کی نگرانی کررہے تھے، اور ندوۃ العلماء کو ترقی دینے کی پیہم کوشش کررہے تھے، ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم کے انتہائی معتمد اور مزاج شناس تھے، اور ندوۃ العلماء کے حوالے سے حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم کی ذمہ داریوں کے بوجھ کو کافی حد تک کم کئے ہوئے تھے، لیکن اللہ کی طرف سے ان کے لئے رحلت کا فیصلہ ہوا اور وہ ایک شدید بیماری میں مبتلا ہوکر مورخہ 7 مئی 2021ء کو سفر آخرت پر روانہ ہوگئے اللہ تعالی ان کے درجات کو بلند فرمائے کوتاہیوں کو معاف فرمائے اپنے منتخب بندوں کے زمرے میں انہیں شامل فرمائے۔

حضرت مولانا حمزہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندان کی خواہش ہے کہ احقر بھی ان کے بارے میں تاثرات ومشاہدات قلمبند کرے، ان حضرات کی فرمائش پر اور حضرت مولانا حمزہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حق سمجھ کر یہ سطریں قلمبند کی جارہی ہیں، اللہ تعالی انہیں قبولیت سے نوازے اور مولانا مرحوم کے محاسن کے کچھ پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی توفیق دے۔

کسی بھی شخص سے ربط وملاقات کا سلسلہ جب بہت طویل ہوجاتا ہے تو یہ بتانا انتہائی مشکل ہوجاتا ہے کہ ان سے ربط وتعلق کا آغاز کب اور کیسے ہوا، احقر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر 1980ء کے آخر میں ندوۃ العلماء حاضر ہوگیا تھا، دارالعلوم ندوۃ العلماء آنے سے پہلے ماہنامہ ''رضوان'' لکھنؤ کے شمارے وقتا فوقتا نگاہ سے گزرتے رہتے تھے، جس میں بڑی آسان اور سادہ زبان میں مختصر مضامین ہوا کرتے تھے، حضرت مولانا محمد ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ والد ماجد حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی صاحب نے خواتین اسلام خصوصاً مسلم بچیوں کو دینی اور اعتقادی غذا فراہم کرنے کے لئے ماہنامہ رضوان کا اجراء فرمایا تھا، حضرت مولانا ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آخری زندگی میں ماہنامہ رضوان کی ذمہ داری حضرت مولانا حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد ہوگئی تھی اور وہ خوش اسلوبی کے ساتھ اس ماہنامہ کی ادارت اور انتظامی ذمہ داریاں پوری کررہے تھے، مکتبۂ اسلام کا آفس گوئن روڈ امین آباد، لکھنؤ میں تھا، وہیں ماہنامہ رضوان کا بھی آفس تھا اور ماہنامہ رضوان کے سارے کام وہیں انجام پاتے تھے۔

پہلی بار حضرت مولانا حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کا نام ماہنامہ رضوان ہی میں پڑھا تھا، ان کی تحریریں بھی ماہنامہ رضوان میں شائع ہوتی رہتی تھیں، مجھے یاد نہیں کہ 1980ء میں ندوۃ العلماء آنے کے بعد میری ملاقات جب مولانا سید حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی، جیسا کہ لوگ جانتے ہیں مولانا حمزہ صاحب خاموش طبیعت، منکسر المزاج انسان تھے، ندوۃ العلماء سے ذمہ داری کا تعلق ہونے سے پہلے ندوۃ العلماء میں ان کی آمد کم ہی ہوا کرتی تھی، اوران سے ندوۃ العلماء کے اساتذہ کا ربط وتعلق بہت کم تھا، سوائے ان افراد کے جو ان کے خاندان کے تھے یا دور طالب علمی

میں مولانا حمزہ صاحب سے ان کے روابط قائم ہو چکے تھے۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ غائبانہ طور پر مجھ سے واقف تھے، مجھے یاد نہیں کہ ندوۃ العلماء لکھنؤ آنے سے پہلے میں نے کوئی مضمون ماہنامہ رضوان کو بھیجا ہو، میرے مضامین عام طور سے مفصل اور تحقیقی ہوتے تھے، بسا اوقات کئی قسطوں میں ان کی اشاعت ہوتی تھی، اور ماہنامہ رضوان ایسے مضامین کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا، کیونکہ وہ ایک اصلاحی اور دعوتی ماہنامہ تھا، خاص طور سے خواتین کے لئے اور یہ میری کمزوری رہی ہے کہ میں مختصر مضامین کم ہی لکھ پاتا ہوں، لیکن ندوۃ العلماء آنے کے بعد حضرت مولانا حمزہ صاحب کی طرف سے ماہنامہ رضوان کے لئے مضمون لکھنے کی تحریک بار بار ہوتی تھی، اور اس کا بڑا ذریعہ جناب قاری محمد عثمان صاحب مرحوم تھے جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دفتر اہتمام میں ملازم تھے، بڑے بذلہ سنج اور شگفتہ مزاج تھے ان کا خط بڑا پاکیزہ تھا، حضرت مولانا حمزہ صاحب کے بے تکلف دوستوں میں تھے، وہ بار بار مجھ سے مضامین کا تقاضا کرتے اور یاد دہانی کراتے رہتے، ماہنامہ رضوان نے امہات المؤمنین نمبر شائع کرنے کا فیصلہ کیا تو میں نے حضرت مولانا حمزہ صاحب کی خواہش پر ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پر مفصل مضمون لکھا، جو "امہات المؤمنین" نمبر میں شائع ہوا، اسی طرح علم حدیث میں صحابیات کی خدمات کے موضوع پر ماہنامہ رضوان نے تذکرہ صحابیات کے نام سے خصوصی شمارہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کے لئے بھی احقر نے ایک مضمون سپرد قلم کیا جو ماہنامہ رضوان نے شائع کیا۔ 1982ء کی میری ڈائری میں اس مضمون کے بارے میں ایک مختصر یادداشت لکھی ہوئی ہے، اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"ماہنامہ رضوان لکھنؤ کا صحابیات نمبر منظر عام پر آنے والا ہے تقریباً 25-20 روز سے رضوان کے مدیر مولانا محمد حمزہ حسنی صاحب مضمون کا تقاضا کررہے تھے، انہوں نے تقاضا کو مطالبہ کی حد تک پہنچانے کے لئے دو تین آدمی مزید لگا رکھے تھے، پیہم تقاضوں کی وجہ سے مجھے مضمون کے لئے تیار ہونا پڑا، عنوان دیا گیا، صحابیات اور علم حدیث، سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی "سیرت عائشہ"، ابن حزم کی "اسماء الصحابۃ الرواۃ وما لکل واحد من العدد" جو ان کی جوامع السیرۃ کے ساتھ چھپی ہے، ابن جوزی کی **"تلقیح فهوم اهل الاثر"**، سخاوی کی **"فتح المغیث"** امام احمد کی **"مسند احمد جلد ششم"** سعید انصاری کی **"سیر الصحابیات"** اور ابن عبد البر کی **"الاستیعاب"** حافظ ابن حجر کی **"الاصابة فی تمیز اسماء الصحابة"** ابن اثیر کی **"أسد الغابة"** سے اس موضوع میں کافی مدد ملی، خصوصاً ابن حزم اور ابن جوزی کی دونوں کتابوں نے بڑا فائدہ پہنچایا، مضمون بڑی عجلت میں تیار کیا گیا، فل اسکیپ کے چھ صفحات پر مشتمل تھا، لیکن مسودہ کو مبیضہ کی شکل دینے کے لئے وقت نہیں مل رہا تھا، ششماہی امتحان سے فراغت کے بعد 7 جنوری بروز جمعرات حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں ہتھورا (باندہ) جانے کا اتفاق ہوا، کیونکہ برادرم مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب جو وہیں مدرس ہیں، ان کا مسلسل اصرار تھا، حضرت مولانا بھی ایک دو بار فرما چکے تھے، باندہ کے مدرسے میں ان دنوں ہمارے ہم وطن مولانا مختار صاحب بھی زیر تعلیم ہیں، وہ ندوہ کے درجہ ششم عربی میں زیر تعلیم تھے، اپنی جماعت کے ممتاز ترین طلبہ میں تھے، لیکن بعض ہنگامی حالات کی بنا پر انہیں حضرت مولانا صدیق صاحب کے مدرسہ میں آنا پڑا، انہوں نے جمعہ کے روز چند گھنٹوں میں مضمون کو نقل کردیا سرعت تحریر اور حسن تحریر پر رشک آیا۔ لکھنؤ واپس آنے کے بعد میں نے بہ عجلت تمام وہ مضمون مولانا حمزہ صاحب کے حوالہ کیا۔"

حضرت مولانا محمد حمزہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے معاصرین میں

مختلف پہلوؤں سے بہت ممتاز تھے، وہ خانوادہ حسنی سادات کے ایسے عالم ربانی تھے جنہیں اللہ جل شانہٗ نے بہت امتیازی خصوصیات سے نوازا تھا، دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تعلیم کی تکمیل کے بعد انہوں نے مظاہر علوم سہارنپور سے بھی علمی استفادہ کیا، وہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کے چہیتے اور منظور نظر تھے، مظاہر علوم سہارنپور میں ان کے رفقائے درس میں سے حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید محمد مرتضیٰ حسینی نقوی بستوی (ناظر کتب خانہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ) بھی تھے، ان تینوں کا باہمی تعلق واعتماد، اور مخلصانہ بے تکلفی قابل دید تھی، حضرت مولانا محمد ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے متواضع، منکسر المزاج، اور خدارسیدہ بزرگ تھے، نظم ونثر دونوں میں انہیں کمال حاصل تھا، ان کی تصانیف خصوصاً حیات خلیل، اور تذکرۂ مولانا محمد یوسف کاندھلوی ان کی تصنیفی مہارت تذکرہ نویسی میں ان کی دستگاہ اور زبان پر ان کی قدرت کی واضح دلیل ہے، ان کی نعتیں حب نبوی اور دردو تاثیر سے معمور ہیں، ترانہ ندوۃ العلماء ان کی ایک شاہکار نظم ہے، جو اردو زبان میں لکھے گئے ترانوں میں ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔

حضرت مولانا محمد ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حادثۂ وفات 1982ء میں پیش آیا، میری 1982ء کی ڈائری میں اس حادثے سے متعلق چند صفحات لکھے ہوئے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی اس مضمون میں شامل کرلیا جائے، ذیل میں ان صفحات کو نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا علی میاں دامت برکاتہم بھی مغرب سے 20 منٹ پہلے آج تشریف لے آئے، لیکن معالجوں کی رائے ہے کہ اس حال میں مولانا کی ان سے ملاقات مناسب نہیں ہے، مغرب کی تھوڑی دیر بعد حضرت مولانا ندوہ تشریف لائے اور رات کو یہیں آرام فرمایا۔

ساڑھے نو بجے سے تعلیم شروع ہوتی ہے، میرے ابتدائی دو گھنٹے خالی ہیں، تیسرا گھنٹہ جو گیارہ بجے شروع ہوتا ہے، اسے پڑھانے کے بعد چوتھا گھنٹہ پڑھانے گیا تھا کہ درسگاہ میں حضرت مولانا محمد ثانی صاحب کی وفات کی اندوہناک خبر ملی، دل بیٹھ گیا قلب بریاں اور چشم گریاں کے ساتھ درسگاہ سے نکلا دیکھا تو دارالعلوم ندوۃ العلماء کا پورا ماحول سوگوار ہے، ہر چھوٹے بڑے کے چہرے پر کرب و الم کی پرچھائیاں ہیں، ہر شخص بہ عجلت گوئن روڈ حضرت مولانا علی میاں دامت برکاتہم کے مکان پر پہنچنے کی کوشش کررہا ہے، میں اور مولانا شہباز صاحب ہم دونوں موتی محل پل سے رکشا کرکے وہاں پہنچے، مکان پر انسانوں کا پورا ہجوم تھا، ندوہ کے علاوہ شہر کے لوگ بھی بہ کثرت موجود تھے، مسجد اور سامنے کی سڑک بھی تعزیت کرنے والوں سے پُر تھی۔

پروگرام معلوم کرنے پر یہ مشکل معلوم ہوا کہ عصر کی نماز کے بعد نماز جنازہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں پڑھی جائے گی، اس کے بعد جنازہ رائے بریلی لے جایا جائے گا، اور وہاں شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندانی قبرستان میں تدفین عمل میں آئے گی۔

ندوۃ العلماء آکر نماز ظہر ادا کرنے کے بعد کھانا کھایا، تھوڑی دیر قیلولہ کیا ساڑھے تین بجے نیند کھل گئی، تو معلوم ہوا کہ مولوی غفران صاحب کرائے کی دو بسیں لائے ہیں، ایک اساتذہ واسٹاف کے لئے، دوسری طلبہ کے لئے، اور رائے بریلی آمد و رفت کا کرایہ 12 روپے ہے، اس میں نام لکھوایا، نماز عصر سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل جنازہ ندوہ لے آیا گیا، عصر کے بعد حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی، نماز جنازہ کے بعد جنازہ بس کے ذریعہ رائے بریلی کے لئے روانہ ہوا، کرائے والی بس پر بہت سے اساتذہ اور ملازمین سوار ہوئے، وہیں معلوم ہوا کہ بہت سے اساتذہ جنہوں نے اس بس میں نام لکھوایا تھا عین موقع پر ایک دوسری بس پر سوار ہوگئے جس کا انتظام ڈاکٹر اشتیاق صاحب نے اپنی جانب سے کیا تھا، یہ معلوم

کر کے انتہائی رنج وصدمہ ہوا، ہم لوگوں کی بس میں کل 35 آدمی تھے، تقریباً 8 بجے رات میں رائے بریلی پہنچ گئے، شہر میں بس چھوڑ کر پیدل تکیہ کے لئے روانہ ہوئے، ساڑھے 8 بجے تکیہ پہنچے، مسجد میں عشاء کی جماعت کا انتظار کرنے لگے، شہر سے تکیہ تک جنازہ پیدل سڑک کے راستے لایا گیا، اس لئے کافی تاخیر ہوئی، تقریباً دس بجے نماز عشاء ہوئی، اس کے بعد باقی لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی، اس کے بعد حضرت مولانا محمد ثانی صاحب مرحوم کو ان کے مخصوص آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھردے، اور جنت الفردوس میں بلند درجات سے نوازے، ندوۃ العلماء، فلاح المسلمین تیندوا، ضیاء العلوم میدان پور کے اساتذہ وطلبہ کے علاوہ رائے بریلی شہر اور قرب و جوار کے دیہات کا بہت بڑا مجمع بھی تدفین میں شریک تھا۔

حضرت مولانا محمد ثانی صاحب مرحوم بڑے متواضع، خلیق، ملنسار، شریف اور بزرگ انسان تھے، کبر وریا کا کوئی ادنیٰ جرثومہ بھی ان کے اندر محسوس نہ ہوتا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ مادرزاد ولی ہیں، دینداری اور تقویٰ میں ڈھلے ہوئے تھے، اردو زبان کے کامیاب انشاء پرداز اور تذکرہ نگار تھے، زبان انتہائی شیریں اور پاکیزہ، شبلوی اسلوب کی خوبیوں کے ساتھ ان کا اسلوب تحریر اس دور کے ادب وانشاء کی سادگی و پرکاری بھی لئے ہوئے تھا، شاعری کا بہت صاف ستھرا ذوق رکھتے تھے، میرے خیال میں ان کی شاعری نثر سے کچھ بلند پایہ ہی تھی، ان کی نعتیں عشق وشیفتگی میں اور حمد و دعا جذب وتاثیر میں ڈوبی ہوئی تھیں، ترانہ ندوہ ان کے ادب وشاعری کا شاہکار ہے، ترانے میں الفاظ کا برمحل انتخاب، الفاظ کا دروبست، اشعار کا ساز وآہنگ بے مثال ہے، سوانح یوسفی اور حیات خلیل ان کی بے نظیر کتابیں ہیں، میں ایک زمانے تک انہیں ان کے مضامین، تصانیف ہی کی وجہ سے جانتا تھا، تین چار سال سے حضرت مولانا علی میاں دامت برکاتہم کے پاس آمد و رفت شروع ہوئی، تو ان سے بھی ذاتی واقفیت پیدا ہوئی، میں نے انہیں بے انتہا شریف، متواضع، بے نفس انسان پایا۔

سن 2000ء میں حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ناظر عام مقرر کیا گیا، اس سے پہلے ان کا ندوے سے کوئی انتظامی تعلق نہیں تھا، اس سے پہلے ان کی دلچسپیاں مکتبۂ اسلام گوئن روڈ اور ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ میں زیادہ تھیں، اپنی نوجوانی اور جوانی کے زمانے میں مسلم مجلس سے ان کا گہرا تعلق تھا، ڈاکٹر فریدی مرحوم نے یوپی کی سیاست میں مسلمانوں کو ان کا باعزت مقام دلانے کے لئے جو مخلصانہ جدوجہد شروع کی تھی مولانا حمزہ حسنی صاحب بھی اس کا حصہ بنے اور سالہا سال تک اس میں شامل رہے، لیکن انہیں وادیٔ سیاست راس نہیں آئی اور رفتہ رفتہ عملاً اس سے کنارہ کش ہوگئے، لیکن اس جدوجہد کے دوران لکھنؤ اور یوپی میں انہیں کچھ ایسے احباب اور مخلصین دستیاب ہوئے جن سے ان کا ربط وتعلق تاحیات قائم رہا، ان میں متعدد لوگ اہم حیثیتوں کے حامل بنے اور مولانا حمزہ حسنی صاحب سے ان کا والہانہ تعلق عمر کے آخری مرحلے تک قائم رہا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ذمہ دارانہ وابستگی کے بعد ان کے جدوجہد اور صلاحیتوں کا محور و مرکز ندوۃ العلماء اور دارالعلوم ندوۃ العلماء بن گئے، ناظر ندوۃ العلماء اور نائب ناظم ندوۃ العلماء کی ذمہ داریاں انہوں نے تاحیات رضا کارانہ طور پرانجام دیں، روزانہ پابندی کے ساتھ وہ کم وبیش تین چار گھنٹے اپنے آفس میں گذارتے تھے اور ندوۃ العلماء کے مختلف شعبوں کی نگرانی بڑی خاموشی، سنجیدگی اور حکمت کے ساتھ کرتے تھے۔

دارالعلوم کے تعلیمی نظام کے علاوہ دوسرے تمام شعبے اور ندوہ کے تابع ادارے ان کی سربراہی میں استواری، اور استحکام کے ساتھ رو بہ ترقی تھے، ان کے دور نظامت میں مسجد ندوہ کی خوبصورت توسیع عمل میں آئی، صحن مسجد کو مسقف کردیا گیا

مسجد کے اوپر ایک اور منزل کی تعمیر ہوئی، رواق سلیمانی کی توسیع ہوئی جس سے طلبہ کے قیام کے لئے کافی وسعت پیدا ہوگئی، متعدد ہاسٹل ان کے دور میں تعمیر ہوئے اور کئی ہاسٹلوں کی توسیع عمل میں آئی، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے احاطے میں ان کی نگرانی اور توجہ سے تعمیر ہونے والی آخری عمارت رواق مولانا محمد علی مونگیری ہے جو ان کی زندگی میں مکمل ہو چکا تھا لیکن کورونا کی وباء کی وجہ سے طلبہ سے وہ آباد نہیں ہوسکا یہ سہ منزل وسیع وکشادہ عمارت ہے، جو حضرت مولانا حمزہ حسنی کے دور کی آخری تعمیر ہے انشاء اللہ تعالیٰ یہ سارے تعمیری کام جن میں حضرت مولانا حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کا بنیادی رول رہا ہے ان کے نامۂ اعمال میں گراں قدر اضافہ کریں گے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے احاطے کی تعمیرات کے علاوہ حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے دور نظارت میں معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء (سکروری، ہردوئی روڈ) معہد سیدنا ابی بکر صدیق میہت منو، لکھنؤ، مدرسہ مظہر الاسلام بلوچپورہ لکھنؤ میں بھی متعدد عمارتیں تعمیر ہوئیں جو ان کے تعمیری ذوق اور خاموش جہد وعمل کی گواہ ہیں۔

حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فتاویٰ کی تربیت واشاعت سے بہت دلچسپی تھی، انہی کی تحریک پر اور ان کے دور نظارت میں ترتیب فتاویٰ کا کام شروع ہوا، عزیز گرامی مولانا منور سلطان ندوی جنہوں نے "ندوۃ العلماء کے فقہی مزاج" کے موضوع پر کتاب لکھی ان کا تقرر اس کام کے لئے کیا گیا، وہ دلچسپی اور محنت کے ساتھ فتاویٰ کی ترتیب اور تحشیہ کا کام انجام دینے لگے، جب کام ایک مرحلہ تک پہنچ گیا تو حضرت مولانا حمزہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تیار شدہ جلدوں کی اشاعت کی فکر ہوئی، لیکن انہوں نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ کسی سینئر عالم وفقیہ کی مرتب کردہ فتاویٰ پر آخری نظر پڑ جائے، انہوں نے حسن ظن کی بنیاد پر اس کام کے لئے میرا نام طے فرمایا اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے مجھ سے فرمایا، مجھے بہت بوجھ محسوس ہوا اور میں نے ان سے عرض کیا کہ فتاویٰ کی بڑی تعداد حضرت مولانا محمد مفتی ظہور صاحب کے قلم سے ہیں اور وہی شعبہ افتاء کے ذمہ دار اعلیٰ بھی ہیں، مناسب یہ ہے کہ انہی کو یہ زحمت دی جائے، اور اس کام کے لئے انہیں آمادہ کیا جائے، چنانچہ میری تجویز پر یہ ذمہ داری حضرت مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کی گئی اور الحمد للہ مولانا منور سلطان ندوی کے ساتھ بیٹھ کر انہوں نے فتاویٰ ندوۃ العلماء کی تین جلدوں کی نظر ثانی فرائی، اور وہ جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہوکر مقبول ہوئیں، حضرت مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد اس ذمہ داری کے لئے پھر ان کی نگاہ مجھ پر پڑی، اب میرے پاس کوئی عذر نہیں تھا، میں نے ان کے حکم کی تعمیل میں یہ خدمت انجام دی، اور فتاویٰ ندوۃ العلماء جلد چہارم میری نظر ثانی کے بعد شائع ہوئی، انشاء اللہ فتاویٰ ندوۃ العلماء کا علمی و دینی کام بھی ان کے نامۂ اعمال میں شمار ہوگا اور اس عظیم خدمت پر وہ بھی اجر کے مستحق ہوں گے۔

حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری دو تین سال بڑی آزمائشوں میں گذرے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک سینئر استاد جن کی تعلیم وتربیت اور تمام ترقیات دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مرہون منت ہیں، اور ان کو آگے بڑھانے میں تکیہ رائے بریلی کے خانوادۂ حسنی سادات کے بزرگوں (بالخصوص مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور موجودہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم) کا بنیادی رول رہا ہے، انہوں نے اہلسنت کے مسلک سے ہٹ کر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے درسگاہوں میں طلباء کے سامنے شیعی عقائد وافکار کی دعوت شروع کردی، صحابہ کرامؓ کی اکثریت کو منافق اور مرتد قرار دینے لگے، اور بعض جلیل القدر صحابہ کا نام لے لے کر انہیں سب وشتم کرنے کو اپنا

مشغلہ بنالیا، اسی پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ سوشل میڈیا (فیس بک، یوٹیوب، واٹس اپ) پر ان موضوعات کے بارے میں اپنی تقریروں اور تحریروں کی اشاعت بڑے پیمانے پر شروع کردی، متعدد رسالے اور کتابیں بھی لکھیں، ان صاحب کی ان گمراہ کن سرگرمیوں کی وجہ سے بڑی بے چینی اور اضطراب پیدا ہوگیا، پہلے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا ماحول متاثر ہوا، اس کے بعد برصغیر ہندو پاک سے متجاوز ہوکر پوری دنیا میں سنی مسلمانوں میں اس بارے میں بے چینی پیدا ہوئی، اور ندوۃ العلماء کی طرف انگلیاں اٹھنے لگیں کہ ندوۃ العلماء کے ذمہ داران کیسے اس شخص کو برداشت کررہے ہیں اور اسے ندوۃ العلماء میں رکھے ہوئے ہیں، یہ دور ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں خصوصاً ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم اور نائب ناظم حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے بڑا پُر آشوب تھا، جن صاحب نے رفض وشیعیت کا جھنڈا بلند کیا تھا اور اس پر وہ حد درجہ مُصر بلکہ اس کے داعی بن گئے تھے، اگرچہ وہ حسینی سادات میں سے تھے، اوران کا خاندانی تعلق ضلع مظفرنگر سے تھا لیکن تکیہ ''رائے بریلی'' کے خانوادۂ حسنی سادات سے ان کے گھرانے کی بہت سی رشتہ داریاں تھیں، رشتے باہم گتھے ہوئے تھے، ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم نے انہیں سمجھانے اور راہ راست پر لانے کی انتھک کوشش کی اور اس میں اچھا خاصا وقت گزرا، لیکن ہدایت وضلالت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، انسان کے بس میں نہیں ہے، انہوں نے افہام وتفہیم کا اُلٹا اثر لیا اور ردّعمل کی نفسیات کا شکار ہوکر راہ راست پر آنے کے بجائے اپنے باطل افکار پر آخری حد تک مُصر ہوگئے بلکہ ان کی دعوت واشاعت کی کوششیں مزید بڑھادیں، اور حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب جو ان کے استاد اور خاندان کے بڑے اور بزرگ تھے، ان کی بے توقیری کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں جب اس فتنے نے زور پکڑلیا تو اس کے تعاقب کے سلسلے میں میں نے ایک رسالہ لکھا، جو اس فتنے کے سدِ باب کے لئے پہلی کوشش تھی، اسے اہل علم نے بہت پسند کیا، ندوۃ العلماء کے ذمہ داران حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ناظم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ناظر عام ندوۃ العلماء نے اس رسالہ کو بہت پسند فرمایا اس زمانے میں حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ سے میرا ربط وتعلق بڑھا، اس فتنے نے انہیں کس قدر بے چین کررکھا تھا اور اس کے سدباب کے لئے وہ کتنے فکرمند اور کوشاں تھے اس کا مشاہدہ ان گنہگار آنکھوں نے کیا، ان کی بے چینی دیکھی نہیں جاتی تھی، ان گمراہ کن افکار ونظریات کے داعی استاد ندوہ کا نشانہ خاص طور پر حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

اس موضوع پر اپنی ہر تقریر میں وہ صاحب حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی پر انتہائی جارحانہ تنقید کرتے تھے، اور ایسی زبان کا استعمال کرتے تھے جس کا تصور کسی مذہب اور شائستہ انسان سے نہیں کیا جاسکتا، اس کے باوجود بھی حضرت مولانا محمد حمزہ صاحب انتہائی صبر اور بردباری سے کام لیتے، اور اپنی نجی محفلوں میں بھی ان کے بارے میں کوئی ناشائستہ لفظ استعمال نہیں کرتے تھے، اور اپنے غصہ اور ناگواری کو گھونٹ گھونٹ کر پی جاتے تھے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ صورتحال ان کی سنگین بیماری کا سبب بنی جس سے وہ جانبر نہ ہوسکے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ناظم ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش یہی تھی کہ کسی طرح وہ صاحب اپنے گمراہ افکار سے توبہ کرلیں، یا کم از کم اس بات کا عہد کرلیں کہ وہ ان افکار باطلہ کا اظہار واشاعت نہیں کریں گے، تو ندوۃ العلماء کو ان کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے نجات مل جائے

گی، لیکن ان صاحب کا نشہ تو اترنے کا نام نہیں لے رہا تھا، بلکہ وقت گذرنے کے ساتھ تیز ہوا جا رہا تھا، اس لئے ندوہ کے ذمہ داران کو مجبوراً ان کے خلاف فیصلہ لینا پڑا، تا کہ ندوہ کے طلبہ ان افکار سے متاثر نہ ہوں، اور ندوۃ العلماء عالمی طور پر ہدف تنقید سے بچ سکے۔

اس فتنہ کی سرکوبی اور سدباب کے لئے حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششیں انشاء اللہ آخرت میں ان کی نجات اور ترقی درجات کا ذریعہ بنے گی۔

حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اہم علمی کام مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب کی ترتیب واشاعت ہے، انہوں نے پہلے حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے عربی مکاتیب کا مجموعہ شائع کیا، جسے عرب وعجم کے علمی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا، اس کے بعد حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے اردو مکاتیب کو یکجا کرنے کی کوشش کی، اور پوری دنیا میں پھیلے ہوئے حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے اہل تعلق سے روابط قائم کر کے مفکر اسلام کے مکتوبات کا بڑا ذخیرہ جمع کر لیا، اس کام میں کئی سال لگے، ان مکاتیب کو مرتب کیا، مکتوب علیہم کے حالات لکھے، اور جگہ جگہ ان مکاتیب کے بارے میں مختصر تشریح اور حواشی بھی تحریر کئے، ان مکاتیب کی پانچ جلدیں ان کی زندگی میں شائع ہو چکی تھیں، اور وہ اس کام میں پوری دلچسپی اور انہماک سے لگے ہوئے تھے، ان کا اندازہ تھا کہ غالباً آٹھ نو جلدوں میں یہ مکاتیب مکمل ہو پائیں گے، خدا کرے کہ بقیہ جلدوں کا کام بھی مکمل ہو، اور مکتوبات مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کا جو ذخیرہ دستیاب ہو چکا ہے اس کی اشاعت مکمل ہو سکے۔

چند جلدیں میری نظر سے گذری ہیں، میرا احساس یہ ہے کہ ان مکتوبات پر اگر کام کیا جائے تو حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات اور افکار و نظریات کے بہت سے نئے گوشے سامنے آئیں گے، اور ابوالحسن شناسی میں مکتوبات کا یہ اہم ذخیرہ بہت معاون ثابت ہوگا۔

چند صفحات کا مختصر مضمون لکھنے بیٹھا تھا، لیکن یادوں کا سلسلہ طویل ہو گیا، اور مضمون کچھ مفصل ہو گیا، اس لئے اب قلم کو روکتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے، اور ان کے فرزندگان کو اپنے اسلاف کی روشنی پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

☆☆☆

آج کل جو حالات چل رہے ہیں اس میں ہماری ملی اور دینی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ زندگی کے ہر میدان میں مسلمانوں کو دبایا جا رہا ہے ان کی مسجدوں، مدرسوں پر حملے ہو رہے ہیں اور کوشش کی جا رہی ہے کہ ان کی دینی، ثقافتی پہچان کو مٹا دیا جائے۔ اور ان کو اس لائق نہ رکھا جائے کہ وہ ایک باعزت قوم وملت کی حیثیت سے زندگی گزاریں اور معاشی طور پر ان کو ایسی پستی پر پہنچا دیا جائے کہ وہ کچھ سوچنے اور سمجھنے کے لائق نہ رہ جائیں۔ ان مشکل حالات میں ہم کو نہایت غور وفکر کر کے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے جذبات میں نہ آ کر جوش وغصہ سے بچنا چاہئے لیکن اسی کے ساتھ اپنے مدارس، مساجد اور دینی تعلیمی اور عصری درسگاہوں کی حفاظت میں مضبوطی کے ساتھ آہنی دیوار بن جانا چاہئے تا کہ سازش کرنے والوں اور دشمنوں کی سمجھ میں آ جائے کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے لیکن اس کے لئے قومی ملی اتحاد کی شدید ضرورت ہے ذاتی نفع نقصان سے بے پرواہ ہو کر اور اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کر کے ہی اس میدان عمل میں کامیابی مل سکتی ہے پست ہمتی، بزدلی اور ذاتی نفع ونقصان سے بے نیاز ہو جانا اس مسئلہ کا حل ہے۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ
شرافت اور بردباری کا اعلیٰ نمونہ

ہندوستان میں حسنی سادات کا ایک اہم خانوادہ ''خانوادہ علم اللّٰہی'' اتر پردیش کے شہر رائے بریلی کے قریب سئی ندی کے کنارے آباد ہے، یہاں سے کئی بزرگوں کا فیض دور دور تک جاری ہوا، اور اس چھوٹے سے گمنام گاؤں کو بزرگوں کے روحانی فیض کے مرکز ہونے کی نسبت سے ''تکیہ کلاں'' کہا جانے لگا، حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ اسی خاندان کے ایک دُرِ تابندہ تھے، حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ ایک یگانہ روزگار مصنف تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد ذکور اور اولاد اناث دونوں سے خدمت دین کے چشمے جاری فرمائے اور باوجود زہد وقناعت اور فقر و بے نیازی کے پوری دنیا میں من جانب اللہ ان کی خدمات کو شہرت وپذیرائی حاصل ہوئی، اسی خاندان کے ایک بڑے عالم جو زہد وتقویٰ کے اعلیٰ نمونہ تھے، اور جن کو احسان وسلوک سے خصوصی مناسبت تھی، یعنی: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ جن کی آغوش میں 10 دسمبر 1950ء کو حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنیؒ نے اپنی آنکھیں کھولیں، ان کی والدہ کا اسم گرامی سیدہ خدیجہ تھا، اور وہ اپنے زمانہ کے اکابر علماء ومشائخ کے محبوب حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کی صاحبزادی تھیں، ایسے نجیب الطرفین صاحب نسبت اور متدین ماں باپ کی آغوش میں ان کی پرورش ہوئی، اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ جیسی جامع صفات اور وسیع الاخلاق شخصیت کے زیر سایہ ان کی علمی، قلمی، فکری اور احسانی تربیت ہوئی۔

انھوں نے پوری تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء میں حاصل کی، یہیں سے فضیلت کی تکمیل کی اور 1969ء میں حدیث میں اختصاص کیا، مردوں کے لئے تو بہت سے جرائد ورسائل ہیں؛ لیکن خواتین کے لئے ایسی کوششیں دینی جہت سے کم کی گئی ہیں، حضرت مولانا سید ثانی حسنیؒ نے اس طرف توجہ کرتے ہوئے اس مقصد کے تحت ماہنامہ ''رضوان'' نکالنا شروع کیا، 1982 میں مولانا محمد ثانی صاحبؒ کی وفات ہوگئی، اور اس رسالہ کی ادارت کی ذمہ داری حضرت مولانا حمزہ حسنیؒ کے سر آئی، انھوں نے اسی معیار کے ساتھ اس رسالہ کو باقی رکھا؛ اگرچہ انتظامی کاموں کی وجہ انہیں تصنیف وتالیف کی طرف زیادہ توجہ کا موقع نہیں ملا؛ لیکن پھر بھی خواتین کی کردار سازی سے متعلق بعض اہم کتابیں ان کے قلم سے منظر عام پر آئیں، جیسے: سیرت امہات المومنینؓ اور تذکرہ صحابیاتؓ، حضرت سید احمد شہیدؒ پر یوں تو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' ایک لاجواب کتاب ہے؛ لیکن یہ بہت مفصل بھی ہے اور متنوع مضامین پر مشتمل ہے، شاید اسی پس منظر میں مولانا حمزہ صاحبؒ نے نسبتاً کم حجم کی کتاب ''تذکرہ حضرت سید احمد شہیدؒ'' تحریر فرمائی، جو سید صاحب کا مختصر مگر جامع تذکرہ ہے، ان کا سب سے اہم کام ''مکتوبات مفکر اسلامؒ'' (پانچ جلدیں) ہے، جو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے مختلف موضوعات پر لکھے گئے خطوط کا مجموعہ ہے، یہ علماء، طلبہ، دعوتی کام کرنے والوں اور ملت کے مختلف میدانوں میں

خدمت کرنے والوں کے لئے مشعل راہ کا درجہ رکھتا ہے، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وہ آسان اور عام فہم زبان میں لکھا کرتے تھے، جس کی موجودہ دور میں ضرورت ہے، جامعہ ام المومنین عائشہ للبنات، مدرسہ سید احمد شہید لتحفیظ القرآن، رائے بریلی، صفیہ بانو گرلس اسکول، رائے بریلی، اور ایوان فریدی (گیسٹ ہاؤس) رائے بریلی، کے نام سے مسافر خانہ بحیثیت ادارہ ان کی یادگاریں اور ان کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں، اپنی اصابت رائے اور بات پیش کرنے کے بہتر انداز کی وجہ سے ان کو سیاسی حلقوں میں بھی قبولیت حاصل تھی؛ چنانچہ وہ اترپردیش سنی سینٹرل وقف بورڈ کے رکن بھی رہے، اور اپنے اس عہدہ کو حسب موقع ملی مفادات کے لئے استعمال کیا۔

ندوہ سے ان کو عشق تھا، اور جس مزاج کے ساتھ اکابر ندوہ نے اس تحریک کو وجود بخشا تھا، وہ ان کی رگ و ریشہ میں رچا بسا ہوا تھا؛ چنانچہ ان کی صلاحیت ولیاقت کو دیکھتے ہوئے ندوہ کی مجلس انتظامی نے 1990ء میں ان کو رکن منتخب کیا، پھر 2000ء میں ناظر عام مقرر ہوئے، اور مارچ 2018ء میں نائب ناظم ندوۃ العلماء کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا، انھوں نے ندوۃ العلماء میں نائب ناظم کی حیثیت سے کم وقت میں بعض بڑی اہم خدمات انجام دی ہیں، علامہ شبلیؒ لائبریری سے متصل درسگاہ کی عمارت، رواق مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور رواق مولانا محمد علی مونگیریؒ ان ہی کے زیر انتظام تعمیر ہوئیں، آخر الذکر عمارت کی جگہ انھوں نے کچھ اس طور پر نکلوائی کہ خیال میں ہی نہ آتا تھا کہ اس جگہ بھی کوئی تعمیر ہوسکتی ہے، نئی تعمیر آسان ہوتی ہے؛ لیکن قدیم تعمیر کی نئی صورت گری مشکل ہوتی ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی قدیم مسجد کی انھوں نے جو تجدید کاری کی ہے، وہ اس کی مثال ہے، اور اضافہ شدہ حصہ قدیم مسجد کے ساتھ اس طرح مل گیا ہے کہ گویا پوری تعمیر ایک ساتھ ہوئی ہو، اہم بات یہ ہے کہ اس تعمیر میں سادگی بھی ہے، خوبصورتی بھی، روشنی اور ہوا کا لحاظ بھی، نمازگاہ کا حصہ بھی بہت بڑھ گیا ہے، انھوں نے تعمیری کاموں میں قدیم نقوش کو باقی رکھتے ہوئے تعمیر میں اضافہ اور توسیع کی کامیاب کوشش کی ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تعلیمی نظام پر بھی انہوں نے گہرائی کے ساتھ اور خاموش طریقہ پر دھیان دیا، ندوہ میں ہدایہ آخرین فضیلت میں پڑھائی جاتی تھی، عالیت تک صرف ہدایہ اولین تک تعلیم ہوتی تھی، مجھ کو خود المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں اس کا تجربہ ہوا کہ ندوہ سے آنے والے بعض فضلاء صلاحیت وصالیت میں فائق ہیں؛ لیکن "فقہ المعاملات" سے ان کی مناسبت بہت کم ہے، مولانا مرحوم کے عہد انتظام میں مجلس نظامت نے طے کیا کہ معاملات سے متعلق ابواب بھی عالیت میں پڑھا دیئے جائیں؛ کیوں کہ عام طور پر طلبہ عالمیت کے بعد تعلیم ترک کردیتے ہیں، اور ان ابواب سے متعلق مسائل سے مانوس نہیں ہوپاتے۔

جدید مسائل کے حل کے لئے سب سے پہلے ندوہ نے مجلس تحقیقات شرعیہ قائم کی تھی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اس کے محرک تھے، بعد کو اس ادارہ کی فعالیت ختم ہوگئی تھی، مولانا مرحوم نے اس اہم ادارہ کے احیاء کی کوشش فرمائی، اور حضرت مولانا عتیق احمد بستوی زید مجدہ کو اس کا سکریٹری مقرر کیا، اور اپنے حسن ظن سے راقم الحروف کو بھی بحیثیت رکن اس کی مجلس انتظامی میں شریک فرمایا۔

انھوں نے اپنی ذہانت، فہم رسا اور انتظامی لیاقت کو سادگی اور تواضع کی چادر میں کچھ اس طرح چھپا رکھا تھا کہ عام لوگ ان کو ایک معمولی آدمی سمجھتے تھے، راقم الحروف نے جب ان کو دیکھا تو شروع میں یہی تأثر رہا؛ البتہ مجلس نظامت کی میٹنگوں میں جب ان کو قریب سے دیکھنے اور سننے کا موقع ملا تو اندازہ ہوا کہ یہ تو گدڑی میں لعل ہیں، خاموش، کم گو، حسب

ضرورت بات کرنے والے، حلیم وبردبار؛ لیکن ان کے مشورے گہری بصیرت پر مبنی ہوتے، اوردور بینی کے ساتھ مسائل کا حل پیش فرماتے؛ اسی لئے اکثر ان ہی کے مشورے پر فیصلے ہوتے تھے، ان کی طبعی شرافت، خاندانی نجابت کے ساتھ ساتھ ان کی اس فراست ولیاقت کی وجہ سے بعد کو ان سے بڑا اُنس ہوگیا، وہ بھی میٹنگوں سے ہٹ کر بھی بعض امور پر مشورہ فرماتے، میں بھی کچھ بات سمجھ میں آتی تو بے تکلف عرض کر دیتا اور وہ اس کو دخل در معقولات تصور نہیں کرتے۔

ان کو احسان وسلوک کا ذوق اپنے بزرگوں سے حصہ میں آیا تھا، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے بیعت اصلاح کی نسبت تھی، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے جلیل القدر خلیفہ صوفی انعام اللہ لکھنویؒ اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے سلاسل اربعہ میں خلافت حاصل تھی، اور کیوں نہ ہوتی کہ تصوف کے میدان میں ترقی کے لئے جو اوصاف مطلوب ہیں، وہ ان کی فطرت میں ودیعت تھے۔

نظم سے وابستہ رہنے کے باوجود انسان کا اپنے دامن کو صاف ستھرا رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے؛ لیکن انھوں نے بہت ہی صاف ستھری زندگی گزاری، ندوہ کے بشمول کئی اداروں کی خدمت کی؛ لیکن کہیں سے ایک پیسہ کے بھی روادار نہیں ہوتے، اور فرماتے کہ میں یہ خدمت اپنے والدین کے لئے ایصال ثواب کی غرض سے کررہا ہوں، اُن کی سادگی اپنے آپ میں ایک مثال تھی، لباس وپوشاک، اٹھنا بیٹھنا لوگوں سے ملاقات ہر چیز تواضع اور سادگی کا مظہر تھی، وہ بڑے ہونے کے باوجود چھوٹے بن کر رہنے کو ترجیح دیتے تھے، اللہ تعالی نے ان کو اپنی خاندانی شرافت اور حلم وبردباری کا بہترین نمونہ بنایا تھا۔

ندوہ کے ایک سابق استاذ اور ان کے خاندانی عزیز نے جب ندوہ کے بزرگوں کے خلاف سب وشتم کا محاذ کھولا تو چوں کہ مولانا مرحوم ایک سپاہی کی طرح ندوہ کے اقدار وروایات، اس کے اصول وضوابط اور اس کے وقار واعتبار کی حفاظت پر مامور تھے؛ اس لئے وہ محبوب العلماء مخدوم گرامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی **متعنا اللہ بطول حیاتہ** کے بعد سب سے زیادہ نشانہ بنے، ان کے خلاف بہت ہی ناشائستہ باتیں کہی گئیں اور دھمکیاں بھی دی گئیں، مجلس نظامت کی میٹنگ میں یہ مسئلہ زیر غور آیا، سبھی حضرات اُن موصوف کی اس حرکت سے ناراض اور دل گرفتہ تھے، اور مولانا حمزہ صاحب کی مظلومیت پر کسی اختلاف کے بغیر سبھوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں؛ لیکن مولانا مرحوم نے اپنے آپ کو مہر بلب رکھا، وہ ندوہ کے لئے متفکر تو ضرور تھے؛ لیکن اپنی ذات کے سلسلہ میں کوئی حرف احتجاج ان کی زبان سے نہیں نکلا۔

مولانا مرحوم اخیر عمر میں پیٹ کی تکلیف میں گرفتار ہوئے، جس میں مبتلا شخص کی موت کو شہادت کا درجہ دیا گیا ہے (مسلم، حدیث نمبر: 1915) بہت دیر سے تشخیص ہوئی کہ کینسر کے موذی مرض نے ان کو پکڑ لیا ہے، بالآخر رمضان المبارک کے بابرکت مہینہ میں 24 رمضان المبارک مطابق 7 مئی 2021ء کو وہ اپنی آخری منزل کو روانہ ہوگئے، رمضان المبارک اور بالخصوص آخری عشرہ کی بابرکت رات نے ان کو اپنی آغوش میں لے کر ملک الموت کے حوالہ کیا، ان شاء اللہ یہ ان کے لئے فال نیک اور نجات اخروی کی روشن علامت ہے، ایک نماز جنازہ ندوہ کے احاطہ میں اور دوسری نماز جنازہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں ہوئی، اور یہیں اپنے بزرگوں کے قریب مدفون ہوئے، اللہ تعالی بال بال مغفرت فرمائے، درجات کو بلند کرے اور اُن کی خدمات عنداللہ قبول ہوں۔ آمین

مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی
آکسفورڈ یونیورسٹی، لندن

سلف کی یادگار، فراہدنہ شان کی حامل شخصیت

آج (بروز جمعہ 25 رمضان 1442ھ) دوپہر کے وقت مولانا سید حمزہ حسنی نائب ناظم ندوۃ العلماء کے انتقال کی خبر جانکاہ ملی، اس صدمہ نے نڈھال کردیا، اور مادر علمی کے متوسلین اور بہی خواہوں میں افسوس وغم کی لہر دوڑ گئی، کل معتمد مالیات ماسٹر اطہر صاحب رخصت ہوئے، اس سے پہلے استاد محترم مولانا نور عالم امینی کا انتقال ہوا، آج یہ اندوہ تازہ وحزن دلگیر، ہر روز ایک نہیں، کئی کئی حادثوں کی خبر ہمت شکن آتی ہے، لذتوں کو تہ وبالا کردیتی ہے، اور لمحۂ فانی کی دہشت دلوں پر مسلط کردیتی ہے، ایسا لگتا ہے کہ موت زیست کی ضد نہیں بلکہ زندگی کے عناصر اربعہ کا جزو لاینفک ہے:

ازل میں ہر انجام لکھا گیا
شب غم کی لیکن سحر رہ گئی

اس حادثۂ فاجعہ نے ان کے والد مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال کی یاد دلادی، ان کا انتقال 57 سال کی عمر میں ہوا تھا، اس وقت میں ندوہ میں فضیلت اوّل کا طالب علم تھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے بہت توقعات وابستہ تھیں، غیر معمولی تاثر کی حالت میں آپ نے اپنے بھانجہ پر ایک تفصیلی مضمون لکھا تھا جس کی ابتداء اس طرح کی تھی: ”راقم سطور کو اپنی زندگی میں جو چند عظیم مجاہدے اور امتحانات پیش آئے ہیں ان میں اپنے بعض جواں مرگ عزیزوں اور لخت ہائے جگر کے حادثۂ وفات اور ان کی زندگی پر آنکھوں کی راہ سے نہیں (کہ وہ تو ایک غیر اختیاری عمل ہے) قلم کے ذریعہ حروف ونقوش کی شکل میں خون کے آنسو بہانا اور ان کو صفحۂ قرطاس پر ثبت کرنا ہے۔“

اس تمہید میں جس کرب کا اظہار ہے اسی کرب سے استاد محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم کو بھی بار بار گزرنا پڑ رہا ہے، برادر معظم مولانا سید عبداللہ حسنی کا سانحہ پھر استاد محترم مولانا سید محمد واضح رشید ندوی کی وفات، اور اب یہ حادثہ، مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد مولانا محمد حمزہ حسنی مرحوم نے ان کے جانشین مخدوم مکرم دامت برکاتہم کا دست وبازو بن کر جس طرح ان کا تعاون کیا، اور نائب ناظم بننے کے بعد جس طرح ندوہ کی ہمہ جہت تعمیر وترقی میں حصہ لیا وہ یادگار رہے گا، لکھنؤ کے وجیہ اور باا‌ثر و رسوخ لوگوں سے ان کے اچھے تعلقات تھے، اور ان تعلقات کو انہوں نے اپنی انتظامی ذمہ داریوں کو نبھانے میں بحسن و خوبی استعمال کیا۔

مولانا حمزہ صاحب نے ندوہ سے فراغت حاصل کی، خواتین کے مجلّہ (رضوان) کی ارادت سنبھالی، مضامین لکھے، اور کچھ تصنیف وتالیف کے کام بھی کئے، انہوں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات مرتب کرکے چار جلدوں میں شائع کئے، پہلی جلد کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ”مکتوبات کے جمع وترتیب کا کام راقم سطور نے حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی زندگی ہی میں شروع کردیا تھا، اور الحمد للہ ایک اچھا خاصا قیمتی ذخیرہ محفوظ ہوگیا ہے، جو ان شاء اللہ مرتب ہوکر منظر عام پر آتا رہے گا، اس میں دعوتی، اصلاحی، ادبی مکتوبات بھی ہیں اور سیاسی بھی، جو ملت اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ کی راہ کا سنگ میل ہیں، اور علمی تحقیقی معاملات سے تعلق رکھنے والے بھی، اور وہ بھی جو انہوں نے اپنے خاندان سے وابستہ افراد کو تحریر کئے اور ان کو ہدایات دیں، اور اسی طرح

ان افراد کے نام بھی جو ان کے دام فیض سے منسلک رہے اور تربیت وسلوک، تزکیہ و احسان کا سلسلہ رکھا، ان میں ایسے ایسے موتی ہیں، جو بے مثال آب وتاب رکھتے ہیں۔"

ان مکتوبات پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم کا ایک وقیع مقدمہ ہے، جس میں فرماتے ہیں: "ان خطوط کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مرحوم فاضل بھانجہ مولانا محمد ثانی حسنی کے صاحبزادہ مولوی سید محمد حمزہ حسنی مدیر رسالہ "رضوان" نے جمع کیا ہے، اور انتخاب میں ان کی افادیت اور قابل اعتبار خصوصیات کا لحاظ رکھا ہے۔"

ندوہ کی طالب علمی کے زمانہ سے مولانا مرحوم سے بار بار آمنا سامنا ہوتا رہتا تھا، جب سے انہوں نے مادر علمی کی انتظامی ذمہ داری سنبھالی تو حاضری پر ملاقاتیں زیادہ ہونے لگیں، قربت کے مواقع میسر آتے رہے، دو ایک بار فون پر بھی بات ہوئی، چونکہ کم گو تھے اس لئے کبھی لمبی گفتگو نہیں ہوئی، ندوہ میں قیام کے دوران خاص توجہ فرماتے، ان کے انداز سے وہ خوشی ظاہر ہوتی جو خلوص اور پاکیزگی قلب کا نتیجہ ہے، ان کی مسکراہٹ بہت سے تسلی آمیز جملوں کا بدل ہوتی۔

سنہ 2013ء میں رائے بریلی میں اعتکاف کیا، اس وقت بھی ملاقات رہی، اس دوران ان کے صاحبزادے سید سعید حسنی کو کچھ پڑھایا بھی، بایں سبب سعید میاں سے انسیت بڑھ گئی، اور وقتاً فوقتاً فون پر رابطہ رہتا ہے، سعید میاں بھی خاندانی شرافت کا نمونہ ہیں، مجھ سے خاص محبت رکھتے ہیں، اور میرا دل بھی ان کی طرف مائل ہے، ایک بار رفیق محترم مولانا جعفر مسعود حسنی نے خاتون منزل میں میری پرتکلف دعوت کی، سعید میاں محبت کے ساتھ بہ اصرار ایک ایک چیز مجھے پیش کررہے تھے تو ان کے والد مرحوم نے انہیں اشاروں میں زیادہ اصرار کرنے پر معمولی تنبیہ کی، سختی اور درشت روئی کو ان کے اخلاق وکردار سے کوئی مناسبت نہیں تھی۔

انتقال کے وقت ان کی عمر 71 سال کی تھی، تقریباً دو مہینے سے بیمار تھے، کورونا کے پھیلنے کی وجہ سے ان کا علاج اچھی طرح نہ ہوسکا، ہمارے دوست جعفر مسعود شروع سے تیمارداری میں لگے ہوئے تھے، ان سے خیریت معلوم ہوتی رہتی تھی، ابھی کل فون پر بات ہوئی، تو ان کے لب ولہجہ سے اندازہ ہوا کہ بیماری نازک مرحلہ میں داخل ہوچکی ہے، مایوس تو نہیں تھے، لیکن فکرمند ضرور تھے، اور ان کے الفاظ ایک اندیشہ کے غماز تھے، ہائے وہ اندیشہ جو لفظوں سے ٹپک پڑے۔

مرحوم کی خاموش طبعی مجمع علیہ تھی، ان کو بات کرتے ہوئے کم دیکھا گیا ہے، اور اگر بات کرتے بھی تو بہت مختصر، وہ ان لوگوں کے بالکل برعکس تھے جو صرف باتیں کرتے رہتے ہیں، اور سخن درازی کو کام کا ہم معنی سمجھتے ہیں، جو باتیں کرتے نہیں تھکتے، ختم نہیں ہوتیں، کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے می کنم۔

خاموشی بذات خود خصال حمیدہ کا منبع ہے، اس کے ساتھ مرحوم دوسری اخلاقی خوبیوں سے بھی متصف تھے، وہ متواضع، عافیت جو اور صالح انسان تھے، متانت ان کا امتیاز تھی، وہ خاندانی شرافت کے امین تھے، صبر وتحمل ان کی سرشت میں تھا، ان پر کھلی زیادتی کی گئی اور انہیں تکلیف پہنچائی گئی، مرحوم نے اذیتوں کا جواب حلم سے دیا، حلیم الطبع اشخاص پسندوں سے بھی شرافت سے پیش آتے ہیں، جس کی وجہ سے کم ظرف لوگ غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں، دریغا کہ اس دنیا میں انسانیت اور انسانی قدروں کا فقدان ہے، شرافت اور اس کے تقاضوں کا قحط ہے، ان واقعات نے مرحوم کی عظمت دلوں میں ثبت کردی، اور یہ یقین راسخ ہوگیا کہ اصحاب عزیمت پہاڑوں سے زیادہ مستحکم ہوتے ہیں:

تمہاری نیکیاں زندہ، تمہاری خوبیاں باقی۔

میں جائے حادثہ سے ہزاروں میل دور ہوں، لیکن دیکھ رہا ہوں کہ لکھنؤ اور رائے بریلی کی فضا حزن آلود ہے، مرحوم

کے جاننے والے اور چاہنے والے سب یکساں مغموم ہیں، کیسی محبت وعزت دلوں میں چھوڑ گئے، جب اس نوع کے کسی فرد کو دیکھتا ہوں تو انسانیت کے زوال سے متاثر دل انسانیت کی عظمت وشرافت پر ایمان تازہ کرلیتا ہے۔

یہ حادثہ حسنی خاندان کے لئے بہت بڑا صدمہ ہے، ان کے صاحبزادہ سعید میاں کا حال ناقابل بیان ہوگا، جعفر بھائی اور خاندان کے دوسرے افراد یقیناً اداس ہیں، کتنا پاکیزہ ہے وہ غم جس میں آہ وفریاد نہیں! کتنا مبارک ہے وہ صبر جو بندوں کو مولی سے جوڑے اور اس کے فیصلہ پر راضی وشاکر کردے! اور اس غمگسار ماحول میں کتنا عظیم ہے کردار استاد محترم حضرت مولانا سید رابع دامت برکاتہم کا، رضا بالقضا کا نمونہ اور خوئے تسلیم کی قابل تقلید مثال۔

باصلاحیت افراد اٹھتے جارہے ہیں، وہ عظیم قدریں جن سے ندویت عبارت ہے معدوم ہوتی جارہی ہیں، رفق ونرمی، ہمدردی، خاکساری وشائستگی عنقا ہورہی ہے، ان صفات عالیہ کے حاملین اب انگلیوں پر بھی نہیں گنے جاسکتے، ان کی جگہ لینے والا کوئی نہیں، اداروں میں فعال اور بااخلاق افراد کی بہت کمی ہے، کہاں ہیں وہ فتیان صدق ومردان حر جو اس خلا کو پر کرسکیں؟ اللہ تعالی مادر علمی کو ہر طرح کے شرور سے محفوظ رکھے اور اس مرکز علم وفن کو حاسدین کی دراندازیوں سے بچائے، مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے اور جنت الفردوس میں انہیں جگہ دے۔

ندوہ کے نائب ناظم مولانا سید محمد حمزہ حسنی جن کا ابھی جمعہ کے دن انتقال ہوا ہے، زہد، کم گوئی، تواضع اور شہرت سے دوری میں سلف کی یادگار تھے، عام طور پر ان کے فضائل ومناقب ان کے معاصرین کے علم میں نہیں تھے، ہم ان سے ملتے ضرور تھے لیکن ہماری واقفیت ان سے سرسری تھی، ان کے خصال حمیدہ ومحاسن سنیہ ہم سے مخفی تھے، انتقال کے بعد ان کے گھر والوں اور اعزہ واقارب کے ذریعہ ان کی جو خوبیاں سننے میں آرہی ہیں وہ ہم سب کے لئے باعث حیرت ہیں، اور ان کی وجہ سے ان کی عظمت ہمارے دلوں میں کئی گنا بڑھ گئی ہے۔

کئی لوگوں سے سنا کہ جب مولانا حمزہ صاحب اپنے گھر والوں کو موت سے دہشت زدہ دیکھتے تو ان سے فرماتے کہ تم لوگ موت سے خوفزدہ ہو؟ مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا۔

اس مختصر جملہ میں ایمان وایقان، خدا سے تعلق، دنیا سے بے رغبتی کے جو معانی پنہاں ہیں ان کی گہرائی تک ہم جیسے دنیادار نہیں پہنچ سکتے، اس جملہ نے میرے دل میں مولانا حمزہ صاحب کی محبت پیوست کردی، آہ! عہد الست کا ایک پاسدار اٹھ گیا، وہ جسے ذوق تماشا تھا وہ فریادرخصت ہوا، انجمن سے وہ قیس بے زباں اٹھ گیا، محفل سے وہ دیوانہ وہ فرزانہ گیا، اس پر اللہ کی رحمتیں ہوں، اور اس کے لئے مقام خلد ارزاں ہو۔

کیا ہی مبارک ہیں وہ پاکیزہ نفوس جو اس دار فانی کی حقیقت سے واقف ہیں، جو اس کی رعنائیوں سے روکش ہیں، جو آستاں قیصر وکسریٰ سے بے پرواہ ہیں، جو تنگی صحرائے ارضی سے تنگ ہیں، جو محمل بے لیلیٰ کے دھوکہ میں نہیں آتے، جن کی نگاہیں آخرت کی نعمتوں پر ہیں، جو جنت سے کم کسی چیز پر راضی نہیں، جو فردوس بریں کی وسعتوں کی دانا ہیں، جن پر "اذا رأیت ثم رأیت نعیما و ملکا کبیرا" کا راز فاش ہے، جو اللہ تعالی کے جوار کے مشتاق ہیں۔

اے پروردگار! ہمیں وہ عقل دے جو دنیا کے بے پردہ دیکھ سکے، جو مال زائل و متاع فانی سے روگردانی کرے، جس پر تیری ملاقات کا شوق غالب ہو، اور جو تیرے دربار کی حاضری کی تیاری میں لگ جائے، اور زندگی کا ہر لمحہ تیری اطاعت میں بسر کرے، اے ہمارے مالک! ہمیں نیک بنا، وہ درد وسوز وغم عطا کر جو ہمیں مادی لذتوں سے بے نیاز کردے، اور طاعت و بندگی کی زندہ و پائندہ لذتوں سے آشنا کردے۔ آمین

○○○

مرد مومن و مرد حق شخصیت

مولانا عبدالعلیم فاروقی
مہتمم دارالمبلغین، لکھنؤ۔ نائب صدر جمعیت علماء ہند

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں جمعہ کے دن حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مہینہ کی علالت کے بعد وصال فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مولانا حمزہ صاحب خاندان حسنی کے ایک نمایاں فرد بلکہ اپنے آپ میں ایک انجمن تھے، انھوں نے اپنی زندگی دینی کاموں کے لئے وقف کردی تھی، وہ اپنے حلقہ احباب میں زاہدانہ طرز کے لئے معروف تھے، اپنے والد ماجد عارف باللہ حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مدارس ومکاتب کے قیام میں مشغول ہوئے اور آخری وقت تک اسی میں لگے رہے، بچوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ انھوں نے بچیوں کی تعلیم گاہوں اور تربیت کے لئے نمایاں خدمات انجام دیں اور ان کی اصلاح کے لئے بہترین نظم فرمایا، خواتین کے اندر دینی مزاج پیدا کرنے کے لئے تاحیات ماہنامہ ''رضوان'' کی (جو ان کے والد ماجد کا جاری کردہ خواتین کے لئے معروف ماہنامہ ہے) ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے، بعض اہم موضوعات پر خصوصی نمبر بھی شائع فرمائے، جو بے انتہا مقبول اور مفید ثابت ہوئے۔

یوں تو بچپن ہی سے مجھے خاندان حسنی سے غیر معمولی تعلق وعقیدت رہی، اور وہاں کے بزرگوں کی زیارت وملاقات سے شرف یاب ہوتا رہا تھا، جد امجد امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان حضرات کے ساتھ خصوصیت سے پیش آتے تھے، خاص طور پر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں قربتوں میں مزید اضافہ اور تعلقات میں مضبوطی پیدا ہوئی، ۱۹۶۶-۶۷-۶۸ء میں جب میں مظاہر العلوم سہارنپور میں زیر تعلیم تھا، تو اس وقت حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی علیہ الرحمہ کے پاس حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کی مسلسل آمد رہتی، اسعد الامت حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ (ناظم اعلیٰ مظاہر علوم سہارنپور) کو روزانہ بعد نماز عصر شیخ کی مجلس میں لے جانا میرے ذمہ تھا، لہٰذا وہاں حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ سے بار بار ملاقات ہوئی، اور ان کی پرکشش شخصیت سامنے آئی، وہ ایک عالم ربانی، دین کے بہترین داعی، محبوب اکابر اور بہترین مؤلف ومصنف تھے، حضرت مولانا علی میاںؒ نے خود مجھ سے کئی مرتبہ ان کے بارے میں اپنے محبت آمیز جذبات کا اظہار بہت بلند کلمات میں فرمایا، حضرت شیخ کو ان پر حد درجہ اعتماد تھا، اور جس طرح کی محبت وشفقت کا معاملہ ان کے ساتھ فرماتے وہ بالکل منفرد تھا، مولانا محمد ثانی صاحبؒ نے ارادت کا تعلق حضرت شیخ سے ہی قائم کیا اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔

مولانا سید حمزہ حسنیؒ میں ان کے والد ماجد کی تربیت کے اثرات نمایاں تھے، وہ بھی حضرت شیخ سے بیعت تھے اور حضرت مولانا علی میاںؒ کے زیر نگرانی سلوک واحسان کی تکمیل فرمائی تھی، مولانا مرحوم حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "**شاب نشأ في عبادة الله عزوجل**" کے مصداق تھے، ہر ایک کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا ان کی عادت تھی، خود نمائی کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے، بلکہ خلوص وللّٰہیت کے پیکر مجسم تھے، ۲۰ر سال کے لمبے عرصہ تک خالصۃً لوجہ اللہ ندوۃ العلماء میں خدمت انجام دی، اور ان کے دور میں جو کام انجام پائے ان کی ایک لمبی فہرست، اللہ تعالیٰ نے ان کے وقت میں خوب برکت عطا فرمائی تھی، ایک طرف ندوہ کے مسائل تھے دوسری جانب ''مکتبہ اسلام''

اور ''مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی'' کے کاموں کی انجام دہی، لیکن ان کا حسن انتظام تھا کہ کہیں کوئی کمی ان کی جانب سے دیکھنے میں نہیں آئی۔

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم العالیہ مولانا حمزہ مرحوم کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے، مشوروں میں ان کو شریک رکھتے بلکہ ان کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بالغ نظری کی دولت نصیب فرمائی تھی، اپنے موقف پر پختگی کے ساتھ قائم رہتے تھے، ماضی قریب میں جو ناگفتہ بہ صورت حال پیدا ہوئی اور حضرات صحابہ کرامؓ کے سلسلہ میں جو فاسد نظریات سامنے آئے اس پر ان کو حد درجہ فکر دامنگیر تھی، مجھ سے متعدد مرتبہ اپنے احساس وقلق کا اظہار کیا، ایک مرد مومن کی جو شان بیان کی جاتی اللہ تعالیٰ نے ان میں بدرجہ اتم ودیعت فرمائی تھی، افسوس کہ اب وہ ہماری اس دنیا میں نہیں ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ اخلاف ان کی زندگی کو دینی کاموں میں مشعل راہ بنائیں۔

اللہ پاک مرشد الامت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے سایہ عاطفت کو خیر وعافیت کے ساتھ سلامت رکھے اور ان کے خصوصی برکات عام فرمائے، دار العلوم ندوۃ العلماء کو اچھے افراد نصیب فرمائے اور تمام مدارس اسلامیہ کی بہتر طور حفاظت فرمائے۔ ○○

اسلام جو انسانی حقوق کا علمبردار ہے اور ظلم وستم کا سخت مخالف ہے اور وہ دنیا میں ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جو محبت، ہمدردی، غمگساری پر مشتمل ہو جس میں ہر شخص اطمینان، سکون اور عافیت کے ساتھ زندگی گزارے اور ایک دوسرے کا خیال رکھے، ضرورت پڑنے پر مدد کرے اور ایک دوسرے کی تکلیف کو محسوس کرے۔ لیکن تماشا یہ ہے کہ آج وہ لوگ اسلام پر انسانی حقوق کا مخالف ہونے کا الزام لگا رہے ہیں جس کا معاشرہ ظلم وستم لوٹ کھسوٹ، حق تلفی اور ہر قسم کی غیر انسانی حرکتوں پر ہی مشتمل ہے ان کے نزدیک حقوق انسانی کا مطلب ہے ہر قسم کی آزادی، ڈاکہ زنی، چوری، کم تولنا، دھوکہ سے ہر قسم کا فائدہ اٹھانا، قتل وغارت گری، عورتوں کی آبروریزی، تعلیم وثقافت کے نام پر ہر قسم کی بے راہ روی، جائز اور ناجائز کی تفریق ختم کردینا، جو جی چاہے وہ کرنا، خلاف فطرت اعمال میں مبتلا ہونا۔

آج مغربی ممالک اور جو ملک مغربی تہذیب وثقافت پر عمل کر رہے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ آبرو، مال ودولت کی حفاظت کرنا ممکن ہی نہیں جرم کرنا غلط نہیں سمجھا جاتا جرم کرنے پر سزا دینا انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے قاتل کو سزا دینا بے رحمی ہے عام انسان قتل کردیا جائے تو کوئی فکر کی بات نہیں، کسی عورت کو بے آبرو کرنا عین تہذیب وثقافت سمجھی جاتی ہے اور آبرو کے دشمن کو سزا دینا دقیانوسی بات ہے، غریبوں کا خون چوس کر دولت جمع کرنا ہنر کی بات سمجھی جاتی ہے۔ عورتیں اگر باعصمت رہیں پردہ میں رہیں اپنے گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کریں، اپنے جسم کو غیر مردوں اور عصمت وحیا کے لٹیروں سے محفوظ رکھیں تو یہ جہالت کی باتیں ہیں اور اسلام کا ظلم ہے جو وہ عورتوں پر ڈھا رہا ہے آج امریکہ پوری طاقت سے اسلام اور اسلامی تہذیب اور معاشرت کے خلاف مہم چلا رہا ہے۔ افغانستان اور دوسرے اسلامی ملکوں میں جہاں اسلام کی ہدایات پر عمل ہو رہا ہے امریکی پریس اور حکومت وپارلیمنٹ کے ممبران کھلی گالیاں بک رہے ہیں ان کے دلوں کے اندر اسلام اور اسلامی شریعت سے جو دشمنی بھری ہوئی ہے یہ اس کا اظہار ہے اور دوسری وجہ یہ ہے مغربی ممالک اور خاص کر امریکہ سے حیا وعصمت کا جنازہ نکل چکا ہے یہ ممالک آبرو باختہ ماؤں اور غیر شادی شدہ ماؤں سے بھر گئے ہیں اور ان کی پوری نسل ایسی ہوگئی ہے، جس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ناک کٹی لومڑی کی طرح یہ چاہتے ہیں جیسے ان کی ناک کٹ گئی ہے سب کی ناک کٹ جائے اور مسلمانوں کا حیا، عصمت وعفت اور پاکبازی والا معاشرہ بھی گندگی، غلاظت، بے شرمی، بے حیائی میں آلودہ ہوکر اپنی اسلامی حمیت اور خدا شناسی سے محروم ہوجائے اور اسلام کا دامن چھوڑ کر شیطان لعین کے پنجہ میں گرفتار ہوجائے۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

مولانا عبد العلی فاروقی
مدیر ''البدر'' ومہتمم دار العلوم فاروقیہ کاکوری

مرا دوست مجھ سے بچھڑ گیا......!

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی بھی ہماری اس فانی دنیا کو چھوڑ کر راہی ملک بقا ہوئے، جانا سب ہی کو ہے، بچنے والا کوئی نہیں، سوائے اس خالق و مالک کے جس نے اس دنیا اور اس دنیا کے پار، سب ہی کو پیدا کیا: "**کل من علیها فانٍ ویبقیٰ وجه ربك ذوالجلال والاکرام**"۔

اپنے جانے والوں پر زبان وقلم سے رنج وافسوس کا اظہار کرنا، کوئی نئی نرالی بات نہیں ہے، اور اگر کسی کے پاس اپنی 'بھڑاس' نکالنے کا کوئی ذریعہ ہے، اور صدمہ بھی گہرا ہے تو وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتا ہے، میرا بھی ایک ماہنامہ رسالہ 'البدر' ہے، اس کے ذریعہ میں بھی مولانا حمزہ مرحوم کے سلسلہ میں ٹوٹے پھوٹے انداز میں جیسا کچھ بن سکا 'اپنے تاثرات کا اظہار کر چکا ہوں، اور یوں کہنا مناسب ہوگا کہ اپنے بس میں جو تھا' کر چکا ہوں، آنے جانے کے نظام کو روک پانا، یا اس میں کسی قسم کی مداخلت وخلل اندازی کر پانا، نہ کسی کے بس میں ہے، نہ ہی کسی کی چاہتیں یا ناگواریاں اس نظام میں کوئی تبدیلی لا سکتی ہیں، قادر ومقتدر خالق کے فیصلوں پر سر تسلیم خم کر دینا ہی دانشمندی بھی ہے، اور اسی میں عافیت بھی ہے۔

ماہ مبارک رمضان ۱۴۴۲ھ اور اس کے آس پاس مہینے ڈیڑھ مہینے کی قلیل مدت کے اندر مشیت خداوندی سے ایسے دل سے قریب کئی عزیزوں، اور دوستوں کی دنیاوی رفاقت سے محروم ہونا پڑا کہ زبان وقلم چھلک پڑے، 'البدر' کے دامن میں سب کو سمیٹنے کی گنجائش نہ پا کر علیحدہ کتابی صورت میں اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے، جو روبہ عمل ہے۔

مولانا حمزہ حسنی مرحوم سے وہ رشتہ رہا جسے دوستی سے تعبیر کر سکا ہوں۔ ہماری عمریں بھی برابر سرابر ہی تھیں، کئی چیزوں میں ذوقی ہم آہنگی بھی رہی۔ ان کی تمام تر متانت وسنجیدگی کے باوجود اپنی مسخری باتوں کے ذریعہ کئی مرتبہ انہیں کھل کر ہنسنے پر مجبور کیا۔ ایسا بھی موقع آیا کہ ان کے ساتھ مل بیٹھ کر کسی اہم مسئلہ پر سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کیا۔ وہ میرے گھر بھی آئے اور میں بھی ان کے گھر اور دفتر گیا۔ کئی پہلوؤں سے ان میں کچھ امتیاز پایا، اس لیے ان سے خصوصی مناسبت رہی۔ جو تصنع سے پاک اور بے تکلف ہونے کی وجہ سے پرکشش بھی بنی رہی۔ ان سے مل کر جتنی خوشی ہوتی تھی، اس سے بڑھ کر اس سرائے فانی میں ان سے کبھی نہ مل سکنے کے تصور سے رنج وملال ہوتا ہے، مگر اب اپنی زندگی کی آخری سانس تک ہونا تو یہی ہے، یعنی:

تم سے ملنا خوشی کی بات سہی
تم سے مل کر اداس رہتا ہوں

مولانا مرحوم کے بھانجے اور میرے لائق احترام عزیز وقریب مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی نے مجھ سے فرمائش کی کہ ''رضوان'' کے لیے مولانا حمزہ مرحوم کے تعلق سے میں پھر کچھ لکھوں؟ عام طور پر یہ کام مشکل ہوتا ہے کہ کسی ایک شخص کے بارے میں اپنے دلی جذبات وتاثرات کے اظہار کے بعد پھر دوبارہ اسے ہی موضوع بنا کر کچھ اس طرح لکھا جائے کہ اس میں 'کچھ نیا پن' بھی ہو؟ لیکن ایک تو عزیز قریب مولانا محمود حسنی کی محبت آمیز وپُر اعتماد فرمائش، اور اس پر مستزاد میرا یہ گمان غالب (یا خوش فہمی) کہ میری اس ٹوٹی پھوٹی تحریر سے مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کو بھی خوشی ہوگی، اور ان کی زبان سے اگر میرے حق میں کچھ دعائیہ کلمات نکل گئے تو ان شاء

اللہ میرے لیے سعادت دارین کا وسیلہ بنیں گے، میرا یہ گمان صرف اس بنیاد پر کہ مولانا حمزہ حسنی مرحوم کا سانحۂ وفات حضرت مولانا مدظلہ کے لیے ''کمر ٹوٹ جانے'' والے محاورہ کا صحیح مصداق ہے۔ مولانا حمزہ مرحوم نہ صرف حضرت مولانا مدظلہ کے بھتیجے اور داماد تھے، بلکہ صحیح معنی میں ان کے دست و بازو تھے۔ غیروں کی بدنگاہی اور ''اپنوں کی طعنہ زنی'' کے باوجود مولانا حمزہ مرحوم نے اپنے عم بزرگوار اور اپنے سرپرست و مربی کے اعتماد کی جس خوش اسلوبی و یک سوئی کے ساتھ بلاخوف لومۃ لائم حفاظت کی، وہ بجائے خود ان کی کتاب زندگی کا ایک روشن عنوان بھی ہے اور ان شاء اللہ ان کے لیے ذخیرۂ آخرت بھی ثابت ہوگا۔

مولانا حمزہ مرحوم سے میرے بے تکلفانہ مراسم کا آغاز ان کے والد ماجد اور میرے محترم و مشفق بزرگ حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی مرحوم کے طفیل میں ہوا۔ بچپن کی کچھ ''غیر شعوری عادتیں'' شعور کی منزل پر پہنچ کر بہت قیمتی اور کارآمد نظر آتی ہیں؟ میرے گھرانے کے علمی و دینی ماحول اور اس سے بڑھ کر فضل خداوندی نے مجھے بغیر کسی اضافی تگ و دو کے ایسی ایسی قیمتی و یگانۂ روزگار شخصیات کی زیارت اور ان سے ہم کلامی و ہم نشینی کے مواقع فراہم کردیے کہ میرے جیسا آوارہ گرد انسان خود اپنے انتخاب سے ان کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، ایسی ہی یگانۂ روزگار، باوضع، پابند شریعت اور خاموش فیض رساں شخصیات میں میرے لیے ایک نام حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھانجے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز و معتمد حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ سے **"بعد المشرقین"** کے باوجود ان کی شفقتوں و کرم فرمائیوں کے طفیل ایک ایسی مناسبت رہی کہ لاپرواہی و لاابالی پن کی عمر میں بھی میں اپنے گھر یا تا نالہ سے ان کے مکتبہ اور ان کے رسالہ ''رضوان'' کے دفتر میں ملاقات کرکے ان کی قیمتی نصائح اور دعائیں حاصل کرنے کے لیے جاتا تھا، اور مجھے اس سے غیر شعوری طور پر ایک ناقابل بیان قسم کا اطمینان و سکون ملتا تھا۔

مولانا سید محمد ثانی حسنی مرحوم کے اکلوتے فرزند مولانا حمزہ حسنی مرحوم اپنے والد ماجد کے ایک فرزند صالح ہونے کی حیثیت سے ان کے معاون، اور مکتبہ میں ہمہ وقت ان کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے۔ باپ بیٹے دونوں میں سے کسی کا ندوہ سے ضابطہ کا کوئی رشتہ نہ تھا۔ والد تصنیف و تالیف یا پھر ذکر و اذکار میں مشغول رہتے اور بیٹے تجارتی مکتبہ، اور اس کی طرف سے شائع ہونے والی کتابوں، نیز رسالہ ''رضوان'' کی کتابت و طباعت وغیرہ کی ذمہ داریاں بہ خوبی اٹھاتے۔ اسی سلسلہ میں ان کا میرے پھوپھا مولانا محمد رفیق القاسمی کے ''لونا پریس'' برابر آنا جانا لگا رہتا، اور وہیں ان سے کھل کر و بے تکلفانہ ملاقاتیں ہوتی رہتیں، جنھوں نے دھیرے دھیرے دوستی کی سی شکل اختیار کرلی۔ بسا اوقات یہ ملاقاتیں کافی طویل بھی ہوجاتیں اور ان میں ہمارے درمیان مختلف امور پر تبادلۂ خیال بھی ہوتا رہتا۔ ایسی ہی ایک ملاقات میں مولانا حمزہ مرحوم نے رائے بریلی کے محرم، اور ''اپنے کہے جانے والوں'' کی اعلانیہ ستم ظریفیوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ جواب میں میں نے انھیں ''طعنہ'' دیتے ہوئے کہا آپ لوگ تکیہ (مولانا کے خانوادہ کی وطنی رہائش گاہ) کی نسبتوں کی حفاظت سے غافل رہیں گے تو اسی طرح چھاتی پر مونگ دلی جائے گی، مولانا نے فوراً سوال کیا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ میں نے کہا آپ بھی اسی طرح ''اعلان حق'' کے لیے جلسے قائم کیجیے۔ لوہا لوہے سے ہی کٹے گا۔ مولانا نے پرجوش انداز میں مجھ سے پوچھا کہ آپ ساتھ دیں گے؟۔ میں نے برجستہ کہا کہ: ''ہم لوگوں کی تو ڈیوٹی ہی صنم کدوں میں اذانیں دینے کی لگائی گئی ہے'' اپنی ڈیوٹی کیوں نہیں انجام دیں گے؟ ہماری

اس گفتگو میں ہم دونوں کے بڑے ہونے کے ناطے پھوپھا صاحب بھی برابر شریک رہے۔ اور آخر میں انہوں نے صاف طور پر مولانا حمزہ سے کہہ دیا کہ محرم میں آپ لوگ بھی رائے بریلی میں جلسے کیجیے، مولوی عبدالعلی کو لے کر میں خود ان شاء اللہ آؤں گا۔

مولانا حمزہؒ نے بہت پر عزم انداز میں مجھ سے کہا کہ اس سلسلہ میں جلد ہی میں آپ کے گھر آ کر تفصیلی ملاقات کروں گا اور پھر وہ ایک دن رائے بریلی کے مولانا امتیاز ندوی مرحوم کو لے کر میرے گھر آ گئے۔ اور یہ کہا کہ ان کا مستقل قیام رائے بریلی ہی میں رہتا ہے۔ بہت فعال اور منتظم آدمی ہیں۔ آپ حضرات اور آپ کے مشن سے بہت مناسبت بھی رکھتے ہیں۔ جلسوں کے قیام اور اس کی تشہیر وغیرہ کے اصل ذمہ دار تو یہ ہوں گے۔ ان کو بھرپور تعاون ہم لوگ بھی دیں گے۔ مولانا امتیاز مرحوم سے کچھ ابتدائی گفتگو کے بعد میں نے تجویز پیش کی کہ چلئے پھوپھا صاحب کے سامنے ہی پوری بات طے کی جائے، اور ان کے مشورہ و رہنمائی سے آگے کا پروگرام طے کیا جائے۔ میری اس تجویز سے ان دونوں حضرات نے اتفاق کیا۔ اور پھر ہم تینوں پھوپھا صاحب کے گھر پہنچ گئے۔

وہاں طے پایا کہ ابتدائی طور پر تین روزہ جلسے کیے جائیں۔ ایک دن میرا بیان ہو، اور باقی دو دنوں میں مشورہ سے مناسب مقررین کے بیان کرائے جائیں۔ رائے بریلی شہر اور مضافات کے مسلمانوں تک اپنا پیغام پہنچا کر انہیں جلسوں میں شریک کرنے کی ذمہ داری پرجوش و پرہوش داعی مولانا امتیاز ندوی مرحوم نے لی۔ جسے انہوں نے فکری و عملی اور لٹریری ہر حیثیت سے اس طرح بہ خوبی انجام دیا کہ ان کی اور ان کے برادر خورد مولانا افتخار احمد ندوی کی کاوشوں سے چند ہی برسوں میں یہ جلسے دس روزہ ہو گئے۔ اور اس میں متعدد شہروں سے علمائے کرام آ کر بیانات کرنے لگے۔ اور ان کے پر مغز اصلاحی بیانات سے شہر رائے بریلی اور اس سے بڑھ کر مضافات کے مسلمانوں کے عقیدہ و عمل کی درستگی اور حق بات کو سمجھ کر اسے قبول کرنے کا کام وسیع پیمانے پر انجام پایا۔

میرے پھوپھا صاحب اپنی معذوریوں و کمزوریوں کے باوجود اپنے وعدہ کو نباہتے ہوئے ہر برس مجھے لے کر رائے بریلی جاتے۔ اور کسی ایک تاریخ میں (جو میری ہی طرف سے مقرر کی جاتی، اور وہ عموماً ۸ر یا ۹ر محرم ہوتی) میرا بھی بیان ہوتا۔

کئی برسوں تک مولانا حمزہ حسنی مرحوم بھی پابندی کے ساتھ ان جلسوں میں شرکت اور ان کی نگرانی و سرپرستی کے لیے لکھنؤ سے رائے بریلی جاتے رہے اور بسا اوقات وہاں ان کا قیام اور جلسوں میں شرکت کئی کئی دن ہوتی رہی۔ پھر اپنی اضافی ذمہ داریوں کی مشغولیت کی وجہ سے شرکت کی پابندی تو ختم ہو گئی تھی لیکن وہ ان جلسوں، اور کارگذاریوں سے پوری دلچسپی کے ساتھ باخبر رہتے۔

ابتدائی طور پر یہ جلسے قلب شہر میں سدھونا ضلع رائے بریلی کے ایک صاحب نسبت اور مرنجان مرنج رئیس انور خاں مرحوم کے احاطہ موسوم بہ "انو خاں کا احاطہ" میں منعقد ہوتے رہے۔ پھر جگہ کی تنگی اور شہری بھیڑ بھاڑ، نیز آخر کی تاریخوں میں "تعزیوں کے جلوسوں" کی گذرگاہوں میں رکاوٹوں کی وجہ سے ان جلسوں کو ریلوے لائن سے متصل عیدگاہ کے وسیع میدان میں منتقل کر دیا گیا۔ جن کا سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ "کرونا دور کی دو سالہ جبری پابندیوں" سے پہلے تک جاری رہا۔ اور ان شاء اللہ حالات سازگار ہوتے ہی ان جلسوں کے سرپرست مولانا افتخار احمد ندوی یہ "سلسلۂ فیض" پھر جاری کریں گے۔

ان بافیض جلسوں کے دونوں اصل بانی مولانا امتیاز احمد ندویؒ اور مولانا حمزہ حسنیؒ آگے پیچھے ہماری اس فانی دنیا کو چھوڑ گئے۔ مگر ان کے اخلاص و فکرمندی کے نقوش ان شاء اللہ قائم رہ کر ان کے لیے صدقہ جاریہ کی صورت میں باقی رہیں گے۔

مولانا امتیاز مرحوم تخلص کے پرانے

مریض تھے، کئی مرتبہ تو ایسا بھی ہوا کہ ان کی حالت اتنی دگرگوں ہوگئی کہ بچنے کی امیدیں بھی ختم ہونے لگیں مگر حق تعالیٰ نے ان کو شفا دی اور اپنی خداداد ہمت کے سہارے سرگرم عمل رہے۔ غالباً تین برس پہلے وہ سفر حج پر گئے۔ جہاں سے واپسی پر ان کے مرض نے ایسی شدت اختیار کی کہ بالآخر انہوں نے اپنی جان، جاں آفریں کے سپرد کردی، **انا لله و انا اليه راجعون.** اسے اتفاق کہئے یا دل شکستگی کا نتیجہ کہ مولانا کی وفات کے بعد جو ایک سال جلسہ ہوا بھی، اس میں ان کے فرزند کے اصرار کے باوجود میری شرکت نہیں ہوسکی تھی، اور اب تو مولانا حمزہ حسنیؒ نے دنیا سے رخصت ہوکر مجھے اکیلا ہی چھوڑ دیا ہے؟ قدم میرے بھی اسی سفر کی طرف رواں دواں ہیں، بس طلبی کی دیر ہے، اللہ تعالیٰ انجام بخیر کرے، آمین۔

مولانا حمزہ مرحوم کے تعلق سے اس جلسہ کا کچھ تفصیلی ذکر اپنا بھی رشتہ ہونے کی وجہ سے کیا۔ ورنہ مرحوم کی علمی و انتظامی صلاحیتوں کا دائرۂ خدمت بہت وسیع ہے۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد انہوں نے ''رضوان'' کی ادارت کی ذمہ داری سنبھال کر تادم آخر اس رسالہ کو جاری رکھا۔ سنی وقف بورڈ کے ایک اہم (بلکہ سب سے اہم کہنا مبالغہ نہ ہوگا) ممبر کی حیثیت سے بھی ان کی رضاکارانہ خدمت کا ایک حسین عنوان ہے۔ لیکن اپنی عمر کے آخری حصہ میں اپنی مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء سے وابستہ ہوکر، اور پھر اپنے عم بزرگوار ناظم ندوۃ العلماء کے مشیر خاص و معتمد بن کر انہوں نے جو تعلیمی و انتظامی اصلاحات میں حصہ لیا، ان کا اپنا الگ اور منفرد مقام ہے۔

ذاتی طور پر مجھے اس محرومی کا بھی شدت کے ساتھ احساس ہے کہ پورے حسنی خانوادہ میں یہی ایک مرد قلندر تھے جنہیں میں ''اپنا دوست'' کہہ سکتا تھا۔ اور ان کی بخشی ہوئی جرأتوں کے ذریعہ بے تکلف ان سے تبادلۂ خیال کرسکتا تھا، مگر یہ دنیا تو تمناؤں، حسرتوں، اور زندگی کے اس پار تک بنائے جانے والے ناتمام منصوبوں کی آماج گاہ ہے ہی، پھر اس میں ثبات کی کہاں گنجائش!

اللہ بس ـــــ باقی ہوس

دعا ہے کہ حق تعالیٰ مولانا حمزہ مرحوم کو کروٹ کروٹ چین عطا کرے اور ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کی انجام دہی کے لیے اپنے خزانۂ غیب سے افراد کار عطا فرمائے، **وما ذالك على الله بعزيز.**

☆☆

رمضان المبارک کا مبارک مہینہ گزر گیا۔ اہل ایمان خواتین اور مردوں کو رحمتوں اور برکتوں سے شرابور کرگیا اور اس کے بعد عیدالفطر میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش ہوئی۔ قسمت والوں کی صحیح معاملہ میں عید ہوگئی۔ اب ذوالحجہ کا مہینہ آرہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے گھر جانے والے حجاز مقدس کا رخ کررہے ہیں، عمروں اور طوافوں کی بہار آرہی ہے اللہ تعالیٰ کے بندے اپنا گھربار چھوڑ کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی گلیوں اور راستوں میں چل رہے ہیں اور اپنے مقدر پر نازاں، فرحاں **لبيك اللهم لبيك** پڑھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی عبدیت کا اقرار کررہے ہیں۔ ایسے پرنور ماحول اور ایسی روحانی فضا میں حج کے مسافروں کو بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے بچنے کی کوشش کرنا اور اس راستہ میں اللہ کے ایک ایک حکم پر عمل کرنا اور رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت پر چلنا اپنی زندگی کا مقصد بنانا ضروری سمجھنا چاہئے۔ حج کے تمام آداب اور زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو آداب ہیں ان کا ہمہ وقت خیال رکھنا بہت ضروری ہے خطرہ ہے کہ ذرا سی بے ادبی سے حج کا مقصد نہ فوت ہوجائے، اور بجائے ثواب کے گناہ لازم نہ آجائے۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

جامعۃ ام المؤمنین عائشۃ الاسلامیۃ للبنات

بڑا کنواں، رائے بریلی (یوپی) انڈیا-229001

مقاصد و خدمات

جامعہ کا تعارف

زیر انتظام:
مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی
دائرہ شاہ علم اللہ، تکیہ کلاں، رائے بریلی، یوپی
Website: www.jamiaaishalilbanat.org
Email: info@jamiaaishalilbanat.org
Cell : +91 9415955780, +91 7275996225
Phone : 0535-2213602
Email : sanihasanisociety@gmail.com

مولانا قاری سید حبیب احمد صاحب باندوی
ناظم اعلیٰ جامعہ عربیہ ہتھورا ضلع باندہ

حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی مرحوم

حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ خانوادۂ حسنی کے چشم و چراغ تھے، ان کے والد مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ تھے، جن کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے خاص تعلق و محبت تھی، اسی نسبت سے مولانا حمزہ صاحب کو بھی حضرت شیخ الحدیثؒ کے یہاں خاص مقام حاصل تھا اور بیعت و سلوک کا تعلق انہی سے وابستہ تھا، جو ان کی وفات کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے قائم ہوا اور ان کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی سے قائم ہوا، پھر آپ ان کے خلیفہ بھی ہوئے۔

مولانا حمزہ حسنی صاحب خاموش مزاجی کے ساتھ کام کے عادی تھے، بظاہر محسوس ہوتا کہ انہیں کسی مشغولیت سے سروکار نہیں ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی حیات تعلیمی، سماجی اور اصلاحی مشغولیات کی آئینہ دار ہے، انہوں نے اپنے والد کی وفات کے بعد ان کا جاری کردہ رسالہ ماہنامہ ''رضوان'' کی ادارت کو مسلسل نبھایا اور بلا ناغہ ہر طرح کے نشیب و فراز میں وہ آرگن رسالہ نکلتا رہا، حالات اور موضوع کی مناسبت سے مولانا نے رضوان کے کئی خصوصی رسالے بھی شائع کیے، اسی طرح انہوں نے بلند مقاصد کے ساتھ مکتبہ اسلام بھی قائم کیا، جس سے کئی اہم کتابیں شائع ہوئیں اور امت کو نفع پہنچا۔

رائے بریلی میں انہوں نے اپنے والد مرحوم کے نام پر ایک سوسائٹی ''مولانا سید محمد ثانی حسنی سوسائٹی'' بنائی، جس کے تحت مختلف مکاتب، مدارس اور دیگر اصلاحی امور مسلسل انجام پا رہے ہیں، رائے بریلی کی دینی اور اسلامی فضا میں اس سوسائٹی کا بڑی حد تک دخل ہے، بنات کا تعلیمی و تربیتی ادارہ اسی سوسائٹی کے زیر انتظام مدرسہ عائشہ للبنات کے نام سے قائم ہے اور بچوں کے حفظ و تجوید کے لیے اسی سوسائٹی کے زیر انتظام مدرسہ سید احمد شہید تکیہ کلاں میں موجود ہے، اس کے علاوہ قرب و جوار میں بھی کئی اداروں کی سرپرستی اور دیکھ ریکھ مولانا مرحوم بڑی خاموش مزاجی سے انجام دے رہے تھے۔

ان کے مزاج میں خاموشی اور اخفا تھا، لیکن وہ بلند پایہ مصنف بھی تھے اور کتب بینی کا خاص ذوق تھا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے خطوط کی ترتیب و تدوین کئی جلدوں میں شائع کرنا ان کا ایک بڑا کارنامہ ہے، اس کے علاوہ بھی ان کی چند اہم تصنیفات ہیں اور پھر ماہنامہ رضوان کے اداریے ان کی اصلاحی و تربیتی صلاحیتوں کی منھ بولتی تصویر ہیں۔

مولانا مرحوم مفکر اسلام کے بعد سے ندوۃ العلماء میں بحیثیت ذمہ دار مشغول تھے، پہلے وہ ناظر عام اور بعد میں نائب ناظم کے عہدہ پر فائز ہوئے، ان کے عہد میں ندوۃ العلماء کی غیر معمولی تعمیر و ترقی ہوئی، ندوہ کی مختلف فیہ موقوفہ اراضی کا مسئلہ انہوں نے نہایت خاموشی اور سنجیدگی کے ساتھ حل کیا، مالی انتظامات کا مسئلہ بھی انتہائی خاموشی کے ساتھ حل کرتے رہے، ندوہ کے اندر مسجد اور کئی ہاسٹلوں کی تعمیر بھی ان کا ایک بڑا کارنامہ ہے، اخیر عمر میں ندوہ کی فکرمندی انہیں اس حد تک لاحق ہوگئی تھی کہ وہ اپنے قائم کردہ مکتبہ اسلام سے بھی بے پروا ہو گئے تھے اور تمام تر وقت ندوہ کے لیے ہی صرف ہو جاتا تھا، مگر ان سب کوششوں کے باوجود مزاج میں تواضع اور اخفاء تھا، اسی لیے کبھی بذات خود ایک عہدہ دار کی حیثیت سے کہیں بھی تعارف کرانا یا از خود اپنے قلم سے لکھنا گوارہ نہ کیا۔

والد ماجد حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا محمد ثانی حسنی صاحبؒ (جو حضرت مولانا مرحوم کے والد محترم تھے) مظاہر علوم سہارنپور کے زمانہ طالب علمی میں درسی ساتھی تھے اور اتفاق کہ ایک ہی کمرے میں تھے اور یہ سلسلہ سالوں رہا، جس کی وجہ سے دونوں بزرگوں میں بڑی محبت اور بہت یارانہ تھا، یہ تعلق یہیں ختم نہیں ہوا، بلکہ دونوں گھرانوں کے ہر ہر فرد تک پہنچ کر باقی ہے، بایں سبب احقر ان کو اپنا بڑا بھائی جانتا رہا اور اپنی زبان میں بھیا کہتا تھا، ان کا انداز شفقت ومحبت واپنائیت والا تھا، ندوہ جا کر آپ سے ملاقات کرنا ایک اہم مقصد ہوتا تھا، آخری ملاقات دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں حضرت مولانا محمد رابع صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی مجلس میں کسی کتاب کے اجراء کے موقع پر چند موٴقر علماء کی موجودگی میں ہوئی، مولانا نے معانقہ فرمایا اور فرمایا کہ تم دعا کرو دو تو میں ٹھیک ہو جاؤں گا، اب وہ کیفیت تو بتائی ہی نہیں جا سکتی، لیکن بعد میں اس کا پورا خیال آیا کہ شفقت کے بھرے کلمات اور دیر تک معانقہ میں لپٹائے رکھنا، جس کو حاضرین محسوس کر رہے تھے اور اندازہ لگا رہے تھے کہ ان سے اس درجہ تعلق ہے، جیسے ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے، وہاں پر کوئی بزبان حال یہ کہہ رہا ہے۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئی گل سیر ندیدیم، زبہار آخر شد

مولانا کی شخصیت میں غیر معمولی سنجیدگی اور متانت تھی، ان کی ذات میں اتھاہ گہرائی تھی، بقدر ضرورت بولتے، ورنہ ہمہ وقت تدبر اور تفکر کی کیفیت میں رہتے، بڑی سنجیدگی کے ساتھ مسائل کو سنتے اور ان کا حل پیش کرتے، اخلاق میں نرمی تھی، چھوٹوں پر بہت شفیق ومہربان تھے، آپ نے ہمیشہ خود کو بڑوں کے تابع رکھا، آپ میں خلاق عالم نے انتظامی صلاحیت ودیعت کر دی تھی، یہی وجہ ہے کہ مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کے زمانہ میں آپ کو ناظر عام بنایا گیا اور بعد میں آپ نائب ناظم کے عہدہ پر فائز ہوئے، اس عظیم الشان ذمہ داری کو آپ نے بحسن وخوبی اخیر عمر تک انجام دیا اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون!

والد صاحب علیہ الرحمہ کا اس علمی خانوادے سے اس درجہ تعلق تھا کہ اعتکاف سے اٹھ کر باندا جاتے اور عید کی نماز پڑھا کر فوراً رائے بریلی تکیہ کے لیے روانہ ہو جاتے وہاں حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی علیہ الرحمہ اور آپ کا گھرانہ منتظر رہتا والد صاحب کے پہنچتے ہی دسترخوان لگ جاتا سب ساتھ کھانا کھاتے ایک مرتبہ لال گنج سے ڈاکٹر صاحب نے رائے بریلی جانے کے لیے گاڑی تیار کی تو والد صاحب نے فرمایا ارے ڈاکٹر صاحب میں تو اس وقت سے آتا ہوں جب کشتی سے گنگا پار کیا جاتا تھا اور اونٹ پر سوار ہو کر آگے کا سفر طے کرتا تھا۔

وہ سراپا میرے لفظوں میں سماتا ہی نہیں
اس کو میں کیسے لکھوں لوح وقلم چھوٹنے لگے

○○○

واقعۂ پیرس (فرانس) کا آج کل بہت چرچا ہے۔ تمام خود ساختہ دانشور اس کی مذمت کر رہے ہیں۔ اور اس خباثت سے بھرپور جرم کو ہلکا کر کے پیش کیا جا رہا ہے، جس کا یہ ردعمل تھا، آج کل یورپ اور اس کے غلام ملکوں میں آزادی رائے اور آزادی عمل کا بہت زور ہے اور اس کی آڑ میں بڑے سے بڑا جرم آسانی سے کر لیا جاتا ہے، یورپ کی مادر پدر آزاد تہذیب تباہی اور بربادی کی سرحد چھو رہی ہے جلد ہی یہ ممالک اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں گر کر تاریخ کا حصہ بن جائیں گے۔ اہانت رسول ایسا بدترین جرم ہے جس کی کوئی معافی نہیں، کوئی بھی مسلمان اس کو نہ معاف کر سکتا ہے اور نہ ہی برداشت کر سکتا ہے۔ اور شاتم رسول کی سزا موت ہے۔ حیرت ہے کہ بعض مسلم لیڈروں اور خود ساختہ علماء نے بڑے زور وشور سے اس واقعہ کی مذمت حلق پھاڑ کر کی، ان کو نہ اس کا ڈر ہوا کہ ان کے ایمان کا کیا ہوگا وہ میدان حشر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے۔ شاتم رسول سے ہمدردی کرنا اس کو جو سزا دی گئی اس کو غلط کہنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے بوجھ سے زمین پھٹ جائے تو حیرت کی بات نہیں۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

● مولانا محمد فضل الرحیم مجددی ●
ناظم جامعۃ الہدایہ، جے پور، سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

ملت اسلامیہ ایک گوہر نایاب سے محروم

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی رحلت ایک عظیم خسارہ

● (۱۹۵۰ء-۲۰۲۱ء) ●

مشہور عالم دین، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نائب ناظم حضرت مولانا سید حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال ملت اسلامیہ خصوصیت سے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے عظیم خسارہ ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک پروقار، سنجیدہ، متواضع اور بااخلاق عالم دین تھے۔ ایک اچھے مضمون نگار کے ساتھ ایک کامیاب منتظم بھی تھے۔ آپ گوناگوں صفات کے حامل تھے۔ ایک کامیاب منتظم کے اندر جو صفات ہونی چاہئے وہ ان سے آراستہ تھے، آپ کی یہ خوبی تھی کہ بڑی سنجیدگی سے مسائل کو سنتے اور ان کا حل پیش کرتے، اور مفید مشورے کو قبول فرماتے، آپ کم سخن تھے لیکن جامع گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی مدبرانہ صلاحیتوں کو ندوۃ العلماء کے کاز و منصوبے کو آگے بڑھانے میں استعمال کیا اور مالی استحکام کے لئے ناقابل فراموش سعی کی، آپ ناظر عام اور نائب ناظم کی حیثیت سے اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے ہوئے حضرت مفکر ملت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء کے بہترین معاون ثابت ہوئے، مسجد کی حسین توسیع اور کئی دارالاقامہ کی تعمیر ان کا عظیم کارنامہ ہے۔

آپ کی تعلیم وتربیت ایسے خانوادہ میں ہوئی جس کی دینی ودعوتی اور علمی وتصنیفی خدمات محتاج تعارف نہیں۔ آپ کے خانوادہ کے حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد ثانی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ علم وعمل کے روشن آفتاب ہیں جن کی خدمات و فیوض سے دنیا مستفید ہورہی ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد ثانی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ عربی زبان و ادب کے صاحب طرز ادیب، کالم نگار اور عظیم داعی تھے۔ جو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھانجے تھے، حضرت مولانا حمزہ حسنی کی تعلیم وتربیت میں حسنی خانوادہ کے اکابرین کے ساتھ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے باکمال اساتذہ کرام کا بھی اہم رول رہا ہے۔ آپ نے زندگی کے مختلف شعبوں کھیل، سیاست اور تجارت میں کامیابی کے ساتھ سفر کیا، مسلم مجلس کے صوبائی سطح پر جنرل سکریٹری بنائے گئے، وقف بورڈ کے خصوصی ممبر منتخب کئے گئے، اور تجارت میں قدم بڑھاتے ہوئے الحسن ٹرسٹ نامی کمپنی کی بنیاد رکھی اور مکتبہ اسلام کو آگے بڑھایا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم تعلیمات اور حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد خاص حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر ندوۃ العلماء کے انتظامی امور سے وابستہ ہوئے اور اس کے بعد اپنی پوری توانائی و صلاحیت ندوۃ العلماء کے فروغ واستحکام میں لگادی اور آپ کی زندگی ندوۃ العلماء کے لئے وقف ہوگئی۔ آپ ندوۃ العلماء کی انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ علمی وتصنیفی کاموں سے بھی وابستہ رہے، مجلس تحقیقات ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے معاون

سکریٹری کے عہدہ پر فائز رہتے ہوئے اس ادارہ کو آگے بڑھانے میں اہم رول ادا کیا۔ پھر اس کے جنرل سکریٹری بھی ہوئے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ترجمان تعمیر حیات کے نگراں مقرر ہوئے تو آپ نے اس رسالہ کے معیار و نافعیت کر مزید مستحکم کیا۔ ماہنامہ رضوان کے چالیس سال ایڈیٹر رہے، اس میں آپ کے قیمتی اداریے و مضامین شائع ہوتے رہے، آپ کی نگرانی و ادارت میں اس رسالہ کا مولانا محمد ثانی حسنی ندوی نمبر شائع ہوا جو بہت مقبول ہوا۔ آپ کے قلم سے سیرت امہات المومنین اور تذکرہ صحابیات جیسی اہم کتابیں بھی منظر عام پر آئیں۔ آپ نے مکتوبات علی میاں رحمۃ اللہ علیہ مرتب فرمایا اس کی تین جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں دو جلدیں زیر طبع ہیں، آپ کا دینی وعلمی، دعوتی و انتظامی اور تصنیفی سفر جاری ہی تھا کہ وقت موعود آگیا اور ہم تمام کو سوگوار چھوڑ کر 24 رمضان المبارک 1442ھ مطابق 7 مئی 2021ء کو اس دنیا سے رحلت فرما گئے، آپ ایسے وقت میں جدا ہوئے جب ندوۃ العلماء کو آپ کی سخت ضرورت تھی آپ کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کی تلافی اس دور انحطاط میں ناممکن ہے اللہ ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور حضرت والا کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین

○○○

آج کل دہشت گردی اتنا بڑا موضوع ہے کہ ہر ملک اس لفظ کی آڑ لے کر اپنے مقاصد پورے کرنے میں لگا ہوا ہے۔ حالانکہ ایک جگہ کا دہشت گرد دوسری جگہ مجاہد ہے اور اسی پر مسلمان عوام وخواص کو تباہ و برباد کرنے کی سازشیں حکومتوں میں بیٹھے ہوئے لوگ کر رہے ہیں اور اس طرح اپنے سے الگ رائے رکھنے والوں کو ختم کرنے کی ناکام کوششیں کر رہے ہیں۔

سعودی عرب میں باقاعدہ مقدمہ چلا کر اور عدالتوں کے ذریعہ دی گئی سزاؤں پر جب عمل کیا گیا تو ایران کی کٹر شیعہ حکومت نے اس کی آڑ میں عرب ملکوں میں تشدد پھیلانے کی پرزور کوشش کی جب کہ خود ایران کا حال یہ ہے کہ کوئی مہینہ خالی نہیں جاتا جس میں سنّی مسلمانوں کو پھانسیاں اور سخت قسم کی سزائیں نہ دی جاتی ہوں اور وہاں تو مقدمہ بھی نہیں چلتا بلکہ وہاں کی شدت پسند شیعہ تنظیمیں جس کو چاہے گرفتار کر لیں اور جو بھی سنّی مسلمانوں کے حقوق کی بات کرے اس کا انجام پھانسی ہی ہوتا ہے۔ مذہبی تعصب کا حال یہ ہے کہ تہران میں سنّی مسلمانوں کو مسجد بنانے کی اجازت نہیں ہے جب کہ ایران میں سنّی مسلمان تیس سے چالیس فیصدی تک ہیں اور کئی علاقوں میں ان کی اکثریت ہے، بلوچستان جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اس پر ایران کا غاصبانہ قبضہ ہے اور وہاں سنّی مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے جو غاصب حکومتیں کرتی رہی ہیں۔

شام میں ڈھائی لاکھ سے زائد مسلمانوں کا قتل عام کرنے والے بشارالاسد کا ایران پوری طرح ساتھ دے رہا ہے ہتھیار گولہ بارود دیئے جا رہے ہیں اور پٹرول کی آمدنی بجائے اپنے ملک میں عوام پر خرچ کرنے کے مسلمان ملکوں میں انتشار پھیلانے اور خونخرابہ کرنے میں خرچ کی جا رہی ہے روس جس کو شام سے کوئی مطلب نہیں اس کو ایران نے مسلمان علاقوں پر بمباری کرنے کے لئے مدعو کر رکھا ہے اور روسی فوج کے اخراجات ایران برداشت کر رہا ہے۔ اسی طرح یمن، بحرین کویت اور دیگر ممالک میں حکومت مخالف عناصر کی سرپرستی ایرانی متشدد شیعہ حکومت کا خاص وظیفۂ حیات ہے، غرض کہ ایران کی موجودہ حکومت ساری دنیا کے لئے ایک ایسی مصیبت ہے جس سے چھٹکارا پانا دنیا کے امن وامان کے لئے بہت ضروری ہے۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

منقبت: مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

دل غمزدہ ہے اور ہیں آنکھیں بھی اشکبار
ایک شخص کی جدائی سے دل سب کے بیقرار

ان کو نہ مال و زر سے تعلق رہا کبھی
نہ تھا کبھی بھی عہدہ و منصب پہ افتخار

ندوے کے حق میں مخلص و مصلح رہے سدا
اس کے مفاد کے لئے رہتے تھے بے قرار

بخشا خدا نے ان کو ہنر انتظام کا
باریک بیں تھے وہ بڑے اور بردبار

بخشی خدا نے دولت اخلاص بھی انہیں
ہر کام ان کا قول محمدؐ سے مستعار

اللہ کا تھا خوف محبّ رسول تھے
اور مصطفیٰؐ کے سارے صحابہ کے جاں نثار

اللہ کا ہو فضل و کرم ان پہ صبح و شام
اور ہو نزول رحمت حق ان پہ بے شمار

سید ابوالحسن علی حسنی

پسر مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ العالی، (ناظر عام ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

مولانا مفتی راشد حسین ندوی
مہتمم جامعہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی

مولانا محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ
ایک ہمہ جہت شخصیت

میں اپنے وطن کھیتہ سرائے کے ضلع بارہ بنکی میں تھا، سخت بیماری سے افاقہ ہوگیا تھا لیکن اس کے اثرات باقی تھے افاقہ ہوگیا تھا۔ 24 رمضان 1442ھ کو اطلاع ملی کہ ندوۃ العلماء کے ناظر عام و نائب ناظم حضرت مولانا حمزہ حسنی کا انتقال ہوگیا، دل دھک سے رہ گیا، مولانا مرحوم کامیابی کے ساتھ فتنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے مادر علمی کو بام عروج تک پہنچانے کے لئے کوشاں تھے، آپ نے ندوۃ العلماء میں کئی دارالاقاموں کا اضافہ کیا، مسجد کی عظیم الشان توسیع کی، ندوۃ کے تمام دفاتر کو منظم کیا، منمائی کرنے والوں کی تکمیل کسی، اور یہ تمام امور اتنی خاموشی سے انجام دیئے کہ ندوہ سے باہر بہت کم لوگوں کو پتہ چل سکا ہوگا، حادثہ کی اطلاع سن کر ایک خاص کیفیت پیدا ہوئی کہ خدایا! مادر علمی کی حفاظت کا سامان پیدا کرادیجئے، اور ہم سب بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی امیدوں کے مرکز حضرت مولانا سید رابع صاحب دامت برکاتہم کو مضبوطی اور قوت عطاء فرمایئے جو یقیناً مولانا واضح صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مولانا حمزہ صاحب کے حادثہ سے نڈھال ہورہے ہوں گے اس لئے نہ صرف یہ کہ وہ ان کے بھتیجہ اور داماد تھے، بلکہ ندوہ کے جملہ امور میں دستیاب وبازو بنے ہوئے تھے۔ مولانا حمزہ صاحب مرحوم کافی دنوں سے بیمار چل رہے تھے، اسپتال میں بھی ایڈمٹ کئے گئے، مولانا بلال صاحب مدظلہ نے کئی بار فرمایا کہ مرض سنگین ہے، ضرورت آپریشن کی ہے اور آپریشن فی الحال ممکن نہیں، اس کے باوجود اصل بات سمجھ نہیں پایا یہ تو حادثہ کے بعد پتہ چلا کہ مولانا کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا تھے، اور یہی مرض ظاہری طور پر حادثہ وفات کا سبب بنا۔

مولانا مرحوم نے تدریسی فرائض کبھی بھی کم سے کم میری معلومات کے مطابق انجام نہیں دیئے، اسی لئے راقم کو ان سے تلمذ کا شرف حاصل نہیں ہوسکا لیکن ندوہ سے فراغت کے بعد خوش قسمتی سے مولانا کے وطن تکیہ رائے بریلی کے قریب واقع مدرسہ ضیاء العلوم میں تدریسی خدمات انجام دینے کا موقع ملا، مولانا سے شناسائی تو پہلے سے تھی، لیکن مدرسہ ضیاء العلوم میں قیام کے سبب مولانا سے بار بار ملاقات کا موقع ملا، پھر چند مہینوں تک راقم کا خاص تکیہ میں قیام رہا، مولانا مرحوم اسی دوران بیمار ہونے کے سبب بجائے لکھنؤ کے تکیہ میں قیام پذیر تھے، اس لئے بار بار ملاقات کی نوبت آئی، پھر کچھ عرصہ بعد مولانا حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، واپسی پر راقم نے ملاقات کی، تو مولانا نے فرمایا: میں بھی دعا کی درخواست کرنے والوں کے لئے دعا شروع کرتا تھا تمہارا چہرہ ضرور سامنے آجاتا تھا، یہ سن کر راقم کی جو کیفیت ہوئی اس کی تصویر کشی الفاظ سے ناممکن ہے، اس میں مزید حیرت والی بات یہ تھی کہ ظاہری طور پر میری ان سے اگرچہ شناسائی تھی، لیکن اس شناسائی کو قرب کہنا مشکل ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ مرحوم ہمارے جیسے بہت سے لوگوں سے بلکہ فی اللہ محبت رکھتے تھے، لیکن اس کو ظاہر نہیں کرتے تھے، چھپاتے تھے۔

مولانا مرحوم ابتدا میں تجارت میں سرگرم تھے اور بتایا گیا کہ اس میں کامیاب تھے، پھر سیاست میں قدم رکھا اور اس میں بھی اونچے مقام پر پہنچے، اپنے عظیم المرتبت والد حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ (برادر بزرگ حضرت مولانا رابع صاحب

دامت برکاتہم) کی وفات کے بعد والد صاحب کے مکتبہ "مکتبۂ اسلام" اور خواتین کے مشہور ماہنامہ "رضوان" میں پوری طرح لگ گئے، اور کامیابی سے دونوں کو چلاتے رہے، پھر مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مولانا عبداللہ عباس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر نہ چاہنے کے باوجود ندوۃ العلماء کے ناظر عام بنائے گئے، اور جس کامیابی سے اپنے فرائض انجام دیئے اس سے جہاں ان کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں بزرگوں کی مردم شناسی کا بھی قائل ہونا پڑتا ہے، اسی درمیان آپ سنی وقف بورڈ یوپی کے رکن نامزد کئے گئے، اور وہاں بھی اپنی انتظامی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

آپ بہت کم گو اور تنہائی پسند تھے اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کو پسند کرتے تھے، انتظامی معاملات میں جب کوئی فیصلہ کر لیتے تھے، اور اس کا مفید ہونا واضح ہوجاتا تھا تو اس کو نافذ کرنے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اگر اس فیصلہ کی خرابی بتائی جاتی تو خندہ پیشانی سے قبول کرتے، لیکن اگر اس سے اختلاف برائے اختلاف کیا جاتا تو سامنے والے کی بات خاموشی سے سن لیتے تھے، لیکن کرتے وہی تھے جو ادارہ کے لئے مفید ہو، ان کی اس خوبی اور صفت نے بہت سے ایسے حضرات کو ان کا مخالف بنادیا جو بہرصورت اپنی بات منوانے کے عادی ہوتے ہیں، اور ان حضرات کو ان کی صلاحیتوں کا قائل کرلیا جو نظم وانتظام سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان انتظامی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ مولانا مرحوم اچھے صاحب قلم بھی تھے، ماہنامہ رضوان میں مختصر اداریہ زیادہ تر انہیں کا ہوتا تھا، اسی طرح حضرت مولانا کے مکتوبات کو کئی جلدوں میں تیار کیا، اور مکتوب الیہم (جن کو خطوط لکھے گئے) کا مختصر تعارف بھی پیش کیا، ان کی اور بھی بعض تصنیفات ہیں جو مقبول عام ہیں، جلسوں کی نظامت بھی بڑی خوبی سے کرتے تھے، خلاصہ یہ کہ وہ ہمہ جہت صلاحیتوں کے مالک تھے لیکن ان صلاحیتوں کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، اور دونوں فرزندوں اور تمام متعلقین اور محبین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

○○○

ساری دنیا میں اس وقت مسلمان ظلم وجور کا نشانہ بنے ہوئے، نہ صرف ان کا خون بہایا جارہا ہے بلکہ ان کی تہذیب وتمدن، مذہبی شعار کو بھی مٹانے کی بھرپور کوشش ہورہی ہے۔ مسلمان ملکوں کی حکومتیں اس معاملہ میں یورپ اور امریکہ کی آلۂ کار بنی ہوئی ہیں۔ اور اسلامی تمدن کو مٹانے اور اسلامی شریعت کو ختم کرنے میں وہ مدعی سست اور گواہ چست کا کردار ادا کررہی ہیں۔ تیونس کے صدر نے مسلمان عورت کو غیر مسلم مرد سے شادی کرنے کی اجازت دے دی اسلامی قانون وراثت کو تبدیل کرنے کا حکم صادر فرمادیا ہے اور کہا ہے کہ اعتدال پسند اسلام کو نافذ کرنا اس کا مقصد ہے اور جو لوگ اس کی مخالفت کررہے ہیں ان کو شدت پسند، کٹر مسلمان ہوتے اور ان کے خلاف کارروائی کرنے کی دھمکی دی جارہی ہے۔ اسی طرح بعض عرب ملکوں میں جہاں شریعت کا نفاذ تھا اور اسلامی طرز زندگی کے مطابق لوگ اپنی زندگی گذار رہے تھے وہاں اعتدال پسندی کا نام لے کر الحاد وکفر کا نفاذ کیا جارہا ہے اور اس معاملہ میں امریکہ کے احکام پر پورے زور وشور سے عمل کیا جارہا ہے، عورتوں کو گھروں سے نکال کر سڑکوں پر لایا جارہا ہے ان کو اسلامی زندگی سے ہٹا کر طاغوت کی غلامی میں لایا جارہا ہے اور یہ سب اعتدال پسندی کے نام پر کیا جارہا ہے۔ اس وقت ہم مسلمانوں پر زیادہ ذمہ داری آگئی ہے کہ اپنے دین اپنی اسلامی معاشرت کی حفاظت کے لئے جو ممکن ہوسکے وہ اقدام کریں اور اس آنے والے طاغوتی اور شیطانی نظام کا مقابلہ کریں اور اس کو مسلم معاشرہ میں کبھی بھی نافذ نہ ہونے دیں۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

مولانا عبدالسبحان ناخدا ندوی مدنی
(استاذ تفسیر مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی)

مولانا حمزہ حسنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید حمزہ حسنی صاحب دار الفناء سے دار البقاء کی طرف رحلت فرما گئے، دار العلوم ندوۃ العلماء اپنے ایک سچے بے لوث خادم سے محروم ہوگیا، گلستان حسنی کا ایک گل اپنی بہار دکھا کر رخصت ہوا، موجودہ شور وشغب کی دنیا میں آپ نے بڑی خاموش، پاک صاف اور عمل سے بھرپور زندگی بسر کی، جو نازک اور حساس ذمہ داریاں آپ کے حوالہ تھیں، ان کا بڑا پاس ولحاظ رکھا، حتی المقدور ان کو نباہا، بڑی دیانت داری کے ساتھ اپنا کام انجام دیتے رہے، یہاں تک کہ وقت موعود آن پہنچا اور آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

میں تقریباً پچیس سال سے مولانا کو دیکھ رہا ہوں، اس دوران میں براہ راست مولانا سے ملاقاتیں بہت کم رہیں، لیکن آپ کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع خوب ملا، مولانا حمزہ صاحب کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو خاموش خدمت انجام دینے پر یقین رکھتے ہیں اور آپ نے اسی طرح خدمت انجام دی، میں نے آپ کو جب بھی دیکھا فکر مند دیکھا، خندہ پیشانی سے ملاقات فرماتے، لیکن اس ہنستے مسکراتے ہوئے چہرے کے پیچھے ہمیشہ مجھے ایک فکر مند بلکہ دردمند چہرہ نظر آیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صفت "**دائم الفكرة متواصل الأحزان طويل السكت**" کی بھی تھی، اس صفت کی جھلکیاں مجھے مولانا حمزہ صاحب میں ہمیشہ نظر آئیں، یہ ایک اچھے دردمند مومن کی پہچان ہوتی ہے۔

مولانا کی دوسری قابل تقلید صفت کم گوئی کی تھی، جو لوگ زیادہ بولتے نہیں ہیں، عام طور سے ایسے حضرات بڑے معاملہ فہم ہوتے ہیں، مولانا حمزہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس صفت میں ممتاز تھے، جلدی بات کی تہہ تک پہنچ جاتے اور پیچیدہ مسائل کو ممکن حد تک سلجھانے کی کوشش کرتے، بعض نادان یہ سمجھتے ہیں کہ آپ میں انتظامی صلاحیت نہیں تھی، یہ خیال درست نہیں ہے، انتظامی صلاحیت "بولنے" کے مقابلہ میں "کرنے" سے زیادہ تعلق رکھتی ہے اور مولانا کے تعلق سے سب جانتے ہیں کہ آپ ایک عملی انسان تھے۔

ادھر اخیر کے چند سالوں میں آپ کو کئی صبر آزما مراحل سے گذرنا پڑا، بعض نادان دوستوں کی طرف سے دانستہ یا نادانستہ ذہنی اذیت پہنچائی گئی، لیکن تمام جاننے والے جانتے ہیں کہ آپ کی طرف سے کبھی کسی غلط طرز عمل کا جواب نہیں دیا گیا، اپنی ذات کے تعلق سے فراخ دل رہے اور نبوی طرز عمل "**ولا يجزي السيئة بالسيئة ولكن يعفو ويصفح**" پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔

مولانا کی صحت کبھی قابل رشک نہیں رہی، لیکن آپ رضا بالقضا کے پیکر بنے رہے، ادھر بالکل اخیر میں تو امراض کا ہجوم رہا، لیکن کبھی زبان پر حرف شکایت نہیں آیا، اس مبارک خاندان کی یہ خصوصیت میں نے خوب دیکھی ہے کہ دل میں چاہے غموں کا پہاڑ ہو، لیکن صبر، اعتدال اور حلم کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، مولانا حمزہ صاحب بھی اس معاملہ میں اپنے پیش روؤں کے نقش قدم پر رہے اور بعد والوں کے لیے ایک روشن مثال بھی بنے، جس طرح کی ذہنی اور بدنی مشقتیں آپ نے جھیلی ہیں، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ آپ بالکل پاک صاف اس دنیا سے رخصت ہوئے ہوں گے، حدیث پاک میں آتا ہے: "**ما يزال البلاء بالمؤمن والمؤمنة حتى يلقى الله تعالىٰ وما عليه خطيئة**" کسی مومن یا مومنہ کے ساتھ مسلسل مصیبتیں لگی رہتی ہیں، یہاں تک کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملتا ہے کہ اس پر ایک خطا کا بار بھی نہیں ہوتا۔ امید ہے کہ آپ بھی پاک صاف اپنے رب کے دربار میں حاضر ہوئے ہوں گے، بڑی قابل رشک موت آپ نے پائی، رمضان کا مقدس مہینہ، جمعہ کا مبارک دن،

افطار کی مسعود ساعت، دعا کی قبولیت کا مخصوص وقت، چھبیسویں شب کی آمد آمد، جس کے لیلۃ القدر ہونے کا امکان اس لیے بھی ہے کہ بعض محققین نے نزول قرآن کی ابتداء چھبیسویں شب بتائی ہے، اس کیفیت میں آپ کی روح اس جہان رنگ وبو کو الوداع کہہ کر بہار جاوداں کی طرف پرواز کرگئی، آپ کے انتقال کی خبر سنی تو ذہن کے پردے پر ایک ایک کرکے یہ آیات ابھرنے لگیں:

﴿فَمَنْ يُؤْمِنْ بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْساً وَلَا رَهَقاً﴾ (الجن:۱۳)

(جو اپنے رب پر ایمان رکھتا ہے اسے نہ کمی کا اندیشہ ہوگا نہ کسی دباؤ کی فکر ستائے گی)

﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْماً وَلَا هَضْماً﴾ (طہ:۱۱۲)

(جو پورا مومن رہ کر اچھے کام کرتا ہے اسے نہ ظلم کا خطرہ ہوگا نہ حق تلفی کا خدشہ ہوگا)

﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾ (الأنبياء:۱۰۳)

(اچھے لوگوں کو بہت بڑی گھبراہٹ غم زدہ نہیں کرے گی، فرشتے ان سے ملاقات کریں گے اور کہیں گے کہ یہ تو تمہارا ہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا تھا (تمھیں کیا پریشانی؟)

اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، عزیزان قلب رشید وسعید پر سکینت کے خزانے اتارے، ان کی والدہ مکرمہ کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے مالا مال فرمائے، مخدوم ومکرم حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور تمام اہل خاندان، محبین ومتعلقین کو صبر وسکون کے ساتھ اجر کریم سے نوازے اور مجھے بھی اس اجر میں شریک فرمائے۔ آمین

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، ارْجِعِيْ إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ، وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ

ایوان فریدی گیسٹ ہاؤس

شہر رائے بریلی میں، بہت سے ہوٹلس ومسافر خانے ذریعہ معاش کے لئے بنائے گئے ہیں لیکن کوئی مسافر خانہ ایسا نہیں تھا جو غریب اور کمزور مسلمانوں کا خیال کرکے بنایا گیا ہو، اس لئے ضرورت تھی ایک ایسے مسافر خانہ کی جو خالص مسلم آبادی میں ہو اور مسجد کے قریب ہو۔ اس کمی کو ایوان فریدی گیسٹ ہاؤس نے پورا کردیا۔ نیز یہ گیسٹ ہاؤس شادیوں کے لئے بھی دستیاب ہے۔ لہٰذا ایک مرتبہ خدمت کا موقع ضرور دیں۔

علی میاں چوک (کہاروں کا اڈہ) رائے بریلی

Phone No. : 0535-2210019

Email : sanihasanisociety@gmail.com

Evan-e-Fareedi
(Guest House)
Alimyan Chowk,
(Kaharon Ka Adda),
Rae Bareli

ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی
جنرل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی یاد میں

اس وقت کیفیت یہ ہے کہ بار بار ایک مصرع ذہن میں آتا ہے:

روئیے کس کس کو اور کس کس کا ماتم کیجیے

ایسی آندھی چلی کہ بڑے تناور درخت گر گئے اور عمومی طور پر فضا مغموم ہو گئی، دینی ادارے اور علمی خانوادے اس کا شکار ہوئے اور جگمگاتی ہوئی محفلیں سونی ہو گئیں، اللہ کی مشیت ہے، اس کے فیصلے ہیں، ایمان کا تقاضا ہے کہ سر جھکا دیے جائیں اور رحیم وکریم مالک ومختار کی حمد وثنا کی جائے کہ بندے اس کے محتاج محض ہیں، وہ اپنے بندوں پر شفیق ومہربان بھی ہے اور ہر لحاظ سے اپنے بندوں کا نگہبان بھی ہے، نظام کائنات کی تخلیق وتشکیل کا یہ فلسفہ کوئی معمہ نہیں ہے بلکہ نہایت واضح اور روشن ہے، زندگی اور موت کا بظاہر الجھا ہوا مسئلہ بھی اسی میں پوشیدہ ہے، وہ سمجھ میں آجائے تو زندگی کے اسرار ورموز اور موت کا مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے اور سب کچھ سمجھ میں آنے لگتا ہے، انسان کی فکری تنگ ودو کی اپنی حدیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے متعین فرمائی ہیں اور ان کے اندر رہ کر غور وفکر کا حکم دیا ہے، یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ایسے نازک حالات میں انسان کو تنہا نہیں چھوڑا، غموں کی تمازت میں اس کے صبر وسکون کا سامان بھی فراہم کیا، اس کی دل جوئی کا انتظام بھی فرمایا، اسے سہارا بھی دیا، سنبھالا بھی، اسے تقویت بھی عطا فرمائی، غم بھی اسی کا، مداوا بھی اسی کا، خوشیاں بھی اسی کی، فرحت وانبساط بھی اسی کا عطیہ، سب کچھ اسی کے خزانۂ غیب میں محفوظ اور سب کچھ اسی کے اشارے کا پابند، یہ فلسفہ سمجھ میں آئے تو ہر مرحلہ آسان، زندگی کے تقاضوں کی تکمیل بھی آسان، لیکن واقعہ تو یہ ہے کہ موت تو موت ہے، ہلا کر رکھ دیتی ہے، ادھر جو پے در پے حادثات پیش آئے، ان کو سہار لینا انسان کے بس کی بات نہیں، وہ بھی اللہ کا کرم اور اسی کا فضل ہے، وہ استقامت نہ عطا فرمائے تو جان بھی خطرے میں، ایمان بھی خطرے میں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بعد ندوہ کے شب وروز جیسے بدل گئے، وہ بہار کہاں چلی گئی، ندوہ کے در ودیوار کی چمک کہاں کھو گئی، چہروں کی بشاشت کہاں غائب ہو گئی، محفلیں سونی اور مجلسیں افسردہ ہو گئیں، اللہ کا کرم اگر شامل حال نہ ہو تو ایسے حالات میں دل ٹوٹ کر بکھر جائیں اور زندگی منتشر ہو جائے، وہی تو ہے جو ایسے اضطراب وانتشار میں ثابت قدمی عطا فرماتا ہے اور انسان کے ہوش وحواس باقی رہ ہوتے ہیں، مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کا حادثہ، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا حادثہ اور اب مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کا حادثہ، ان کی کیفیات کیسے بیان کی جاسکتی ہیں، ایک حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی شخصیت اور انہیں کے سامنے ان کے جگر گوشوں کا ایک ایک کر کے رخصت ہونا، دوسروں کے کلیجے پھٹ گئے، دوسروں کی آنکھیں روتے روتے خشک ہو گئیں، دوسروں کی نگاہوں میں اپنا وجود غیر یقینی ہو گیا، لیکن حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی پہاڑ بنے رہے، میں جب دیکھتا ہوں تو یہ شعر ذہن میں گونجنے لگتا ہے اور کلیجہ منہ کو آجاتا ہے:

ایک دل ہے اور طوفانِ حوادث اے جگر

ایک شیشہ ہے کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں
ایسے مواقع پر انسان تنہائی میں ایک ایک کو یاد کر کے کہتا ہے:
آ کر تجھ بن اس طرح اے دوست گھبراتا ہوں میں
جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں
ندوہ کے تعلق سے مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری، ماسٹر اطہر حسین، مولانا رئیس الشاکری ندوی اور مولانا ہارون رشید صدیقی کو کیسے بھلایا جا سکتا ہے، سب کی شخصیت منفرد اور سب ندوہ کی محبت میں سرمست و سرشار، مولانا نذر الحفیظ ندوی علمی اعتبار سے تنہا معتبر اور اپنے تعلق کے اعتبار سے فرد خاندان، ان کی شخصیت معتبر، ان کا علم معتبر اور ان کا تعلق معتبر اور ان سب نے مل کر انہیں اعتبار و افتخار کا پیکر بنا دیا تھا، وہ گئے تو بہت کچھ اپنے ساتھ لے گئے۔ ماسٹر اطہر حسین دنیاوی تعلیم سے بہرہ مند لیکن دینی ذہن و مزاج کے اعتبار سے انتہائی ہوشمند تعلیم کے دانا، دین کے شناسا، دنیا میں بھی عزت و وقار حاصل، آخرت میں بھی سرخ روئی کا سامان۔ رئیس الشاکری ندوی درویش خدامست، گنگناتی ہوئی شخصیت، شعر آنکھوں سے جھانکتا ہوا، وجود پر چھایا ہوا، اپنے دینی کام اور دینی ذمہ داریوں میں سنجیدہ و منہمک، ذاتی طور پر پریشان حال لیکن کسی کے سامنے اس کا بیان نہ اظہار، یہ بڑی خوبی اور بڑا امتیاز تھا۔

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی کو میں نے صحت کے حال میں بھی دیکھا، ان کی کمزوری اور اضمحلال میں بھی دیکھا لیکن یہ بھی دیکھا کہ وہ ندوہ اور اپنے دینی مشاغل سے کبھی غافل نہیں نظر آئے، وہ ''سچا راہی'' مرتب کرتے تھے لیکن انھیں خود دینی اور علمی رہ گذر کا سچا راہی کہا جا سکتا ہے، میں نے تو ہمیشہ انھیں اسی رنگ میں دیکھا اور اسی رنگ میں وہ رخصت بھی ہو گئے، یہ سارے حضرات اپنے ساتھ بڑی نیکیاں اور خوبیاں لے کر گئے ہیں، اللہ قبول فرمائے اور سب ان کے لیے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔

اس صفِ نورانی میں ایک شخصیت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی ہے، وہ بلا مبالغہ درویش صفت تھے، وہ درویشی جوان کے بزرگوں کی شانِ امتیازی رہی ہے، وہ درویشی جس سے چہرے منور اور پیشانیاں ہمیشہ چمکدار رہی ہیں، وہ درویشی جس سے عرب و عجم میں ان کی دینی خدمات کے جوہر کھلے اور دنیا ان کی گرویدہ ہوگئی، یہ ایک امانت تھی جس کی خلوص دل سے حفاظت کی گئی، حفاظت کا جذبۂ صادق مولانا حمزہ حسنی کے حصہ میں بھی آیا تھا، وہ اس کی قدر و قیمت بھی سمجھتے تھے اور اس کی افادیت و اہمیت سے بھی واقف تھے، سیکڑوں برس پہلے جو روحانی حصار باندھا گیا تھا، مولانا حمزہ حسنی بھی اسی میں پابند اور خوش رہے، بلکہ اس فضیلت کو باعث خیر و برکت سمجھتے رہے اور زندگی میں اس کے ثمرات بھی ملتے رہے، ان کے والد مرحوم حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ اس قافلۂ دیدہ وراں اور حلقۂ درویشاں میں نمایاں تھے، انھیں مشائخ کی نسبتیں بھی خوب خوب حاصل تھیں، وہ میرے بہت کرم فرما تھے، میں نے انھیں بہت قریب سے دیکھا اور محسوس کیا کہ وہ ہر وقت فکر و خیال میں غرق رہتے تھے، ایک کیفیت ہر لمحہ ان کے اوپر طاری رہتی تھی، خشک مزاج نہیں تھے، کم سخن اور کم گو تھے، یہ تو ایک خاندانی وصف تھا جو انھیں بھرپور انداز میں ملا تھا، یہ وصف مولانا حمزہ حسنی کے حصہ میں بھی آیا تھا، وہ اس وصف کے نگراں بھی تھے، نگہبان اور قدرداں بھی تھے، انھیں بھی بزرگوں کی قربت اور نسبت میسر تھی، ان کی شخصیت کی تشکیل اور مزاج کی تعمیر میں اس کا بڑا دخل رہا ہے، اس سلسلہ میں مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کی خصوصی دعاؤں کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے:

یارب دل حمزہ کو ایمان و یقیں سے بھر
عرفانِ محبت دے مالک اسے اپنا کر

مولانا مرحوم کی یہ پوری دعائیہ نظم باپ کی محبت سے لبریز، دینی تصورات اور دینی فکر سے بھری ہوئی اور ملت کے سامنے اپنی نوجوان نسل کو بنانے اور

سنوارنے کا ایک پیغام ہے، یہ نظم بڑی وجد آفریں ہے اور یقین ہے کہ مولانا حمزہ حسنی کے لیے یہ مقبول ہوئی، مکتبہ اسلام اور ماہنامہ 'رضوان' کی دینی خدمت تک وہ محدود رہے تو ان کے جوہر آشکار نہیں ہوئے تھے لیکن جب ندوہ کی ذمہ داریاں ان کے کاندھوں پر ڈال دی گئیں تو ان کی پوشیدہ صلاحیتوں سے ایک زمانہ واقف ہوا، اور سب کو اندازہ ہوا کہ ان کے اندر بے شمار انتظامی صلاحیتیں موجود ہیں، ان کی زبان خاموش لیکن ذہن ہمیشہ کھلا رہتا تھا، آنکھیں جھکی ہوئیں، رفتار مدہم لیکن معاملات ومسائل میں چاق وچوبند۔

ایک زمانہ میں انھیں سیاست کا شوق ہوا تھا، یہ شوق اس طرح کا نہیں تھا جس میں دنیاوی مفادات کی غرض پوشیدہ ہوتی ہے بلکہ یہ اپنی ملت کے لیے فکرمندی کا اظہار تھا، اس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے، اس کی ضرورت بھی نہیں ہے اور وہ خود اس باب کو بھول چکے تھے، میرے ذہن میں بہت کچھ ہے لیکن اب اسے دہرانے کیا فائدہ، ان کی داستانِ حیات میں وہ باب زیادہ اہم اور معتبر ہیں جن کی بنا پر ان کی شخصیت میں چار چاند لگے اور وہ دینی حلقوں میں پہچانے گئے، وہ بہت جلد سیاست کی وادی سے نکل آئے، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں محفوظ رکھا اور اللہ کا کرم تھا کہ وہ دینی خدمت گذاریوں کی پناہ گاہ میں آگئے۔

اس کتابِ زندگی میں ایک اہم باب دینی تعلیمی کونسل کا ہے، یہ تنظیم وتحریک ان کا خاندانی ورثہ ہے، اس کے لیے فکرمندی کے جذبات دلوں میں موجزن رہے ہیں، ندوہ بھی اس تحریک کا حقیقی قدرداں اور صحیح معنوں میں اس کا میزبان رہا ہے، مولانا حمزہ حسنی ایک طویل مدت سے اس کے رکن تھے، اس کی اہمیت کے قائل، اس کی افادیت کے ترجمان، اس کی ضرورت کے شارح تھے، نرم لیکن بڑی بھرپور گفتگو کرتے تھے، دینی تعلیمی کونسل کے جلسے ندوہ میں ہوتے تھے تو اس کے انتظام واہتمام میں ان کا بڑا دخل رہتا تھا، ایک لمبی تاریخ ہے جس میں ان کی شخصیت چمک رہی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے ان کے لیے جو دعائیں مانگی تھیں، وہ ندوہ اور دینی تعلیمی کونسل کی خدمات میں نمایاں ہوئی اور دربارِ الٰہی میں انھیں قبولیت کا شرف بھی حاصل ہوا، بیٹے کے لیے اللہ رب العزت کے حضور میں فریاد اور دعائیں خود مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کے بلندی درجات کا ذریعہ ہوں گی اور آخرت میں اس کا بھرپور اجر ملے گا۔

خود مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کا تعلق دینی تعلیمی کونسل سے بہت بے لوث، دردمندانہ اور مجاہدانہ تھا، وہ شروع سے اس کے ہمنوا اور شریک کار تھے، مکاتب کے لیے ان کا ترانہ مشہور اور محفوظ ہے، یہ ایک وراثت تھی جو مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کے نزدیک قدر وقیمت کی حامل تھی، اس سلسلہ میں ان کی تحریروں میں بڑی جان ہے، اس دور کو مولانا حمزہ حسنی نے بہت قریب سے دیکھا اور سمجھا نہیں ہوگا لیکن ندوہ کی ذمہ داریوں میں انھیں ضرور اس کا احساس ہوا کہ اس کام کو بھی ذمہ دارانہ طور پر انجام دینا چاہیے، انھوں نے اس کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ عملی طور پر اس میں شریک ہوئے، ندوہ کے ذمہ داران ہمیشہ اس میں شریک رہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے جو صور پھونکا تھا اس کی آواز ہر حلقۂ فکر تک پہنچی اور سب اس کے اسیر ہوگئے، اس درمیان جو حضرات رخصت ہوئے، وہ سب کے سب دینی تعلیمی کونسل کی تحریک کے حامی، مددگار اور اپنی رکنیت پر نازاں تھے، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کا شمار بھی انھیں لوگوں میں ہے، اللہ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

مولانا شکیل احمد اعظمی ندوی (بحرین)

آہ! مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ

ایک روشن چراغ تھا" نہ رہا، وہ جلتا رہا، کبھی لو مدھم ہوگئی تو کبھی تیز، شدید بیماری کی وجہ سے جس کے بجھ جانے کا اندیشہ ہو چلا تھا، اس کے بارے میں کچھ اطمینان سا ہو گیا تھا کہ خطرات سے باہر نکل آیا ہے؛ لیکن وہ تو چراغ آخر شب تھا جو ٹمٹماتا رہا، ٹمٹماتا رہا اور بالآخر ۷ مئی ۲۰۲۱ء کو ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا۔ خانوادہ حسنی کا ایک مرد قلندر، خاموش مزاج اور نرم دل انسان، ولی صفت، ندوۃ العلماء کا مخلص خادم ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا، ندویوں کی محفلوں اور مجلسوں میں سناٹا چھایا ہوا ہے، ہر بزم سونی سونی سی لگ رہی ہے، جانے والا اپنی تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گیا، اب وہ کبھی نہیں آئے گا، کبھی نہیں۔

آہ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ آپ کیسے وقت میں مادر علمی سے منہ موڑ گئے، آج آپ کے علم کی، حلم کی، صبر وتحمل کی، آپ کی بے پناہ خوبیوں اور صلاحیتوں کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت تھی، ادھر دو سال کی مدت میں ملت اسلامیہ ہند کو بڑے صدمے اور کچو کے سہنے پڑے ہیں، کیسی کیسی مایہ ناز شخصیات پیوند خاک ہو گئیں، کتنے گوہر آبدار تھے نہ رہے، کتنی تنظیمیں، جماعتیں، مدارس اور ادارے نہایت اہم، قابل اور محبوب شخصیات سے محروم ہو گئے، ان کی جدائی سے دل مہموم ومغموم اور آنکھیں اشکبار تھیں، ایسے میں آپ کی وفات حسرت آیات نے مخلص ابنائے ندوہ کو تڑپا دیا، دلوں کے درد کو بڑھا دیا، اللہ تعالیٰ آپ کی تربت پر انوار کی بارش کرے اور آپ پر مغفرت ورحمت کا فیضان کرے، ابد الآباد کی نعمت بھری جنتوں میں بلند درجات سے شادکام کرے، آمین۔

آپ کی وفات یقیناً ندوہ اور انتظامیہ ندوہ کا بہت بڑا خسارہ ہے؛ مگر ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب رحیم وکریم کو پسند ہے، **إنا لله وإنا إليه راجعون**۔ انسان کچھ سوچتا اور منصوبہ بندی کرتا ہے، رب ذو الجلال کی منصوبہ بندی کچھ اور ہوتی ہے، جہاں ہمیں یکسر تاریکی نظر آتی ہے، وہیں سے وہ نور کی کرنیں نمودار کرتا اور عالم تیرہ و تار کو روشنی سے جگمگا دیتا ہے، جہاں ہر سو یاس و ناامیدی کے اندیشے گھیرنے لگتے ہیں، وہیں وہ نئی امیدیں، نئے حوصلے اور ولولے عطا کرتا ہے، جب پوری جماعت کی جماعت کے سامنے سوال کھڑا ہو جاتا ہے کہ اب کیا ہوگا؟ خالق کائنات کہتا ہے کہ پہلے سے بہتر ہوگا، میری بارگاہ میں مایوسی کا گزر نہیں ہوتا، **يحي الأرض بعد موتها** کے مناظر وہ برابر دکھاتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ندوۃ العلماء کے انتظام وانصرام اور اس کو صحیح خطوط پر چلانے اور مقررہ اہداف کی تکمیل کے لیے مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی کی شکل میں بہترین بدل عطا کر دیا ہے۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی انتظامی صلاحیتوں سے ندوہ کو خوب فائدہ پہنچایا اور اس کے انتظامی ڈھانچے کو نئی توانائی بخشی، مولانا جب سے ندوہ آئے تو ندوے ہی کے ہو کر رہ گئے، زندگی کے زریں لمحات ندوہ کو سجانے، سنوارنے اور اس گلشن علم ودانش کی آبیاری میں گزار دی، ندوہ ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، ندوۃ العلماء کی تعلیمی وتعمیراتی ترقی کے خاکوں میں رنگ بھرنے کے لیے انہوں نے پوری کوشش کی، مولانا غیر معمولی سنجیدگی ووقار کی حامل شخصیت تھے، ان کی ذات میں اتھاہ گہرائی تھی، نہایت کم آمیز اور کم گو تھے، ہمہ وقت تدبر اور تفکر کی کیفیت میں رہتے، بڑی سنجیدگی سے مسائل کو سنتے اور ان کا چٹکیوں میں حل پیش کرتے، طبیعت میں تواضع اور

ایسی سادگی تھی کہ انسان دیکھتا ہی رہے۔

انتظامی امور کے علاوہ تحریر و کتابت سے بھی مولانا کا گہرا شغف تھا، چالیس سال تک ماہنامہ "رضوان" کے ایڈیٹر رہے اور اپنی قلمی نگارشات سے قارئین کو مستفید کرتے رہے، ان کی تحریروں میں بڑی سادگی، سلاست اور روانی ہوتی تھی، ان کی تصنیفات اس کا بین ثبوت ہیں، مولانا کا تصنیفی شاہکار "مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ" ہے جس کی پانچ جلدیں طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں اور بقیہ جلدیں زیر طبع ہیں۔

مولانا کی زندگی انتہائی سادہ تھی، تعلق والوں نے بتایا کہ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک چھوٹی سی چارپائی اور ایک یا دو صندوق کے ساتھ جس میں ان کی ضروریات کا مختصر ساز و سامان رکھا رہتا تھا' رہتے تھے، یہی ان کی کُل کائنات تھی، سن کر تعجب ہوتا ہے کہ جو شخص ندوہ کی اتنی اہم ذمہ داری پر فائز ہے اور جو ایک طرح سے یہاں کا مختارِ کل ہے، اس کی طرز رہائش اتنی سادہ اور معمولی ہے، سچی بات یہ ہے کہ راحت اور تن آسانی کے سارے اسباب جمع ہونے کے باوجود اس طرح کی طرز زندگی اختیار کرنا کوئی آسان اور معمولی کام نہیں ہے، لیکن سادات حسنی کا یہی شیوہ رہا ہے، خانوادہ علم اللّٰہی کے بزرگ عظیم شخصیت سید احمد شہیدؒ سے لے کر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، مولانا محمد واضح رشید حسنی ندویؒ اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ تک اسی مسلک کے پیروکار رہے ہیں اور مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی بھی اپنے انھیں بزرگوں کے نقش قدم پر قائم تھے، وہ کم سخن تھے، لیکن ضروری گفتگو ضرور فرماتے تھے، طبیعت میں بڑی نرمی تھی، انھوں نے کبھی کسی ماتحت پر اپنے عہدے کی دھاگ نہیں جمائی، کسی سے ملنے میں کوئی تکلف نہیں برتتے تھے، لوگوں کی تجاویز اور مشوروں کو غور سے سنتے تھے اور امکانات کی حد تک اس پر عمل بھی کرتے تھے۔

میں اپنے عالی مرتبت اور جلیل القدر بزرگ ندویت کے میر کارواں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم، خانوادہ حسنی اور تمام ابنائے ندوہ کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں، یہ ہم سب کا مشترکہ غم اور درد ہے، اور اسی موقع پر یقین دہانی کراتا ہوں کہ ہم ندوۃ العلماء کی انتظامیہ کے ساتھ کھڑے ہیں اور مولانا سید محمد حمزہ حسنیؒ کی جگہ پر نئے انتخاب پر ہم لوگ ان شاء اللہ دست و بازو بنیں گے اور کسی بھی قسم کے اخلاقی، مادی اور معنوی تعاون میں دریغ نہیں کریں گے۔ الحمدللہ لاکھوں کی تعداد پر مشتمل ندوی برادری اپنے اندر بے شمار باصلاحیت افراد رکھتی ہے، ان کی اکثریت کا اپنی مادر علمی سے جذباتی تعلق ہے، وہ اس کی بقا، استحکام اور ترقی کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے رہیں گے، اللہ تعالی ہماری مادر علمی کی تمام شر و رفتن سے حفاظت فرمائے، دینی علوم کا جو چراغ یہاں روشن ہے اس کو قائم و دائم رکھے، اس کی روشنی و تابانی میں افزونی فرمائے۔

اس پُر محن وقت میں میں خصوصی طور پر مخدومی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی خدمت میں عرض کرنا چاہوں گا کہ مادر علمی کے لیے آپ کی طویل اور بے لوث گراں قدر خدمات کے ہم سب معترف، قدردان اور شکر گزار ہیں، آپ کی عمر عزیز کا ہر لمحہ ندوہ کے لیے وقف تھا اور ہے، مختلف اوقات میں ندوہ کو درپیش سازشوں، مخربانہ حرکتوں اور اندرون و بیرون کے تخریب کاروں کی معاندانہ چالوں، حاسدوں کے حسد اور مبغضین کے بغض کا جس صبر و تحمل حلم و بردباری اور حکمت و دانائی کے ساتھ آپ نے سامنا کیا اور ندوہ کے بقا و سالمیت، ترقی و استحکام کے لیے جس محنت شدہی یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ آپ نے جد و جہد کی وہ آپ کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے، ہم تو محض فضل و احسان کا اعتراف ہی کر سکتے ہیں، اجر عظیم تو خداوند عز و جل ہی آپ کی خدمات کے شایان شان عطا فرمائے گا۔ ہم پہلے بھی آپ کے خادم تھے، آئندہ بھی ہم آپ کے ساتھ کھڑے رہیں گے اور آپ جو بھی مستقبل کے لیے فیصلہ فرمائیں ہم اس کی تائید کو اپنے لیے باعث شرف و سعادت سمجھیں گے۔

☆☆☆

مولانا عمیر الصدیق ندوی

رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ و شریک ادارت ماہنامہ معارف

آہ! حمزہ بھائی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید محمد ثانی حسنی ندویؒ کے تذکرہ میں ان کے بھائی ہوں، دوست ہوں، ان سے فیض پانے والے ہوں یا پھر دور سے ان کی دید سے شرف پانے والے ہوں، یہ سب ایک تاثر میں متفق ہیں کہ مولانا مرحوم مزاج کے نرم، کھلی طبیعت والے اور گفتگو میں نرم دم، شفقت ومحبت سے لبریز لہجہ والے تھے، دوسروں کی مدد پر ہمہ وقت آمادہ، بڑے یہ سمجھتے کہ مولانا ان کی عظمت کے قائل و معتقد اور کمال یہ ہے کہ یہی احساس ان کے چھوٹوں کو بھی ہوتا، ایسوں کو کوئی اذیت نہیں دے سکتا لیکن دنیا تو انسانوں سے ہے اور ان میں ایسے وجود کم نہیں جو اپنا سلسلہ بنی نوع انسان کے دشمن ازلی سے قائم کر لیتے ہیں، مولانا مرحوم کو ایسوں سے بھی سابقہ پڑتا، دل ٹوٹ جاتا، دل تڑپ تڑپ کر رہتا مگر کظم غیظ اور عفو واحسان کا سب سے بڑا انسانی عمل ان کو اذیتوں میں بھی اطمینان و عافیت کی ٹھنڈک پہنچا دیتا۔

مولانا سید محمد ثانی حسنی ندویؒ کے بارے میں یہ سب پڑھا تھا لیکن اب یہ سب بڑے اعتماد سے ان کے صاحبزادہ اور ہمارے لیے مولانا محمد ثانی کے ثنیٔ مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ کی زندگی اور سیرت کے لیے مستعار الفاظ ہیں اور **الولد سر لأبیه** کی تعبیر وتفسیر کا ایک اور ثبوت بھی ہیں۔

دیکھا جائے تو خانوادۂ حسنی کی معلوم شخصیتوں میں جس تسلسل سے انسانی خوبیوں یا فضائل کا وجود ملتا ہے یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ سیئات ورذائل سے نفور نظر آتا ہے، اس پر تعجب تو ہو سکتا ہے لیکن یہ حیرت انگیز بہر حال نہیں۔

مولانا حمزہ حسنیؒ اور ہماری زبان پر حمزہ بھائی والی شخصیت نے شروع دن سے ایک تاثر قائم کیا، شروع دن کا لفظ ہم جیسے ماضی کی یادوں میں کھو جانے والوں کے لیے کسی متاع گم گشتہ کے سراغ اور بازیافت کی نعمت پانے کا دوسرا نام ہے، گذشتہ صدی کی ستر کی دہائی میں زندگی صحیح معنوں میں ندوہ کی فضاؤں سے شروع ہوئی، وہ دن بھی کیا دن تھے، پورے ملک سے نوعمروں کی اتنی بڑی تعداد ندوہ کی چہار دیواری نے نہ کبھی دیکھی تھی اور نہ ان آنے والوں کے سامنے کبھی رنگ، نسل، علاقہ اور زبان کی ایسی قوس قزح نمودار ہوئی تھی، مگر جو رنگ نمایاں تھے ان میں ضرور نظروں میں بس جانے والی چمک تھی، ان ہی چہروں میں ہمارے حمزہ بھائی بھی تھے، وہ سینئر تھے، امین آباد سے آتے تھے، ہاسٹل کے حدود و قیود سے آزاد تھے، دوسرے تمام طلبہ سے یوں الگ تھے کہ بولتے کم تھے، زیادہ ہنسی مذاق سے بھی گویا پرہیز تھا، گرم اختلاط تو بالکل نہ تھے، ہاں کرکٹ کا شوق تھا، کرکٹ بعض نگاہوں میں ثقاہت سے کہیں دور ہے، دیرینہ مذہبی شرافت وشناخت والوں کے لیے یہ کھیل اس لیے بھی ناگوار تھا کہ اس کھیل کے افسانوں سے برطانوی غلبہ کی بو آتی تھی، مگر امین آباد کی ایک نسل اس کو مشرف بہ اسلام کرنے کی نیت اور ہمت ضرور رکھتی تھی، ہم کو خوب یاد ہے حمزہ بھائی، احمد حسنی ان کے بڑے بھائی حسین بھائی، سجاد نعمانی، حسان نعمانی اور ان کے ساتھ ان کے چھوٹے شمعون وغیرہ تھے، ہمارے دیکھنے اور دیکھتے رہنے کے لیے بس کچھ یہی تھے، حمزہ بھائی اسپن بالر تھے، بالر عموماً پرزور آواز وانداز سے بیٹس مین کے آؤٹ ہونے کی اپیل کرتے ہیں لیکن حمزہ بھائی کی کم گوئی یا صوتی آہستگی یہاں بھی اپنا اثر دکھاتی، لگتا وہ اپیل نہیں دعا کر رہے

ہیں، ندوہ کی زندگی سے مایوس ہوئے لیکن ایک دو سال کے بعد ہماری رسوائی کے لیے اور کوچے مل گئے، ہم تاج المساجد بھوپال میں سجدہ ریز ہو گئے، پانچ برسوں کے بعد جب ندوہ کے دامن کا سایہ اور ہوا، دونوں کا جسم و جان سے رشتہ بحال ہوا اور چشم کے روشن اور دل کے شاد ہونے کا احساس ہوا تو وہی حمزہ بھائی پہلے سے برعکس اس رنگ میں نظر آئے جو خانوادۂ سید احمد شہیدؒ کی شناخت ہے، وہ عالم اور فاضل ہو چکے تھے، یہ تو ظاہری سند والی صفات ہیں، ان کا خانوادہ ہی علم و عمل اور فضل و فخر کی تمام نسبتوں کے لیے کافی ہے، ایک حضرت مولانا علی میاں ندویؒ ہی کیا، اس خانوادہ کے آسمان پر خدا جانے کتنے مہر و ماہ پر روشن وضیا بار ہوئے، لیکن کامل سے کامل تر ہونے کے لیے نئی دنیاؤں کی تلاش کی اپنی افادیت ہے، حمزہ بھائی نے جب شیخ الحدیث سے تعلق قائم کیا تو یہ عظیم والد کی نسبت کی تقویت تھی، وہ شاہ یعقوب مجددیؒ کے آستانہ پر بھی خود کو سنوارنے کے لیے نئے رنگ و روغن کی تلاش میں جاتے رہے، وہ خاموش رہنے والے انسان تھے اور بڑی خاموشی سے وہ ان فتوحات سے ہم کنار ہوتے رہے جن سے بعض بہت زیادہ بولنے والے محروم رہ جاتے ہیں، وہ عملاً پیغام دیتے رہے کہ سمندر کا سکوت اور ہے اور شور دریا اور ہے، کبھی یہ فرق وقت اور ماحول میں نظر انداز ہوتا ہے تو کبھی پوری شان سے عیاں بھی ہو جاتا ہے۔

ماہنامہ ''رضوان'' کی ادارت نے ان کو ملت کی بنیادی اور ضروری باتوں سے آشنا کرایا، وہ خاتونان سادات تکیہ کی مثالوں کو خاتونان اسلام میں عام کرنے میں اپنی صلاحیت کا بہترین نمونہ پیش کرتے رہے اور صحافت کی خود نمائیوں بلکہ لن ترانیوں میں بھی ان کے ساتھ ان کی خاموشی کی دولت تھی، خموشی گفتگو تب بنتی ہے جب دل سراپا درد بن جائے، وہ درد جس کے لیے امت کی بہترین زبانیں دعا کرتی ہیں کہ:

درد دل سینے میں رہ رہ کے ٹھہر جاتا ہے
جو نہ ٹھہرے وہ مجھے درد خدایا دے دے

حمزہ بھائی کے دل میں اگر درد رہا تو شاید یہی ان کی خاموشی و کم گفتاری کا سبب تھا، ان کے قابل رشک والد نے کبھی ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ میں ندوی ہوں نہ بدوی، میں تو بس فدوی ہوں، اس جملہ کی تشریح میں جو لکھا گیا وہی عین حمزہ بھائی کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ فدویت ان کے جسم و روح میں جاری و ساری رہی اور زمانہ کو بتاتی رہی کہ اصل ندویت یہی فدویت ہوئی، نثار ہونے کے لیے ایثار کی ضرورت ہوتی ہے اور ایثار صرف سادگی، عاجزی، مروت اور انکسار ہی نہیں عطا کرتا ناقابل برداشت کو برداشت کے قابل بھی بناتا ہے اور یہ سب ملتا ہے دعاؤں کے طفیل اور صدقے سے، ایک باپ کی اپنے بیٹے کے لیے ہر دعا وقف ہوتی ہے لیکن حمزہ بھائی کے والد رو رو کر کامیاب انسانوں کا واسطہ دے کر بار بار کہتے رہے کہ:

یارب دل حمزہ کو ایمان و یقیں سے بھر
عرفان محبت دے مالک اسے اپنا کر

ہم نہ صاحب دل نہ صاحب معرفت، مگر اتنا تو ہوش رکھتے ہیں کہ کسی دعا کی مقبولیت کا اثر دیکھ سکیں، شکستہ دل کی فریاد و فغاں میں جب زبان یوں لرزے کہ:

حمزہ ہے مرا لڑکا میرا ہے جگر گوشہ

تو پھر دعا کی مقبولیت سے انکار کوئی کیسے کر سکتا ہے، یہاں قابل رشک باپ کی بات آ گئی لیکن آداب فرزندی کا جلوہ بھی دیکھنے کے لائق ہے، حمزہ بھائی نے تحریر و تقریر کے انبار نہیں لگائے لیکن جب بھی کبھی لکھا وہ پڑھے جانے کے لائق لکھا، اپنے والد صاحب کے انتقال کی خبر دے کر ''رضوان'' کے قارئین سے یوں گفتگو کی کہ:

''ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہم کو ایسا شفیق اور محبت کرنے والا باپ دیا جس نے ہمیشہ میرے لیے دنیا کے مقابلہ میں دین کو پسند کیا، اول سے آخر تک دینی تعلیم دلائی اور دینی کام میں لگایا، میرے ایمان و عقیدہ کی فکر رکھی اور میرے لیے ایسی دعائیں مانگیں جو میرے لیے سراپا آخرت ہیں، ہر چیز اللہ کی ہے جو چاہے عطا کرے اور جو چاہے واپس لے لے، ہم

سب تو یقیناً اسی کے لیے ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے باپ کو توفیق بخشی کہ انہوں نے پوری زندگی اس کی فرماں برداری اور اس کے رسولؐ (آپؐ پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں) کی پیروی میں گزاری اور اس کے دین کی تبلیغ و اشاعت میں اپنی پوری زندگی کا ہر لمحہ صرف کرنے کی کوشش کی اور دم واپسیں تک اسی کے دین کی تبلیغ و اشاعت کے لیے آنے والوں کو نصیحتیں کرتے رہے، ہم اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ ہم تیری ہی عبادت کریں گے"۔

"رضوان" کا اپنا حلقہ ہے، جس میں ظاہر ہے خواتین کا حصہ زیادہ ہے، ان کے مزاج اور ذہن کو رکھ کر صبر اور رضائے الٰہی اور غم میں تسکین کی تلاش اور اصل مالک کی جانب رخ کرنے کا پیغام چھوٹی سی تحریر میں جس مؤثر انداز میں آ گیا وہ حمزہ بھائی کی تحریری صلاحیت کا خوبصورت ترین نمونہ ہے، اسی طرح ایک مرتبہ انہوں نے تعلیم کو ترقی کی شاہ کلید بتاتے ہوئے لکھا کہ مسلمانوں میں تعلیم سے دلچسپی کم ہونے کی وجہ سے زندگی کے ہر میدان میں ہم بحیثیت قوم زوال کا شکار ہو رہے ہیں، کئی فکر انگیز باتیں اس چھوٹے سے مضمون میں آ گئیں، پھر لکھا کہ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ میڈیکل کالج اور انجینئرنگ کالج جیسے ادارے قائم کرنے میں مسلمانوں کا کیا فائدہ ہے اور ان میں کتنے بچے پڑھ سکتے ہیں؟ لاکھوں روپے عطیہ دینے کے بعد داخلہ ملتا ہے، اس سلسلہ میں کوئی رعایت مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہوتی، دوسرے یہ کہ اگر ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے ادارے نہیں ہوں گے تو ان اعلیٰ تعلیمی اداروں کی سطح تک بچے پہنچیں گے کیسے؟

سادہ اور آسان زبان میں انہوں نے ایسی بڑی بات کہہ دی جس کو سمجھتے سب ہیں، کہنے کی ہمت کسی میں نہیں، تعلیم کے نام پر تجارت اور قوم و ملت کا لیبل لگانے والے اصلاً کسی بلند مقصد کے نہ حامل ہیں نہ قائل، وہ صرف دولت کی ہوس کے مارے ہیں، مگر ان کی اس تعلیمی لوٹ اور غارت گری پر افسوس ہے کہ انگشت نمائی کرنے والے بھی نہیں، حمزہ بھائی الفاظ کی سرمایہ داری کو بھی **زین للناس حب الشهوات** کی تفسیر میں شامل سمجھتے تھے، "تعمیر حیات" میں فلاح دارین کے نام سے ان کی تحریریں بظاہر چھوٹی لیکن معنوی حیثیت سے بہت بڑی ہیں، جن کو ان کی کم گوئی، نرم گفتاری اور صدق مقال کے پیمانے سے پہچاننے میں اور بھی آسانی ہوتی ہے۔

پہچاننا بھی انسان کو دی گئی نعمتوں میں سے ایک بڑی صلاحیت ہے، حمزہ بھائی مکتبہ رضوان میں ہوں، مشائخ وقت کے سامنے دوزانو ہوں یا پھر ندوہ کے ناظر عام یا نائب ناظم ہوں، ان کو پہچاننا کم گیا، دبیز شیشے والے چشمے کی نگرانی میں رہنے والی آنکھوں میں جھانکا بھی نہیں گیا، آج کی پرشور خودستائی اور کیمرے کی آنکھوں سے خودنمائی کے شور و غل بلکہ طوفان بے تمیزی میں تمیز و امتیاز کی اس گمشدگی کا کبھی نہ کبھی احساس ہوگا مگر اس احساس زیاں کو بعد از وقت ہی کہا جائے گا۔

ادھر آٹھ دس برسوں سے سال میں ایک دو روز پابندی سے ان کو قریب سے دیکھنے اور سننے کا موقع ملا، عموماً ضیاء عبداللہ، عبدالعزیز بھٹکلی اور احمد حسنی، نفیس احمد وغیرہ کے ساتھ مولانا عبداللہ عباس ندوی مرحوم کی رہائش گاہ میں دوپہر کا کھانا کھاتے، مجلس انتظامیہ کے سارے انتظامات کے بعد گوشہ گیری یا روپوشی کی یہ ادا ابھی ہر کسی کو نہیں ملتی، دسترخوان پر ان کی گفتگو بھی لطف و لذت کو بڑھانے کے لیے ہوتی، ہلکے سے تبسم کے ساتھ وہ چھوٹے سے چھوٹوں کو بڑا بنا دیتے، خود کو مخفی و مستور رکھنے کا ہنر بھی کیا عجیب فن ہے، لکھنؤ کے سیاسی حلقوں میں ان کا احترام اور ان کی رائے کا وزن بھی تھا، یہ بات بہت قریب کے ہمراہیوں ہی کو بڑی مشکل سے معلوم ہوئی، ایک بار فخر الدین علی احمد اکیڈمی کے اراکین کا اعلان ہوا، مولانا راشد کاندھلوی، مولانا فضل الباری، پروفیسر ظفر احمد صدیقی جیسے مشاہیر کے ساتھ ایک گمنام کا نام بھی تھا، عموماً سرکاری اکیڈمیوں میں الگ قسم کے لوگ ہوتے ہیں، سب کو تعجب ہوا کہ یہ انتخاب

حیرت مآب کس طرح وجود میں آیا، بعد میں معلوم ہوا کہ مشورہ لینے والے نے حمزہ بھائی کے در پہ دستک دی تھی لیکن خود انہوں نے کبھی بھول کر بھی اس حادثہ کی ہوا تک نہیں لگنے دی، رائے دینے سے زیادہ وہ مرحلہ سخت ہوتا ہے جب دوسروں کے لحاظ میں اپنے رائے دبا لینے کی آزمائش ہوتی ہے، گھٹن کے بڑھ جانے کی اذیت کو برداشت کرنا آسان نہیں، اخیر اخیر میں گھر اور دفتر دونوں جگہ ان کو وہ دیکھنے اور سہنے کو ملا جس کے لیے وہ تیار کیا ہوتے، کبھی ان کے حاشیہ خیال میں بھی ایسے وقت کا سایہ بھی نہیں گزرا ہوگا، توقعات کا اٹھ جانا، روح کو بسمل کر جاتا ہے، مرض کی تکلیف سے کہیں زیادہ کرب، بننے والوں کے بگڑ جانے سے ہوتا ہے، اس کا یقین حمزہ بھائی کے ساتھ چند ساعتوں کی نزدیکی سے ہوا، کوئی بات تو ہے کہ ان کی بہت سی خوبیوں کا علم ان سے سب سے قریب ہستیوں کو تب ہوا جب وہ بہت دور جا چکے تھے، لحاظ، تعلق، نیاز مندی اور کم سخنی کی کارفرمائی بھی درجات میں بلندی کی کیسی ضامن بن جاتی ہے۔ بہتر سال کی عمر کو بہتر سے بہتر بنا دینا یہ بھی کرامت ہے اور کرامتوں کا یہ ظہور ان کے خانوادے کے لیے بہر حال نیا نہیں کہا جا سکتا۔

○○○

اس وقت مدارس اسلامیہ پر دشمنان اسلام کی یلغار ہے حیرت کی بات یہ نہیں ہے کہ امریکہ اور اس کے حواریوں کا حملہ مدارس پر ہو، وہ تو ہوگا ہی، کیونکہ مدارس اسلام کے قلعے ہیں اور عیسائی اور یہودی اس بات کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں کہ جب تک علم دین کے یہ چشمے جاری رہیں گے وہ اسلام کو نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے اس لئے انہوں نے بڑی تیاری کے بعد اپنے حملوں کا رخ مدارس کی طرف کیا ہے اور اپنی پوری توانائی و طاقت اس میں جھونک دی ہے۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمارے وہ مسلمان جو اپنے کو ترقی یافتہ سمجھتے اور کہتے ہیں وہ بھی دانستہ یا نادانستہ دشمنان اسلام کی اس مہم میں شریک ہو گئے ہیں۔ کچھ تو مغربی ملکوں کے پروپیگنڈہ کا شکار ہو کر اور کچھ ذہنی طور اس قدر مغربیت زدہ ہیں کہ اس چیز کو جو یورپ کی طرف سے آئی ہو یا یورپ کی ہوا اس کو لگ گئی ہو اس کو وہ تریاق سمجھتے ہیں اور اسی کو موجودہ دور کے لئے بہترین نمونہ زندگی جانتے ہیں وہ اس پر ذرا غور نہیں کرتے کہ یورپ ان کا ہمدرد کیسے ہو سکتا ہے جس نے صدیوں سے دشمنی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے علاوہ کوئی اور خدمت نہیں انجام دی۔ مسلمان ملکوں کو اپنا زبردستی غلام بنایا ان کے ملکوں کی دولت کو ان سے چھین کر یورپ پہنچانا علم اور ثقافت کے نام پر ہماری تہذیب و تمدن کو مٹانا اور ہر طرح کے ظلم و زیادتی کر کے مغربی تہذیب کو مسلط کرنا اور اس راہ سے عیسائیت کو پھیلانا یورپ کا قدیم زمانہ سے شعار رہا اس کے علاوہ صنعتی طور پر مسلمان ملکوں کی صنعت و حرفت کو مٹا کر یورپ کے کارخانوں کے مال کی منڈی بنانا ایک تاریخی حقیقت ہے جس کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ ایسے دشمنوں کو دوست سمجھنا ایک ناعاقبت اندیشی ہے جس کا نتیجہ سوائے تباہی و بربادی کے کچھ اور نہیں جو لوگ عصری تعلیم کو ضروری سمجھتے ہیں ان کے لئے میدان عمل کھلا ہوا ہے وہ جدید ادارے کھولیں اور جو اس میں پڑھنا چاہتے ہیں ان کو پڑھائیں لیکن مدارس اسلامیہ کو ان کی راہ سے ہٹا کر جدید علوم کا مرکز بنانا سوائے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے کوئی اور مقصد نہیں ہے۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

عالم اسلام کی بلند پایہ، علمی و دینی حلقہ کے معروف شخصیت

مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

کے خصوصی نمبر کے نکلنے پر ماہنامہ ''رضوان'' کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

Mohammad Salim Chishti
Mohammad Naseem Chishti
Mohammad Wasim Chishti
Mohammad Naeem Chishti
Abdul Raheem Chishti

Always Insist "FAIZ" Brand
Exercise Note Book, Register, File
Manufactured by

STANDARD PAPER PRODUCTS

1- Zamir Mansion, Gwynne Road, Aminabad, Lucknow-226018
Phone : + 91-9415108886, +91-9415127772, +91-5222621708
Email : faiz.standard@gmail.com

مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری
صدر کلیۃ الدعوۃ الاعلام دار العلوم ندوۃ العلماء

نفس مطمئنہ کی عملی تصویر

جناب مولانا حمزہ حسنی ندوی مرحوم

اللہ رب العزت نے انسان کو جوڑ کے لئے پیدا کیا ہے، توڑ اس کی فطرت کے خلاف ہے، اس کی نفسیات کے منافی ہے، مختلف صلاحیتوں کو جمع کر کے وصل کی کیفیات پیدا کرنا یہ خدائی حکمت اور اس کی خلاقیت کی نشانی ہے۔ انسانی اعضاء میں مختلف صلاحیتوں کی فعالیت پائی جاتی ہے، ہر ایک دوسرے عضو کے منافی ہے، لیکن سب میں ایسا جوڑ ہے کہ جس سے ایک حسین قالب کا پیکر وجود میں آ جاتا ہے، یہ اس حقیقت پر دال ہے کہ انسان کو اللہ رب العزت نے جوڑ کے لئے پیدا کیا ہے۔ توڑ اس کے منشاء تخلیق کے منافی ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے نائب ناظم جناب مولانا حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی جوڑ کی آئینہ دار تھی۔ وہ اہل علم و فضل میں درشاہوار کی طرح دمکتے تھے، اور مروارید کی طرح چمکتے تھے۔ ان کا قرب تسکین کا باعث تھا، دوری ہیبت پیدا کرتی تھی اور خاموش مزاجی اور پرسکون رہنا ان کا شیوہ تھا، وہ ندوۃ العلماء کے نظام کو فروغ دینے میں کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے، ان کی ذات ہمزہ وصل کا کردار کرتی تھی۔ جس کی وجہ سے ہر شگفتگی دیدہ زیب ہو جاتی تھی۔ دائم الفکرہ تھے، ہمہ وقت ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی فکر میں غلطاں رہتے تھے۔ وہ صاحب قلم، روشن دماغ، دور بیں اور دوررس کردار کے حامل تھے۔ ان کے نوک قلم نے بہت سی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھایا ہے اور معاشرتی مسائل کو واشگاف انداز میں صفحہ قرطاس پر پیش کیا ہے۔ وہ ماہنامہ رضوان کے مدیر تھے، جو ماحول کی برہمی اور حالات کی ناسازگاری کے باوجود برابر دل و دماغ پر دستک دیتا رہا اور ذہن رسا کی روشنی میں رہبری کا فریضہ انجام دیتا رہا۔

مولانا حمزہ حسنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا وصف ان کا وہ تحمل ہے جو پہاڑوں کی صلابت کا خمیر رکھتا تھا۔ حالات کیسے کیسے پیش آئے، لیکن تحمل کا دامن نہیں چھوڑا، مخالفین کے خلاف ایک لفظ نہیں کہا، آخر وقت تک ان کے حق میں دعا گو رہے، اور تندخوئی کا جواب مسکرا کر دیتے رہے، اس کا ہمیشہ خیال رکھا کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ کسی سے کبھی برملا وہ نہیں الجھے، نہ ہی سب وشتم کیا، نہ دل کو توڑا، بلکہ حتی الامکان ہر ایک کی سنتے اور فیصلہ صائب فرماتے، اور صائب مشورہ بھی دیتے۔

وہ اپنے خاندان میں تو محبوب تھے ہی، ندوے کے علمی خانوادہ میں بھی محبوب تھے، ان کی ذات بڑی برکتوں کی حامل تھی، ان کے ناظر عام ہونے کے بعد ندوہ میں تعمیراتی کام کو جو فروغ ہوا وہ انہیں کا حصہ ہے، ندوہ کا تعمیر وترقی کا شعبہ ان کے دور میں جتنا فعال ثابت ہوا، وہ ہر کس و ناکس کے سامنے ہے۔ رواق ابوالحسن، رواق حبیب، رواق سلیمانیہ کی تکمیل، اسپتال کی تعمیر اور ندوۃ العلماء کی عالیشان مسجد نیز رواق محمد علی مونگیری ان کی عظیم محاسن کا ایک حصہ ہیں، وہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے، اللہ عزوجل نے انہیں ایک انمول ہستی بنایا تھا۔ فکری جلاء، ذہن رساء، اور عقل کی مشاطگی کے فن سے وہ خوب واقف تھے، وہ بڑے باپ کے بیٹے اور علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ ان کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کے برادر اکبر حضرت مولانا محمد ثانی نور اللہ مرقدہٗ تھے، جو علمی وجاہت کے

ساتھ اہل اللہ کی صحبتوں سے فیضیاب تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے معتمد علیہ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے محبوب تھے۔ علم و فضل و اخلاق اور بلند نظری، حوصلہ مندی کے سرچشموں سے خوب استفادہ کیا تھا۔ قلم کے دھنی اور شعر و سخن کی شانہ کشی میں طاق تھے۔ جناب مولانا حمزہ حسنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان میں بہت سی صفات کے حامل تھے۔ جس کا ترشح ان کی ذات والا صفات سے ہوتا رہتا تھا۔ وہ ناظم ندوۃ العلماء اور مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مابین بیت القصید کا رول ادا کرتے تھے۔ ہر ایک کے مزاج سے آشنا اور ہر ایک کے ادب و امتیاز کو ملحوظ رکھتے تھے۔

باہم جوڑ کا وصف اسلاف کے اوصاف حمیدہ کا اثر تھا اور یہ وصف اہل سنت والجماعت کے امتیازی صفات میں سے ہے۔ یہ اہل بیت سے محبت بھی رکھتے تھے، اور اصحاب رسولؐ کی عظمت کے بھی قائل تھے، یہ اہل روافض کی طرح توڑ کے قائل نہیں، جو اہل بیت کی محبت میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

اہلسنت جس طرح حضرت ابوبکرؓ کی شان بیان کرتے ہیں، اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ کی شان میں بھی قصیدہ خواں ہیں، اہلسنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کو ماننے والے ہیں۔

لہٰذا ہم اسلاف کو دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیٹے کا نام عمرو تھا، عمرو کے دو بیٹے زید اور عبداللہ تھے، زید کی شادی سکینہؓ سے اور عبداللہ کی شادی فاطمہ سے ہوئی اور یہ دونوں شہید کربلا حضرت حسینؓ کی بیٹیاں تھیں، حضرت سکینہ کربلا کے واقعہ میں موجود بھی تھیں یہ بنی ہاشم اور بنوامیہ کے درمیان اس جوڑ کی مثال ہے جس سے باہمی محبت کے پھول کھلتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی پوتیاں اور حضرت عثمانؓ کے پوتے کا باہم نکاح جوڑ کی دلیل ہے۔ اسی سلسلۃ الذہب کی حسین کڑی جناب مولانا محمد حمزہ صاحب رحمۃ اللہ تھے:

تم نے ان کے گریبان دریدہ کئے
جو تمہارے گریبان سیتے رہے
یہ انہیں کا جگر تھا کہ ہر حال میں
مسکراتے رہے زہر پیتے رہے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند حضرت ابان ہیں، ابان کا نکاح حضرت جعفر طیارؓ کی نواسی ام کلثوم سے ہوا، حضرت جعفر طیار کی شہادت کے بعد بولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ نکاح ہوا، یہ جوڑ تھا جو دونوں خانوادوں میں قائم تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت قاسم ہیں، مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں ہیں، ان کی بیٹی ام فردہ ہیں، جو امام جعفر صادق کی ماں ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت قاسم ایک بیٹے سے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پوتی اسماء دوسرے بیٹے سے، ان دونوں قاسم اور اسماء سے ام فردہ پیدا ہوئیں، جو حضرت جعفر صادق کی والدہ ہیں۔ حضرت جعفر صادق کہا کرتے تھے کہ: ''ولدنی ابوبکر مرتین'' (مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ جنا ہے)

یعنی حضرت ابوبکرؓ سے آپ کی دوسری نسبت تھی، اس پر وہ فخر کرتے تھے۔ یہ جوڑ نہیں تو کیا ہے۔

اسی جوڑ کے، باہمی مودت و محبت کے، حسن انجام کے، عزت واحترام کے داعی جناب مولانا حمزہ حسنی نوراللہ مرقدہٗ تھے۔ ان کی پوری زندگی اس سے عبارت تھی، اور اخیر میں اس میں قائم رہے۔ اپنے اسلاف کے منہج و طریقہ زندگی کو سینے سے لگائے رکھا، اور اس نعرۂ مستانہ کے ساتھ داعی اجل کو لبیک کہا، اور نفس مطمئنہ کی عملی تصویر بن کر رب کے حضور حاضر ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے اور ان کا نعم البدل عطا فرمائے، جو ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کو باحسن وجوہ تکمیل کو پہنچائے۔ آمین

مولانا شاہ عین الحیدر کاکوروی
(سجادہ نشین خانقاہ کاظمیہ ابو سعید یہ ولی اللہیہ کاکوری لکھنؤ)

امّا حمزہ فلا باکی لہ

رنج وغم اور درد والم میں ڈوبا ہوا یہ فقرہ زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُس وقت ادا ہوتا نظر آرہا ہے۔ جب سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسد اطہر خاک وخون میں غلطیدہ زمین پر پڑا نظر آرہا ہے۔ ظالموں نے آپ رضی اللہ عنہ کے تن اقدس کے مختلف اعضاء کو جسد اطہر سے جدا کر کے اپنی شقاوت قلبی کا ثبوت دیا ہے۔ تاجدار کائنات سرور انبیاء و مرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الغابرین ہیں اپنے محبوب چچا کی اس مظلومانہ شہادت پر گریہ فرماتے ہوئے یہ فقرہ فرماتے ہیں جو عربی ادب میں ضرب المثل بن کر رہ گیا۔

جس وقت اس حقیر نے محبّ مکرم حضرت مولانا سید حمزہ حسنی علیہ الرحمۃ کے سانحۂ ارتحال کی روح فرسا اور جاں گسل خبر سنی تو گویا دل پر بجلی سی گر پڑی اور بے اختیار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مندرجہ بالا فرمان یاد آ گیا۔ قرآن مجید کا حکم ہے کہ اچھے اچھے نام رکھا کرو۔ عم نامدار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام نامی سے نسبت اُس مرد مومن کے کام آ گئی کہ مرتبۂ شہادت پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فائز فرمایا۔ واضح ہو کہ احادیث مبارکہ میں شہادت کی اقسام میں "سیلون" یعنی پیٹ کی بیماری میں موت ہونے والے کو بھی شہید فرمایا گیا ہے۔

خونِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جو سبط اکبر حضرت امام حسن علیہ السلام کی مقدس رگوں میں دوڑتا تھا وہی خون تو حضرت مولانا کی رگوں میں گردش کر رہا تھا۔ اکثر و بیشتر مولانا اپنے جد مکرم یعنی سبط اکبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر لاتے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "تارک السلطنت" کے نام سے یاد فرماتے۔ نصف صدی پر محیط اس عرصہ میں اس خاکسار نے مولانا کو تارک الدنیا پایا۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "**کن فی الدنیا کانک مسافرا او عابر سبیل**" کا مصداق اگر کسی کو دیکھنا ہے تو وہ مولانا سید حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لے۔ لباس کی سادگی قیام و طعام میں سادگی۔ امین آباد میں مولانا کی کتابوں کی دکان سے ملحق مولانا کی آرام گاہ پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ بہت چھوٹا سا ایک کمرہ ایک چارپائی چاروں طرف مختلف علوم کی کتابیں۔ یہ چھوٹا سا کمرہ دیکھ کر آپ کو زہد و تقویٰ فقر و درویشی عاجزی اور فروتنی کا ایک ایسا محل نظر آئے گا جو زبانِ حال سے کہتا نظر آئے گا:

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

اس حقیر کی بہتر سالہ زندگی میں جو عالم باعمل نظر سے گزرے جنہیں علم کا ذرہ برابر بھی پندار نہ ہو۔ جن کی سادگی بے نیازی اور غنا دیکھ کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ ہو اُن میں سے ایک حضرت مولانا سید حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

آج تک اس حقیر نے مولانا کو قہقہہ لگاتے نہیں دیکھا شاید اس حدیث مبارکہ کے پیش نظر "**اجتنبوا من کثیر الضحک مانه یمیت القلب**" ان کا تبسم زیر لب ایسا دلفریب ہوتا کہ خمار مرحوم کا یہ شعر یاد آتا ہے:

لبوں پر تبسم نگاہوں میں مستی
اداؤں کے جھرمٹ میں وہ آرہے ہیں

یہ حقیر قدرے گراں گوش واقع ہوا ہے۔ مولانا جب گفتگو فرماتے تو کان لگا کر سنتا۔ ایک بار مولانا سے عرض کیا کہ سورۃ حجرات کی آیت "**لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی**" پر عامل میں نے

صرف آپ کو ہی پایا۔

حضرت مولانا کے خاندان سے اس حقیر کے اسلاف گرامی کے صدیوں سے روحانی تعلقات رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد الحسنیؒ نے اپنی کتاب ''تذکرہ شاہ علم اللہ رائے بریلویؒ'' کے مقدمہ میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی ندوی قدس اللہ سرہٗ اس حقیر کی یاد میں متعدد بار خانقاہ کاظمیہ کاکوری تشریف لائے ہیں۔ ایک مرتبہ پیر و مرشد برحق حضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ حیدر قلندر قدس سرہٗ العزیز (سجادہ نشین تھم خانقاہ کاظمیہ قلندریہ) سے فرمایا ''کاش آپ حضرات کبھی اپنے اسلاف گرامی کی قبور مطہرہ کی زیارت کے لئے تکیہ رائے بریلی تشریف لایئے۔'' (جہاں عارف کامل حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلوی قدس سرہ العزیز اور آپ کے مقدس خانوادہ کے افراد آسودۂ خواب ہیں) تضاد قدر کا فیصلہ کہ حضرت کی حاضری تو ہو نہ سکی البتہ یہ حقیر سراپا تقصیر اپنے داماد سید سراج اجملی سلمہٗ اور اپنے بیٹے ذین الحیدری علوی عرف جنید مصطفیٰ سلمہٗ کے ہمراہ بغیر کسی پیشگی اطلاع کے تکیہ پر حاضر ہوا۔ حاضری کے وقت اچانک حضرت سرور شہیدؔ کا یہ مصرعہ یاد آ گیا:

''یک قبلہ گزیں و تکیہ بر غیر ممکن''

اُس تکیہ معرفت پر حاضری کے وقت دل کی عجیب کیفیت تھی:

وہ سامنے ہیں نظام حواس برہم ہیں
نہ آرزو میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے

مسجد اس کے برابر ایک تناور درخت نیچے بہتا ہوا دریا۔ عجیب روح پرور منظر تھا۔ وضو کیا مسجد میں نماز ادا کی مشہور فارسی شاعر عراقی کا یہ شعر یاد آ کر دل کو تڑپا گیا:

بہ زمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد
ز کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

جب میرے بیٹے نے میرے موبائل سے مولانا حمزہ صاحبؒ کو فون کیا اُس وقت مولانا ندوۃ العلماء میں تھے۔ دیر تک اس اچانک اور بلا اطلاع حاضری پر تاسف کا اظہار فرماتے رہے بعد ازاں کچھ حضرات کو اطلاع دی انہوں نے ہم لوگوں کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ قبور مطہرہ پر حاضری دی تو بے اختیار منھ سے نکلا۔

"اللهم انی جئت اليك متوسلا بعبادك الصالحين الذين لا خوف عليهم ولا هم يحزنون"

حاضری کے بعد کیف و سرور کی وہ کیفیت کاکوری واپسی تک برقرار رہی۔ کاش یہ کیفیت دائمی اور ابدی ہوتی مگر علائق ذنوی بچپن میں مولوی اسماعیل میرٹھیؒ کی پڑھی ہوئی کسی کتاب کے اس شعر کی یاد دلاتے رہے:

شہد میں جیسے مگس ہم حرص میں پابند ہیں
وائے غفلت اس سیہ زنداں میں یوں خورشید ہیں

ایک بار کا واقعہ ہے وقف بورڈ کے دفتر میں ہم لوگوں نے عصر کی نماز مسجد میں ادا کی بعد نماز عصر مولانا حمزہ صاحبؒ سے مصافحہ اور معانقہ کے بعد میں نے بے اختیار مولانا کی دست بوسی کی۔ اس اچانک حملہ سے مولانا دنگ رہ گئے اور انتہائی عاجزی و ندامت کا اظہار فرمایا۔ اس حقیر نے عرض کیا کہ ابھی عصر کی نماز میں اس احقر نے آپ کے جد امام حسنؓ سے منسوب دعائے حسنی معمول کے مطابق پڑھی تھی جو توحید خالص یقین محکم اور بارگاہ الٰہی میں عجز و نیاز کا اچھوتا نمونہ ہے واضح ہو کہ یہ دعا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رویاء میں اپنے پیارے نواسہ کو تعلیم فرمائی تھی۔

مولانا کی امین آباد میں واقع کتابوں کی دکان پر اکثر حاضری ہوتی۔ مولانا کوئی نہ کوئی کتاب ہدیہ فرماتے۔ ہمارے اجداد میں حضرت شاہ تراب علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ (1769-1858ء) سے مولانا کو خاص ارادت تھی۔ حضرت کی مشہور و معروف کتاب ''مطالب رشیدی'' جو فی الوقت نایاب تھی اس کی فوٹو کاپی کرا کر اس حقیر نے مولانا کو پیش کی تو بے انتہا مسرت کا اظہار فرمایا۔

ایک ملاقات پر مولانا نے بیان فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں آپ کی خانقاہ میں حاضر ہوا ہوں آپ کے والد ماجد (مولانا شاہ مصطفیٰ حیدر قلندرؒ) رونق افروز ہیں میرے سر پر دست شفقت رکھا اور آپ سے فرمایا ''ارے بھئی مولانا حمزہ

صاحب کو قلفی لاکر کھلاؤ'' آپ ایک پلیٹ میں قلفی لے کر آئے۔ حضرت نے فرمایا ''مولانا شہر میں آئس کریم تو مل جاتی ہے مگر قلفی نہیں ملتی۔'' میں نے قلفی کھانا شروع کی بے انتہا لذیذ میں سیر ہوگیا لیکن قلفی پلیٹ میں اُسی طرح بھری رہی، مولانا کی زبان سے یہ خواب سن کر اس حقیر نے عرض کیا ''مولانا قلفی چار حروف کا مرکب ہے اور انسان کی تخلیق بھی چار ہی عناصر سے ہوئی۔ ق۔ ل۔ ف۔ ی۔ ''ق'' سے مراد قوت ایمانی ''ل'' سے مراد ''لاموجود الا اللہ'' ''ف'' سے فراستِ ایمانی اور ''ی'' سے یادالٰہی۔ ان صفت حسنہ کو زوال کہاں؟ دودھ اور شہد یوں بھی حلاوت ایمانی کی سمت اشارہ کرتے ہیں۔ جواب میں مولانا نے حسب عادت خفیف سا تبسم فرمایا۔ اس حقیر نے عرض کیا آپ کے اس تبسم پر یہ شعر عرض ہے:

اک تبسم حسیں شور کائنات ہے
اک کلی جہاں کھلی دور تک خبر گئی

راقم احقر گزشتہ گیارہ سال سے سرطان جیسے موذی مرض کا شکار ہے۔ جب کبھی مولانا سے دُعا کے لئے درخواست کرتا تو فرماتے ''اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے قرب سے نوازے'' کس کو خبر تھی کہ یہ ناکارہ مولانا کی یاد میں اشک ریزی کے لئے رہ جائے گا اور مولانا **"فاما کان من المقربین فروح و ریحان و جنت النعیم"** کی اُلوہی بشارت سے شاداں و فرحاں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا سید حمزہ حسنی علیہ الرحمہ کے درجات بلند فرمائے نیز اُن کے صاحبزادگان اور اُن کے بھانجے مولانا سید عمیر حسینی سلمہم کو اللہ تعالیٰ ان کا نقش جمیل بنائے۔ آمین یارب العالمین بحق طٰہٰ ویٰسین و آلہ ال.....

○○○

آج کل مسلمانوں کے جو حالات ہیں وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ چاہے سیاسی معاملات ہوں یا معاشرتی ہوں ہر جگہ مسلمان پستی کا شکار ہورہے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ اسلامی اور ملی جذبہ سے محرومی ہے۔ ہمارے اسلاف ہر معاملہ کو اسلامی نظر سے دیکھتے تھے۔ ذاتی نفع اور نقصان ان کے مدنظر نہیں رہتا تھا۔ اس کی وجہ سے مسلمان ہر میدان میں ترقی کرتے رہے جو معاملات خالص دین سے تعلق رکھتے تھے وہ بھی اور جو خالص دنیا اور حکومت سے تعلق رکھتے تھے وہ بھی اعلیٰ معیار کے ہوتے تھے اور دنیا کی غیر مسلم قومیں مسلمانوں کو صرف دیکھتے اور ان سے معاملہ کرتے سے اتنی متاثر ہوتی تھیں کہ اسلام قبول کرلیتی تھیں۔ حتیٰ کہ کسی جنگ میں ایک مسلمان نے بھی اگر کسی مخالف کو پناہ دے دی تو پوری فوج اس کی پاسداری کرتی تھی۔

لیکن آج ہمارا کیا حال ہے عام معاشرہ میں ہم ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں کرتے، بھائی بھائی سے ہوشیار رہتا ہے۔ ہر خاندان آپسی جھگڑوں سے پریشان ہے۔ ایک دوسرے کے نقصان سے بجائے رنجیدہ ہونے کے خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مدد کرنا تو دور کی بات ہے۔

دوسری قوم کے افراد جو ہمارے بزرگوں کے پاس بڑی سے بڑی رقم بطور امانت رکھاتے تھے آج ہم سے چھوٹے سے چھوٹا معاملہ کرنے سے بچتے ہیں۔ تجارتی حلقوں میں مسلمانوں کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ گئی ہے۔

جیلوں میں مسلمان قیدیوں کی تعداد ان کی آبادی کے لحاظ سے کہیں زیادہ ہے۔ بڑے سے بڑے جرائم کے مرتکب مسلمان ملیں گے۔ تعلیم میں پیچھے، تجارت میں پیچھے، سیاست میں پیچھے، سرکاری نوکریوں میں پیچھے، رفاہی کاموں میں پیچھے، غرض کہ پسماندگی ان کی اصل زندگی بن گئی ہے۔

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہم غور کریں کہ ہم کہاں جارہے ہیں۔ کیا اسی طرح گرتے جائیں گے۔ کیا تباہی و بربادی ہمارا مقدر بن جائے گی۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

مولانا محمد حسان نعمانی ندوی
ناظم کتب خانہ ''الفرقان'' نظیر آباد، لکھنؤ

میرے ہمدم، میرے دوست، میرے رفیق، میرے بھائی

مولانا سید محمد حمزہ حسنی رحمہ اللہ

ماہ رمضان المبارک کا آخری جمعہ یعنی جمعۃ الوداع کا دن تھا، اس دن میرے نواسے شہیر فیصل سلمہٗ نے صبح ہی سے کہہ رکھا تھا کہ آج اس کا قرآن ختم ہے یعنی اس کا دور پورا ہو رہا ہے، آپ ختم کرادیں، ہمارے یہاں کسی بچے کا قرآن ختم ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کا قرآن ختم کرایا جائے، اللہ کا شکر ہے کہ اس کی توفیق سے ہمارے یہاں خاص طور پر رمضان المبارک میں یہ معمول رہتا ہے کہ کسی بچے کا قرآن کا دور مکمل ہو تو ختم قرآن کی دعا کرائی جاتی ہے اور ایصال ثواب کا اہتمام بھی۔ اتفاق سے اس دن اس عاجز اور اس کے ساتھ گھر کے کئی افراد کا بھی قرآن کریم کا دور مکمل ہوا تھا۔ افطار میں کچھ منٹ باقی تھے، دعا کی قبولیت کا خاص وقت تھا، یہ عاجز ختم قرآن کی عربی دعا کرانے کے بعد اسی دعا کو اردو میں کرا رہا تھا تاکہ بچوں کو بھی دعا سمجھ میں آئے، کہ اچانک موبائل کی گھنٹی بجی، سب دعا میں منہمک تھے کسی نے توجہ نہیں کی، پھر WhatsApp پر وائس میسج آیا تو بچی نے اُٹھا کر فون دیا کہ چھوٹے ابی (یعنی برادر عزیز مولانا سجاد میاں) کا میسج ہے۔ سننے کی کوشش کی تو آواز صاف نہیں تھی، دوبارہ کان سے لگا کر سننے کی کوشش کی تو اُدھر سے آواز آئی کہ ''آپ کو شاید خبر مل چکی ہوگی کہ حمزہ بھائی بھی اللہ کو پیارے ہو گئے، ابھی شاید ۲۰۔۲۲ منٹ پہلے آخری سانس لی۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون''۔ خبر بجلی بن کر گری، کچھ اور تو وائس میسج میں تھا نہیں، شاید وہ بھی غم کے اثر سے اور اس خیال سے کہ اس خبر سے میرے اوپر کیا گذرے گی کچھ اور کہنے سے قاصر تھے۔ کوشش کی کہ ختم قرآن کی اردو دعا کا سلسلہ جاری رہے، لیکن بار بار کوشش کے باوجود کسی طرح ممکن نہ ہو سکا۔ اس دعا کو چھوڑ کر خاص طور پر ان کے لئے مغفرت کی دعا اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا۔ اللہ نے اس وقت دعا کی خاص کیفیت سے ہمکنار کیا، دعا کے سب شرکاء پر زبردست گریہ طاری رہا۔ یقیناً یہ اُن کی کرامت تھی کہ روح کے پرواز کرنے کے شاید آدھے گھنٹے کے اندر ان کو ۳۔۴ قرآن پہنچ چکے تھے۔ اور یہ اس عاجز سے اُن کا تعلق تھا کہ اللہ رب کریم نے اس عاجز کو اور اس کے گھر والوں کو اس کی توفیق دی۔

کوئی ایسا نہیں جس کو اس دار فانی سے جانا نہ ہو لیکن اس ایک ڈیڑھ ماہ میں قریبی رشتے دار، دوست واحباب، تعلق والے اتنی بڑی تعداد میں گئے ہیں کہ دین سے تعلق نہ ہوتا تو شاید ان کا برداشت کرنا ممکن ہی نہ ہوتا۔ اسی رمضان میں تیسرے روزے کو برادر عمزاد مولانا عبد المومن، اور پانچویں روزے کو اس عاجز کے اور مولانا حمزہ کے انتہائی قریبی دوست، بچپن اور کھیل کے ساتھی غلام نصیر الدین قریشی راہیٔ ملک بقا ہوئے۔ خاص کر ان دونوں اور ان کے علاوہ اور بھی متعدد متعلقین کا غم ابھی ہلکا بھی نہیں ہوا تھا کہ مکتب سے عالمیت تک درجہ بدرجہ ساتھ تعلیم حاصل کرنے والے، کھیل کے بھی ساتھی اور ایک طرح سے ہم کاروبار بھی، ہر ہر مسئلہ میں باہم مشورہ کرنے والے مولانا حمزہ حسنی نے بھی داغ مفارقت دے دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، اور تمام اہل خانہ، متعلقین، دوست احباب تمام سوگواروں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ موجودہ حالات کی اس ستم ظریفی

نے اس غم کو دو آتشہ کر دیا کہ نہ تو ان کی نماز جنازہ میں شرکت ہو پائی اور نہ تدفین میں۔ کیونکہ میں خود تو اس حال میں نہیں رہا تھا کہ خود جا سکوں اور کوئی لے جانے والا نہیں ملا، جس پر زور تھا اس نے بھی یہ کہہ کر روک دیا کہ آپ کے لئے بھیڑ میں جانا درست نہیں ہے۔ اس غم اور محرومی نے دو تین ہفتے تک تو کسی کام کا نہ رکھا۔

ایک بڑا غم یہ رہا کہ ان کے مرض کی سنگینی کی مجھے ہوا بھی نہیں لگی۔ ایک ایکسیڈنٹ کی وجہ سے تقریباً ڈیڑھ ماہ تو میں گھر سے ہی نہیں نکل سکا، ان کے سحر میں داخلہ کی اطلاع مل چکی تھی،، باہر نکلنے کے قابل ہوا تو سب سے پہلے یہ کام کیا کے ان کے پاس حاضر ہوا، پھر رمضان المبارک شروع ہونے سے قبل والے اتوار کو یہ عاجز آخری بار ان کے پاس سحر نرسنگ ہوم حاضر ہوا تھا، وہاں بتایا گیا کہ ان سے بات کرنے کو ڈاکٹروں نے منع کیا ہے، ان کے صاحبزادے آئی سی یو میں لے کر گئے، مجھے دیکھ کر کچھ بات کرنا چاہا تو میں نے کہا کہ میں بات کرنے نہیں آیا ہوں صرف دیکھنے آیا ہوں، بات انشاء اللہ بعد میں کر لیں گے بس جلدی سے ٹھیک ہو جایئے۔ اس کے بعد بھی اپنے بیٹے سے کہنے لگے کہ ”دیکھو یہ میرے بھائی ہیں“۔ میں چند منٹ رک کر اور اشارہ سے سلام کر کے واپس آ گیا، باہر آ کر مولانا محمود حسنی سے مرض کی تفصیل اور ان کا حال معلوم ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ سحر ہسپتال سے گھر آ گئے، اور پھر کسی ٹسٹ کے لئے کچھ دن علی گنج کے کسی ہسپتال میں رہے، وہاں سے ندوہ منتقل ہو گئے، قریبی متعلقین سے ان کی طبیعت کے متعلق فون سے معلومات حاصل کرتا رہا، یہی معلوم ہوتا رہا کہ بہتر ہیں بس غذا نہیں ہضم ہو رہی، اپنی نااہلی کہ ماہ مبارک میں عیادت کے لئے ندوہ حاضر نہ ہو سکا۔ اس سب نے غم کو دوبالا کر دیا جس نے دعا اور ایصال ثواب کو مستقل رکھا۔ اللہ ان کے حق کے مطابق دعا اور ایصال ثواب کی توفیق دیتا رہے اور قبول فرمائے۔ نیز ان کے تعلق اور محبت کی وجہ ہی سے جنت میں بھی ان کا رفیق بنا دے۔

آمین ثم آمین

ہر وقت آنکھوں میں ان کی شخصیت اور ان کیساتھ گذرے اوقات گھومتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس عاجز پر بے انتہا احسانات ہیں ان میں سے ایک بڑا احسان بے حد مخلص دوست اور ایسے گھرانے سے گھر جیسا تعلق بھی ہے۔ لکھنے کو بیٹھوں تو پوری کتاب ہو جائے،، بس کچھ سنہری یادوں کا تذکرہ کرتا ہوں۔

جہاں تک یاد ہے سن ۱۹۵۵ء یا ۱۹۵۶ء رہا ہوگا جب مرکز کی مسجد کے نچلے حصہ میں مکتب کا قیام عمل میں آیا، جو ایک طرح سے مرکز والی مسجد سے متصل ہمارے گھر کا راستہ بھی تھا، ہم، ہماری بڑی بہن (اہلیہ مولانا محمد زکریا سنبھلی) اور محلے کے دو چار بچے اس کے پہلے طالب علم تھے، چند ماہ بعد ہی حضرت مولانا علی میاں (جن کا قیام ان دنوں مرکز میں ہی رہتا تھا) کے خاندان کے دو بچے حسین اور حمزہ بھی آ گئے۔ وہ حضرت مولانا کے بڑے بھائی ڈاکٹر عبد العلی کے نواسے تھے، اور آپس میں خالہ زاد بھائی تھے، وہ ہمارے پہلے دوست تھے۔ اس وقت ہم لوگوں کی عمریں ۵-۶ سال رہی ہوں گی، یہ دوستی شاید چند ماہ تک مکتب ہی تک محدود رہی، پھر گھروں میں آنا جانا بھی شروع ہوا، ہمارے ابی کا مزاج سخت تھا اور وہ بچوں کی دوستی کو پسند نہیں کرتے تھے اس لئے ان کا تو ہمارے گھر آنا کم ہوتا تھا، ہاں میں ہی ان کے گھر زیادہ جاتا تھا، اکثر وہ مجھے اپنے گھر لے جاتے، خاص طور پر ان دنوں میں جب ہمارے ابی سفر پر ہوتے میں ان کے گھر تقریباً روز ہی جاتا۔ ان کے گھر کا ماحول بڑا پیارا تھا، بڑا دل لگتا تھا، بڑوں نے بچوں کو گھر میں ایسا ماحول دیا تھا کہ بچوں کو باہر جانے کا خیال بھی نہ آتا، نہ صرف یہ کہ وہ بچوں سے انتہائی پیار اور شفقت کا معاملہ کرتے بلکہ ان کے ساتھ کھیلوں میں شریک بھی ہوتے۔

جب میں نے ان کے گھر جانا شروع کیا تو گھر کے سب سے بڑے بزرگ حضرت ڈاکٹر عبد العلی صاحبؒ تھے۔ کس قدر شاندار اور پُر وقار شخصیت تھی کہ میں

نے اپنی زندگی میں ان سے زیادہ وجیہ اور پُرنور چہرہ نہیں دیکھا۔ بہت کم گو تھے اور جب بولتے تو کافی آہستہ آواز میں بولتے، چہرے پر اگر چہ ہمہ وقت مسکراہٹ رہتی لیکن اس کے باوجود گھر کے ہر فرد پر ان کا رعب تھا۔ وہ ندوۃ العلماء کے چھٹے ناظم تھے، انھوں نے ۳۰ سال تک نظامت کے فرائض انجام دیے۔ وہ ندوہ کے سند یافتہ دیوبند کے ممتاز فاضل، سائنس کے نمایاں طالب علم اور فاضل، جو دو امتیازی تمغوں کا اعزاز بھی حاصل کر چکے تھے۔ دوسری طرف طب قدیم اور طب جدید کے مستند فاضل اور معالج تھے۔ وہ حکیم بھی تھے ڈاکٹر بھی تھے، باقاعدہ مطب کرتے تھے، ان کے مطب پر مریضوں کی بھیڑ رہتی، لوگوں کو ان پر بڑا اعتقاد تھا، اللہ نے ان کے ہاتھ پر بڑی شفا رکھی تھی، بڑے اللہ والے بزرگ تھے، مریض دوا کے علاوہ ان کی دعا اور دم سے بھی مستفید ہوتے تھے۔

اس عاجز کو ڈاکٹر عبدالعلی صاحب علیہ الرحمہ سے اس درجہ عقیدت تھی اور ان کا ایسا احترام دل میں تھا کہ اس چھوٹی سی عمر میں یہ سوچتا تھا کہ فرشتے یقیناً ایسے ہی ہوتے ہوںگے۔ آج تک ان کا نورانی چہرہ آنکھوں میں بسا ہے۔ ان کے بارے میں میرے ان احساسات کی ترجمانی برادر مکرم و محترم مولانا عتیق الرحمن سنبھلی (جن کو میں نے بہت کم کسی سے متاثر ہوتے ہوئے دیکھا) کے ایک مضمون میں ملتی ہے جو انھوں نے ۱۹۶۱ء میں ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ کی وفات پر لکھا تھا۔ اس مضمون کی چند سطریں نقل کر رہا ہوں، لگتا ہے کہ میرے دل کے احساسات کو انھوں نے الفاظ کا جامہ پہنا دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب کی صورت ہی دیکھ کر آدمی کو اُنس اور عقیدت پیدا ہوتی تھی، یہ دراصل ان کے باطن کی نورانیت اور جاذبیت کا عکس تھا جو پوری آب وتاب کے ساتھ اُن کے چہرے پر نمایاں رہتا تھا۔ اہل تقویٰ آج بھی اس دنیا میں بہت سے ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر ہیں، لیکن ڈاکٹر صاحب کو بہت تھوڑی سی مدت قریب سے دیکھنے کے بعد دل گواہی دیتا تھا کہ معاصی سے پرہیز کرنا تو الگ بات ہے، اُن کے دل میں معصیت کا تصور بھی شاید نہیں آتا"۔

آگے بھائی صاحب مدظلہ لکھتے ہیں کہ:

"یہ واقعہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کو تھوڑی ہی سی مدت قریب سے دیکھنے کے بعد پورے جزم ووثوق کے ساتھ یہ تأثر طاری ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی درجہ کی بھی معصیت کا مادّہ اس انسان کے اندر نہیں رکھا ہے۔ کوئی تارک الدنیا قسم کے انسان نہیں تھے، مطب کرتے تھے، زمین اور باغات کے علائق رکھتے تھے، ایک وسیع کنبے کے ذمہ دار تھے، ندوۃ العلماء کی نظامت کی ذمہ داریاں تھیں، غرض ہر طرح کے بشری علائق تھے، مگر قول وعمل میں وہ پاکیزگی، وہ طہارت، وہ معصومیت کہ فرشتے بھی بلائیں لیں"۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (جن کو اس وقت عام طور پر مولانا علی میاں کہا جاتا تھا اور ہم بھی یہی کہتے تھے) ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کے چھوٹے بھائی تھے، وہ ایک طرح سے ان کے بیٹے جیسے تھے، اس لئے کہ مولانا علی میاں کے والد حضرت مولانا عبدالحی حسنیؒ کا جب انتقال ہوا تو مولانا کی عمر محض ۹ سال کی تھی۔ ان دنوں مولانا علی میاںؒ کا قیام جب بھی وہ لکھنؤ میں ہوتے تو مرکز اصلاح وتبلیغ کے ایک کمرہ میں ہوتا جو ان کے لئے مخصوص تھا۔ انھوں نے اور والد ماجد مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے تبلیغی کام کی ذمہ داری سنبھال رکھی تھی اس لئے ان کا قیام مرکز میں اور والد صاحب کا مع اہل خانہ مرکز سے ملحق چھوٹے سے مکان میں تھا۔ مولانا علی میاںؒ کے قیام کے زمانہ میں دونوں بزرگوں کا ناشتہ کھانا بھی اکثر ساتھ ہی ہوتا۔ دونوں اس طرح ساتھ رہتے تھے کہ دو سگے بھائیوں کو بھی رشک ہو، دونوں ایک دوسرے کا اس طرح احترام کرتے تھے کہ یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ عمر میں بڑا کون ہے۔ اپنے بچپن میں تو میں یہی سمجھتا تھا کہ یہ دونوں حضرات بھی ہم، حمزہ اور حسین کی طرح بچپن کے ساتھی ہوں گے، بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں کا ساتھ

جب ہوا تو والد ماجد کی عمر تقریباً ۳۴۔۳۵ سال اور حضرت مولانا علی میاں کی عمر لگ بھگ ۲۵۔۲۶ سال رہی ہوگی۔ دونوں کی ملاقات کیسے ہوئی اس بابت حضرت مولانا علی میاںؒ کی زبانی سنئے ،وہ اپنی کتاب ''کاروان زندگی'' میں لکھتے ہیں کہ:

''۱۹۳۹ء میں میری کتاب ''سیرت سید احمد شہید'' شائع ہوئی تو میں نے اس کا ایک نسخہ مولانا محمد منظور نعمانی کو ہدیۂ بھیجا ،جن سے میرا تعارف اس وقت ہوا تھا جب وہ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی کے ادارہ دارالمبلغین میں تدریسی فرائض انجام دیتے تھے،اور ہمارے قدیم دوست حاجی محمد سعید نصیر آبادی نے جو اس وقت وہاں مقیم تھے ،ایک دعوت میں مجھے اور انھیں ملایا تھا۔ اس زمانہ میں مولانا عبد الشکور صاحب کے صاحبزادے مولانا عبد المؤمن صاحب فاروقی نے ہماری ہی گلی (محمد علی لین) کے ایک مکان میں آفتاب پریس کے نام سے مطبع قائم کیا تھا،اور مولانا منظور صاحب طباعت واشاعت کی بعض ضرورتوں کے سلسلہ میں وہاں آتے جاتے رہتے تھے اور اکثر ہماری مسجد (مسجد نوازی یا بکریا والی مسجد) میں نماز پڑھتے تھے ،ابتدائی تعارف وملاقاتوں کے بعد متعدد ومشترک باتوں کی وجہ سے بہت جلد دونوں میں مناسبت وربط پیدا ہوگیا''۔

'' کاروان زندگی'' حصہ اول صفحہ ۲۰۴)

اگر چہ ظاہری شکل میں ڈاکٹر صاحب کی شباہت ہمارے دوست اور مولانا حمزہ کے خالہ زاد بھائی حسین حسنی میں زیادہ بتائی جاتی تھی ،طبیعتاً وہ بھی بہت نیک، خوش مزاج، بہت تعلق رکھنے والے تھے، میرا ان سے بھی بہت گہرا تعلق تھا،لیکن دینی وراثت مولانا حمزہ میں بچپن سے ہی آگئی تھی۔ حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ نے کتابوں سے اپنے جس شوق کا تذکرہ اپنی سرگزشت حیات ''کاروان زندگی'' میں کیا ہے، اس کی پوری جھلک بلکہ پوری کاپی اس عاجز نے اپنے دوست مولانا حمزہ میں بچپن سے ہی دیکھی۔ بہت بچپن سے ہی ان کو مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ جب بھی ان سے ملنے جاؤ یا کھیل کے لئے بلانے جاؤ ان کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی کتاب ملے گی، ان کو کھیل کے لئے لے جانے کے لئے ہم لوگوں کو کافی محنت کرنی پڑتی۔ اپنی درسی کتابوں کو تو بہت کم وقت دیتے تھے لیکن دوسری دینی کتابیں خاص طور پر تذکرہ، وسوانح اور تاریخی کتب کا زیادہ مطالعہ کرتے۔ ان کے کتابوں کے شوق کا یہ عالم تھا کہ جب مکتبہ اسلام میں بیٹھتے اور تنہا ہوتے تو کوئی نہ کوئی کتاب ہاتھ میں ضرور ہوتی۔

مکتبہ میں شاید کسی کتاب کو یہ شکایت نہ ہوگی کہ اس کو مولانا نے کھول کر نہیں دیکھا۔ یہ ضرور ہے کہ بعض کتابوں کو جن میں ان کی دلچسپی نہ ہوتی صرف ورق گردانی کر کے رکھ دیتے۔ ایسی کتابیں مکتبہ اسلام میں اس وقت شاید چند ہی ہوں گی، مکتبہ اسلام کیا جب ہمارے پاس الفرقان بکڈپو میں آتے تو چند منٹ بعد یہی فرمائش ہوتی کہ کوئی نئی کتاب دو۔ کوئی نئی کتاب ان کے مطلب کی ملی تو دیدی گئی ورنہ خود سے کوئی کتاب نکال کر مطالعہ شروع کردیا۔ عمر بھر ان کا یہ شوق رہا، یہ عاجز تو کم ہی ان کے پاس جاپاتا، وہ اب بھی جبکہ امراض وعوارض کی وجہ سے کمزور ہوگئے تھے ہم لوگوں سے ملنے اکثر خود پریس آجاتے، اور شکایت کرتے کہ بھئی تمہارا زینہ بہت خراب ہے، بڑی تکلیف دیتا ہے۔ ہم دونوں کے دوست امتیاز علوی ان سے کہتے کہ آپ فون کردیا کیجئے ہم گاڑی یا اسکوٹر بھیج دیں گے، تو کہتے کہ کبھی کبھی ملنے کا اتنا دل چاہتا ہے کہ کچھ سوچے سمجھے بغیر چل پڑتے ہیں۔ اور چند منٹ باتیں کرنے کے بعد کہتے کہ کوئی نئی کتاب آئی ہو تو دو۔ اور کوئی کتاب مل گئی تو چہرے پر رونق آجاتی۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا ہمارے رفیق محترم مولانا حمزہ حسنی بچپن سے ہی گناہوں سے دور رہے۔ مکتب سے ہی ہمارا اور ان کا ساتھ تھا، اس وقت مکتب میں درجہ چہارم تک کی تعلیم کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درجہ اعدادیہ میں داخلہ ملتا تھا، اس عاجز کی درجہ سوم کی تعلیم کے بعد والد ماجد نے حفظ کرانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اس کے

لئے شاید میرے اندر خود کے ارادہ کی بھی ضرورت تھی اور وہ زیادہ وقت اور محنت کا متقاضی تھا اس لئے نہ ہو سکا اور پھر گھر پر کچھ تیاری کرا کے اگلے سال اعدادیہ میں داخل کرا دیا، اس درجہ میں ہمارے دونوں دوست حسین اور حمزہ بھی پہونچ گئے۔ درجہ اول عربی کے سالانہ امتحان میں کسی مضمون میں رہ جانے کی وجہ سے حسین تو ایک درجہ پیچھے ہو گئے، لیکن مولانا حمزہ کا درجہ بدرجہ عالیت تک ساتھ رہا۔ ان کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ اگر چہ میں ان سے کہیں زیادہ محنت کرتا لیکن وہ مجھ سے کہیں زیادہ اچھے نمبروں سے کامیاب ہوتے۔ اس میں ذہانت کے ساتھ ساتھ ان کا دوسری کتابوں کے مطالعہ کا شوق اور بے ساختہ اور خوش خط تحریر کو بھی دخل تھا۔ ان کو کسی بھی مضمون کو بڑھا کر لکھنے میں ملکہ حاصل تھا، ہم دونوں ہر درجہ میں اپنے ساتھیوں میں عمر میں سب سے چھوٹے ہوتے تھے۔ شروع کے کچھ ماہ کے علاوہ ہم تینوں (یعنی میں، حسین حسنیؒ اور حمزہ حسنیؒ) اپنے ایک اور ساتھی اسرار (جو ان دونوں کے مکان کے پاس والے مکان میں رہتے تھے) کے ساتھ روزانہ بلا ناغہ ندوہ جاتے آتے تھے۔

بہت سی باتیں اُن کے اندر اپنے والد مولانا محمد ثانی حسنی علیہ الرحمہ کی آئی تھیں۔ مولانا محمد ثانی حسنیؒ کی وفات پر والد ماجد مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے ان کی کچھ ایسی خصوصیات کا ذکر کیا ہے جن کا بعینہ مشاہدہ میں نے اپنے رفیق محترم مولانا حمزہ حسنی میں کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ

مولانا محمد ثانی حسنی کا خاص قابل رشک کمال ان کی بے نفسی اور نیک نفسی تھی، راقم سطور نے ان کو اس وقت سے جب وہ ۲۰ سال کے نوجوان تھے اس وقت تک جبکہ وہ ۵۵۔۵۶ سال اس دنیا میں گذار کر عالمِ آخرت کی طرف منتقل ہوئے مستقل دیکھا، ہمیشہ یہ محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نفس میں شاید شر کا مادہ رکھا ہی نہیں ہے، وہ معصوم تو یقیناً نہیں تھے لیکن یہ کہنا انشاء اللہ مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ معصوم صفت ضرور تھے۔ ریا، کبر، حب دنیا، حسد اور کینہ جیسے رذائل آنکھوں سے نہیں دیکھے جا سکتے لیکن اگر کسی کے ساتھ مسلسل رابطہ اور واسطہ رہے تو ان کے کچھ نہ کچھ آثار محسوس ہی ہو جاتے ہیں، راقم سطور کا اندازہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے ان کا قلب وباطن ان رذائل سے محفوظ تھا۔ (الفرقان مارچ ۱۹۸۲ء)

قارئین میں سے جن کا قریبی تعلق مولانا حمزہ حسنی سے رہا ہے وہ اس کو پڑھ کر بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مولانا حمزہ حسنی ان کے کیسے سچے وارث تھے۔ ان کا یہ دوست گواہی دیتا ہے کہ وہ بھی بلا شبہ معصوم صفت تھے۔

ان خصوصیات کی وجہ سے میں بچپن سے ہی ان کو ایک طرح سے اللہ والا سمجھتا تھا۔ اس سلسلہ میں بچپن کا ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ شاید سن ۶۲ یا ۶۳ کی بات ہوگی، کسی نے مجھے ہاتھ میں باندھنے والی گھڑی دی تھی وہ گم ہو گئی، مجھے بڑا دکھ تھا، میں اس کی تلاش میں رہتا تھا، سب سے اس کی بابت پوچھتا رہتا، دعا کے لئے بھی کہتا کہ کسی طرح مل جائے، کہیں پڑھا تھا کہ اگر کوئی اللہ والا اللہ کی قسم کھا کر کچھ کہہ دے تو اللہ اس کی قسم ضرور پوری کرتا ہے۔ وہ میرے انتہائی قریبی دوست تھے، میں دیکھتا تھا کہ گناہ کرنا تو دور کی بات وہ کبھی کسی گناہ کی بات تک میں شریک نہیں ہوتے تھے، اس عمر میں غیبت کرنے اور چھوٹی موٹی گالی منھ سے نکل جانے کو کوئی بڑا گناہ نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن چونکہ وہ اس طرح کی باتوں سے بھی بہت دور رہتے تھے، اس لئے وہ میری نظر میں معصوم تھے، اللہ والے تھے۔ میں ان کے پیچھے پڑ گیا، کہ وہ قسم کھالیں کہ میری گھڑی مل جائے گی، مجھے یقین تھا کہ وہ قسم کھالیں گے تو ضرور مل جائے گی۔ میں بہت اصرار کرتا، وہ منع کرتے، میرے زیادہ اصرار پر ان کا چہرہ سرخ ہو جاتا۔ کہتے کہ میں کوئی اللہ والا تھوڑی ہوں، میرے دوست حسین حسنی مذاق میں کہتے کہ یہ کھلاؤ، وہ کرو تو میں ان سے قسم کھلوا دوں گا۔ یہ واقعہ اس کا ثبوت ہے کہ ۱۱۔۱۲ سال کی عمر میں بھی میری نظر میں وہ کیا تھے، یہ واقعہ ایک طرح کی گواہی ہے کہ وہ اس کم عمری

میں بھی ہر طرح کے گناہوں سے پوری طرح بچتے تھے۔

ان کے بچپن کی ایک عادت یاد آتی ہے، وہ جب بھی خالی ہوتے تو کبھی ایک انگلی سے اور کبھی دو انگلیوں سے ہوا میں لکھنے لگتے، ہم لوگوں میں سے کبھی کوئی پوچھ لیتا تو مسکرا دیتے اور ہاتھ کچھ دیر کے لئے رک جاتا۔ ایک بار جب میں نے اصرار سے پوچھا اچھا بتایئے کیا لکھتے رہتے ہیں تو مسکرا کر بولے کہ ایک وقت آئے گا جب جدید ترقی میں بہت اضافہ ہوجائے گا تو جو کچھ لکھتا ہوں لوگ اس کو پڑھ لیا کریں گے۔ یہ عادت کافی بڑے ہونے تک رہی۔

ندوہ کی تعلیم کے زمانہ میں خاص طور پر ابتدائی سالوں میں اکثر ہم چاروں ساتھی پیدل ہی ساتھ جاتے، میں پہلے نکل کر ان کے گھر جاتا اور وہاں سے سب ساتھ روانہ ہوتے، گھر سے رکشہ کے لئے سب کو پیسے ملتے تھے لیکن اکثر جاتے پیدل تھے اور آتے چاروں بچے ایک رکشہ پر، اس وقت رکشہ والے موتی محل پل سے امین آباد کے لئے چار آنے لیتے تھے۔ اس وقت چار آنے کا ایک سکہ آتا تھا جس کو چونّی کہتے تھے، جو ۲۵ پیسے پر مشتمل ہوتا تھا۔ جب امین آباد پہونچ کر رکشہ والے کو سب ایک ایک آنہ نکال کر دیتے جو اکثر ۵ پیسے + ایک پیسہ کے سکہ کی شکل میں ہوتا تھا تو اس کو ۲۴ پیسے ملتے، وہ کہتا کہ یا تو چونّی دیں یا ایک پیسہ اور دیں، ہم میں سے کسی کے پاس ایک پیسہ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے رکشہ والے سے کبھی کبھی کافی گرم بحث ہوجاتی۔ اگر چہ عام طور سے ہم لوگوں کو گھر سے رکشہ کے لئے دونوں طرف کا کرایہ ملتا لیکن جانے والے کرایہ کو پیدل جا کر بچا لیتے جس کو ہم لوگ واپسی میں کچھ کھانے میں خرچ کرتے۔ ہم سب کو چاٹ کھانے کا بہت شوق تھا۔ اور موتی محل پل کی چڑھائی شروع ہونے سے پہلے جہاں سے ہم لوگ واپسی کا رکشہ کرتے دو چاٹ والے کھڑے ہوتے، ان میں سے ایک دبلا پتلا تھا اور ایک موٹا، ہم لوگوں نے ان کا نام ہی موٹو پتلو رکھ لیا تھا، دونوں ہم لوگوں کو دیکھتے ہی آوازیں لگانے لگتے، پتلو کی چاٹ، خاص طور پر کھٹی میٹھی پھلکی یا پکوڑی کی چاٹ، زیادہ مزیدار ہوتی، ہم لوگ اکثر اسی کے پاس جا کر چاٹ کھاتے، اور موٹو کو منھ بناتے دیکھ کر ہنستے۔ ہم میں سے کوئی کبھی کبھی کوئی اور چاٹ لے لیتا جیسے خستہ وغیرہ، لیکن انھوں نے شاید ہی کبھی کھٹی میٹھی پھلکی کے علاوہ کوئی چاٹ لی ہو۔

راستے بھر خوب باتیں اور ہنسی مذاق کا سلسلہ رہتا، اس عمر میں دوسروں کی ایسی باتیں خوب ہوتیں، جن کو غیبت میں شمار کیا جاسکتا ہے، لیکن ہمارے یہ دوست حمزہ ان سے دور رہتے، یعنی اپنی طرف سے ایسی باتیں نہیں کرتے، ہاں مزہ ضرور لیتے اور ہنستے مسکراتے رہتے۔ اس عمر کے بچوں میں اور بھی کئی ایسی باتیں دوسرے بچوں سے آجاتی ہیں جو معصیت اور گناہ ہوتی ہیں لیکن شاید کسی کو یقین مشکل سے آئے وہ ان سے بچے رہتے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ہم دو تین لڑکوں کے علاوہ ان کا کوئی دوست نہیں تھا۔ ان کے دوستوں کا حلقہ تب بڑھا جب وہ کرکٹ کے میدان میں آئے بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ لائے گئے۔

کرکٹ میں انھوں نے باقاعدہ قدم ہم لوگوں کے مقابلہ میں ایک دو سال بعد رکھا۔ ہم لوگوں کے پاس جب کھلاڑی کم ہوتے تو ہم لوگ ان کو گھسیٹ کر لاتے، شاید جناب ابوبکر حسنی صاحب بھی اپنے بھائی مولانا علی میاں کو ایسے ہی ہاکی کے میدان تک لے گئے ہوں گے۔ جن کے بارے میں مولانا نے لکھا ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہاکی کھیلنے جاتے تھے۔ حسین کہتے تھے کہ حمزہ تکیہ (رائے بریلی میں) میں تو اچھا خاصی کھیلتے ہیں، یہاں نہیں کھیلنا چاہتے، معلوم نہیں ان کے میاں (مولانا ثانی صاحب) کی تربیت تھی یا ان کا اپنا مزاج کہ اجنبی دوستوں سے دور رہنا چاہتے تھے۔ کھیلنے جاتے تو کچھ تو اجنبی دوستوں کا ساتھ ہوتا۔

پھر جب کرکٹ کی دنیا میں آئے اور باقاعدہ کھیلنا شروع کیا تو اپنی لیگ اسپن گگلی بالنگ کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ اس فن میں ان کے استاذ مشہور کرکٹر نارتھ

زون پلیئر محمد شاہد تھے۔ کرکٹ میں باقاعدہ آنے کے بعد دوستوں کا حلقہ بڑھنے لگا۔ اپنے حلقہ کے باہر کسی سے قریبی دوستی کا انھوں نے مجھ سے پہلی بار ذکر کیا تو وہ رائے بریلی کا ایک لڑکا تھا جس کا نام تو اب یاد نہیں۔

کرکٹ کے میدان میں آنے کے بعد غیر مسلم لڑکوں سے بھی دوستی شروع ہوئی، اسی میں ان کا ایک دوست اشوک سنہا تھا، وہ ہمارے کرکٹ کلب کا ممبر تھا، اچھا کھیلتا تھا، بعد میں کلب کا کیپٹن بھی بنا اور ترقی کر کے اسکولس میں ہمارے دوست امتیاز علوی کے ساتھ نارتھ زون بھی کھیلا۔ ان سے حمزہ کی دوستی بہت گہری ہوگئی، اس سلسلہ کا ایک واقعہ بیان کے قابل ہے۔

ایک یہ کہ اشوک سنہا کالون تعلقدار کالج میں پڑھتا تھا اور وہاں کی کرکٹ ٹیم کا کیپٹن بھی بنا، وہاں ایک لڑکا راجکمار نامی وہی گیند کرتا تھا جو حمزہ کرتے تھے، حمزہ کلب کے میچوں میں اس کے خلاف کھیلنے کی وجہ سے اس کو جانتے تھے، اشوک سنہا اس کی تعریف حمزہ سے کرتے تو ان کو اچھا نہیں لگتا، کیونکہ انھیں لگتا کہ وہ ان کا موازنہ اس سے کرتے ہیں جب کہ حقیقت یہ تھی کہ حمزہ اس سے کہیں بہتر بالر تھے۔ انھوں نے مجھ سے اس کا شکوہ کیا تو میں نے کہا کہ راجکمار کے کلب کے خلاف کوئی میچ ہو تو اشوک کو دکھادو اپنی صلاحیت۔ اور ہوا بھی ایسا ہی۔ اس کے بعد وہ بہت خوش تھے، میں نے اشوک کو یہ سب بتایا تو بہت ہنسا اور کہا کہ میں تو اسی لئے کہتا تھا کہ یہ اور محنت کریں۔

خاندانی مزاج ان کا تھا

خاندانی مزاج ومروت کی بات آئی ہے تو کچھ اس کا بھی ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو اس حسنی خاندان کے گھر کا فرد نہیں ہے وہ اس گھر کے افراد کے حسن مزاج اور حسن اخلاق ومروت کو نہیں سمجھ سکتا، میرا چونکہ اس گھرانہ میں ایک طرح سے پورا بچپن گزرا اس لئے میں سمجھ سکتا ہوں۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ گھر میں کھانا پکانے والی سب کا کھانا پکا کر رکھ جاتی ہیں، سب اپنے وقت پر آ کر کھالیتے ہیں، کبھی کبھی اگر کوئی نہیں آتا تو اس کا کھانا نکال کر سینی میں لگا کر کمرے میں رکھ جاتی، اگر آنے والے کو آنے میں دیر ہوگئی اور خواتین کو نیند آگئی تو کوئی یہ نہیں کہتا کہ کھانا گرم کردو، ایسے ہی کھالیتا ہے۔

ہمارے یہاں بھائی صاحب اور ابی چائے کے بہت شوقین تھے، انھیں اپنے کام کے دوران چائے کی کئی کئی بار ضرورت ہوتی، وہ کہہ دیتے اور چائے بنا کردی جاتی، ضرورت تو ہمارے دوست حمزہ اور حسین کے بڑوں کو بھی ہوتی ہوگی لیکن گھر کی عورتوں کو تکلیف نہ دینے کے خیال سے نہیں کہتے۔ مجھے یاد نہیں کہ کئی سال کے عرصہ میں جب تک کم عمری کی وجہ سے پردہ کا مسئلہ نہیں تھا اور میں گھر کے اندر بے تکلف جاتا تھا تو ایک بار بھی میں نے کبھی کسی کو اپنے لئے چائے بنواتے دیکھا ہو۔

جہاں تک یاد آتا ہے کہ غالباً ۱۹۶۱ء میں دینی تعلیمی کونسل اترپردیش کی طرف سے لکھنؤ میں ایک کانفرنس کا انعقاد ہوا تھا، اس وقت ہم حمزہ حسنی اور حسین حسنی تینوں ندوہ میں درجہ اول عربی کے طالب علم تھے، اپنے بڑوں کا اس میں انہماک اور مشغولیت دیکھ کر ہمیں بھی دلچسپی ہوئی اور ایک جلسہ کرنے کا خیال آیا، جس کا نام ہم لوگوں نے بھی کانفرنس ہی رکھا۔ یہ کانفرنس مرکز اصلاح وتبلیغ کے اسی حصہ میں ہوئی جس میں مکتب قائم تھا۔ جمعہ کے دن مکتب میں تعطیل ہوتی تھی، اس میں فرش اور پردوں وغیرہ کا انتظام ہمارے ذمہ تھا، کیونکہ ہماری رہائش وہیں تھی اور تقریر کے لئے ہم بچوں نے حضرت مولانا علی میاں کو زحمت دینا طے کیا تھا، اُن کو لانے کی ذمہ داری حمزہ حسنی اور حسین حسنی نے اپنے ذمہ لی تھی، ابی (مولانا محمد منظور نعمانی) اسوقت سفر پر تھے، اگر وہ یہاں ہوتے بھی تو شاید یہ عاجز ان سے عرض کرنے کی ہمت نہ کرپاتا۔ حمزہ نے بتایا کہ انھوں نے چھوٹے نانا سے عرض کیا تھا وہ انشاء اللہ تشریف لائیں گے۔ بس جب لوگ آجائیں تو ان کو اطلاع کردی جائے، وہ مرکز ہی میں اپنے کمرے میں مقیم تھے، بچے تو وقت سے پہلے ہی سب آگئے تھے کافی تعداد میں بڑے لوگ بھی

جمع ہوگئے تو حمزہ گئے اور ہم لوگوں کی خوشی کی حد نہ رہی کہ حضرت مولانا جلد ہی تشریف لے آئے۔ ان کے ساتھ مرکز کے کئی احباب بھی تھے۔ جہاں تک یاد ہے برادر عزیز خلیل الرحمان سجاد میاں کی تلاوت سے اس جلسہ کا آغاز ہوا، جبکہ ان کی عمر اس وقت چھ سال کی رہی ہوگی، اور اتنا یاد ہے کہ ہمارے دوست حمزہ نے اپنا مقالہ یا سپاس نامہ پڑھا، اور بھی ہم میں سے کسی نے کچھ پڑھا جو یاد نہیں، پھر حضرت مولانا دامت برکاتہم نے خطاب فرمایا، جس میں ہم سب کو خوب شاباش دی، خوب دعائیں دیں۔

امتحانوں کے دنوں میں گھر سے ندوہ جاتے وقت راستے میں جس پرچہ کا امتحان ہوتا اس کے بارے میں مذاکرہ ہوتا رہتا، میں نے دیکھا کہ میرے دونوں ساتھی حمزہ اور حسین خاص طور پر امتحان کے دنوں میں چپکے چپکے کوئی دعا پڑھتے ہیں، میں نے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ اماں بی (غالباً حضرت مولانا علی میاں کی والدہ کو وہ اماں بی کہتے تھے) نے ایک دعا بتائی ہے۔ **اللھم آتنی بفضلك أفضل ما توتی عبادك الصالحین**۔ یہ دعا یاد ہوگئی، ہمیشہ امتحانوں کے موقع پر پڑھتا رہا، آج تک یاد ہے اور اپنی بچی کو بھی یاد کرادی ہے جو وہ امتحان کے زمانہ میں پابندی سے پڑھتی ہے۔

ایک دفعہ ہم نے اپنے دوستوں حمزہ حسنی اور حسین حسنی کو کھانے پر بلایا، یہ اس عمر کی بات ہے جب ہم ایک دوسرے کے گھروں میں جاتے تھے، جب یہ دونوں آگئے تو ہماری والدہ مرحومہ نے کہا کہ تازہ تازہ چولھے سے اترتی ہوئی روٹی کھلائیں گے، ان دونوں نے تعجب کا اظہار کیا اور ہم سے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے، ہم نے بھی کہا کہ اس طرح تو ہاتھ رکے گا۔ ان کا اس پر اصرار تھا، پھر جب انھوں نے کہا تو ہم لوگ دسترخوان پر بیٹھ گئے جس پر کھانا لگ چکا تھا سوائے روٹی کے۔ فوراً روٹیاں آنی شروع ہوگئیں، سب حیرت زدہ تھے کہ کسی کا ہاتھ ایک منٹ کے لئے بھی نہیں رُکا۔ گرم گرم چولھے سے اُترتی روٹی سے گوشت کا سالن کھانے میں سب کو مزہ آگیا، وہ دونوں تو تعریف کرتے نہیں تھکتے تھے۔ اس کھانے کا ذکر وہ بار بار کرتے تھے، ۵۵۔۵۶ سال گزر جانے پر بھی اس کا مزہ نہیں بھولے تھے، اب بھی ہر کچھ دنوں بعد کہتے تھے اس سالن کا مزہ اب تک یاد ہے۔ کسی دن پھر آؤں گا وہی سالن پکوانا۔ ایک بار تمہاری بہن صاحبہ کے ہاتھ کا بھی کھایا ہے وہی مزہ تھا۔ یقین ہے کہ بھابھی صاحبہ کو بھی انھوں نے سکھا دیا ہوگا۔ اللہ کا کرنا وہ یہ کہتے کہتے چلے گئے اور ہم وعدہ ہی کرتے رہے۔

ویسے عید کے موقع پر ہم اپنے قریبی دوستوں کو کھانے پر بلاتے رہے، لیکن مولانا حمزہ چونکہ عید ہمیشہ اپنے آبائی مسکن تکیہ (رائے بریلی) میں ہی کرتے تھے اس لئے ان کی شرکت نہ ہو پاتی۔

اللہ کا عجیب معاملہ ہے، ادھر عید والے اس کھانے کا سلسلہ کئی سال سے موقوف ہے، لیکن اس کا تذکرہ گھر میں بھی کبھی ہوتا رہتا ہے۔ اس بار جب اس کا تذکرہ ہو رہا تھا تو بچی نے کہا اس سال عید میں سب کو بلائیے، میں نے طے کردیا، لیکن یہ کہا کہ ہمیشہ تو یہ عید کے دوسرے دن ہوا کرتا تھا اس بار عید کے ایک ہفتہ بعد رکھیں گے کیوں کہ تمہارے حمزہ چچا عید کے موقع پر لکھنؤ میں نہیں ہوتے، جب تکیہ سے واپس آجائیں گے تو انشاء اللہ رکھیں گے۔ ان سے کیا گیا وعدہ ایک بار تو پورا ہو۔ اوریا سے ریاض بھائی کو بھی بلائیں گے، جو ہم دونوں کو اپنے گھر اوریا آنے کی دعوت دیتے رہتے ہیں اور ہم لوگ وعدہ کرتے رہتے ہیں کہ جلد ہی ساتھ آئیں گے۔ کیا پتہ تھا کہ مولانا حمزہ عید سے پہلے ہی بارگاہ الٰہی میں پہونچ چکے ہوں گے۔ بالکل ایسا ہی واقعہ ہمارے دوست حسین حسنی کے ساتھ ہوا تھا، اپنی وفات سے قبل جب آخری بار وہ ہم لوگوں سے ملے تو دیگر قریبی دوستوں ہارون قدوائی، امتیاز علوی، نظام الدین، لئیق قریشی، رشید صدیقی، شاہد مختار اور رئیس صاحب کے ساتھ سب اس عاجز کے گھر پر تھے، کھانے سے فارغ ہو کر حسین حسنی بولے کہ معلوم ہوا کہ کئی کئی مہینے تک آپ لوگ ایک دوسرے سے نہیں ملتے،

اب میں لکھنؤ مستقل ہی آنے کا پروگرام بنا رہا ہوں، اب ایسا نہیں چلے گا، میں آجاؤں تو ایسا پروگرام بنایا جائے گا کہ کم سے کم مہینے میں ایک بار ایک دوست کے یہاں سب کھانے پر اکٹھا ہوا کریں گے۔ سب نے اس کی حامی بھری۔ پھر اللہ کا کرنا وہ اس کے بعد لکھنؤ آ ہی نہ سکے اور اچانک ہم سب کو داغ مفارقت دے گئے۔

۲۰۰۰ء میں اللہ نے اس عاجز کو حج بیت اللہ کی توفیق دی، مولانا حمزہ اس سے کچھ پہلے اس فریضہ سے فارغ ہوکر آئے تھے، اپنے سفر حج کی روداد بڑے مزے لے لے کر سناتے، خاص طور پر اپنے ساتھیوں سے الگ ہوجانے، اور بغیر کسی سامان اور بالکل خالی ہاتھ حرم مکی میں کئی دن گزارنے کا قصہ اس طرح سنایا کہ اس نے دل میں موجود حج کے داعیہ میں آگ ہی تو لگادی، پھر اللہ نے سن لی اور بے سروسامانی کی حالت میں بھی اپنے اس بندہ کے لئے اپنے گھر کے سفر کا انتظام اس طرح کردیا کہ ایک صورت بہت کم خرچ کی نکل آئی ،جس میں جانا تو حج کمیٹی سے تھا لیکن قیام وطعام اپنے عزیزوں کے یہاں ہونا تھا ۔لیکن عین وقت پر ہمارے بھتیجے ذوالنون میاں نے بتایا کہ قیام وطعام کی رقم جانے سے قبل فلاں تاریخ تک حج کمیٹی کے آفس میں جمع کرنا ہوگی جو جدہ جاکر واپس مل جائے گی، اب اچانک اتنی رقم کا انتظام میرے لئے مشکل تھا، اس لئے بھی کہ اہلیہ بھی ساتھ جارہی تھیں، کوشش یہ تھی کہ ادھار رقم نہ لینا پڑے، اس کے لئے چند ماہ قبل لی ہوئی پرانی ایمبسڈر کار بیچنے کا فیصلہ کرلیا، بغیر ضرورت بتائے مولانا حمزہ سے گاڑی فروخت کرنے کا ذکر آیا تو انھوں نے کہا کہ ان کے ایک مدرسہ کو گاڑی کی ضرورت ہے ،پھر وہ ان ہی کے ذریعہ اس مدرسہ نے خرید لی۔ پھر بھی مزید ۲۰۔۲۵ ہزار ادھار لینے کی ضرورت تھی۔ مجبوراً ذکر کیا تو تین دوستوں کی طرف سے فوراً پیش کش آگئی ،جس میں ایک وہ بھی تھے، میں نے مولانا حمزہ کو ترجیح دی، میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کو ترجیح دینا چاہتا ہوں ،لیکن سوچتا ہوں کہ جو دوسرے دوست ہیں اُن کے لئے اتنی رقم کے انتظام میں کسی پریشانی کا سوال نہیں، لیکن میں آپ کو جانتا ہوں آپ کے لئے یہ بہت آسان نہیں ہے، انھوں نے کہا فکر نہ کرو، میرے پاس کچھ رقم رہتی ہے۔ بس میرا مسئلہ حل ہوگیا، میں نے وہ رقم لے کر فوراً جمع کردی اور جدہ پہونچ کر جیسے ہی وہ رقم ملی اپنے ایک عزیز ذیشان نعمانی کے سپرد کی کہ وہ جلد سے جلد اس کا ڈرافٹ بناکر مولانا حمزہ کے پتہ پر بھیج دیں ۔حالانکہ بعد میں جب میں حج سے واپس آیا تو انھوں نے شکایت کی کہ اتنی جلدی رقم واپسی کی کیا ضرورت تھی۔ اپنے دوستوں میں ان کو ترجیح دینا ان کی پاک صاف شخصیت ہی کی بنا پر تھا۔

۱۹۶۹ء میں ندوہ سے عالمیت کرنے کے بعد میں نے تو لکھنؤ یونیورسٹی کا رخ کیا اور انھوں نے فضیلت کرنا طے کیا، یہاں سے اگر چہ ہمارے راستے الگ ہوگئے تھے لیکن یہ علاحدگی صرف تعلیم کے حصول تک ہی محدود تھی۔ ورنہ گھرانوں کا دیرینہ تعلق تو ہمیشہ رہا اور ہے، اس کے علاوہ کھیل میں تو ہم دونوں کا ساتھ اس کے بعد بھی ٦۔٧ سال تک رہا۔ اور چونکہ وہ دونوں دینی کتابوں کے ادارے چلاتے تھے، پھر پریس قائم ہوگیا جس میں دونوں کی کتابیں چھپتی تھیں اس لئے معاملات بھی مسلسل رہے اور ملاقاتیں بھی۔

غالباً ۱۹۷۷ء سے انھوں نے ماہنامہ رضوان کی ذمہ داری سنبھال لی۔ بعد میں ایک وقت آیا جب قومی خدمت کے احساس نے ان کو مسلم مجلس کی طرف متوجہ کیا، ڈاکٹر فریدی اور مجلس کے اس وقت کے صدر جناب ذوالفقار اللہ صاحب نے بخوشی ان کی خدمات سے فائدہ اٹھانا قبول کیا۔

جہاں تک مجھے علم ہے ان کی صلاحیتوں کی خبر جب حضرت مولانا علی میاں تک پہونچی تو انھوں نے چاہا کہ وہ اپنی ان صلاحیتوں سے ندوہ کے خدمت کریں۔ لیکن انھوں نے ان سے خود نہیں کہا کہ یہ مولانا حمزہ کے لئے حکم ہوجاتا، بلکہ ان سے اس سلسلہ میں ندوہ کہ معتمد تعلیم

مولانا عبد اللہ عباس صاحب کے ذریعہ کہلوایا، مولانا حمزہ اس وقت ماہنامہ رضوان کی ادارتی ذمہ داری کے علاوہ مکتبہ اسلام بھی دیکھتے تھے، انھوں نے اپنی کچھ مصروفیات اور مجبوریاں بتا کر معذرت کرنا چاہی، بعد میں کچھ اچھی نیت کے ساتھ اس کو قبول کرلیا۔ اور حضرت مولانا علی میاں کی ۱۹۹۹ء میں وفات کے بعد تو انھوں نے گویا اس خدمت کو ہی اپنا مقصد زندگی بنالیا۔ اور اپنے عم محترم وخسر مکرم حضرت مولانا محمد رابع حسنی دامت برکاتہم کے گویا دست وبازو بن گئے۔ میں تو ان کو ایسے خوش نصیب لوگوں میں سمجھتا تھا جس کے کاندھوں پر عمر کا اچھا خاصا حصہ گزر جانے تک کوئی جواب دہی والی ذمہ داری نہیں پڑی، وہ مجھے ہر وقت کسی نہ کسی کام میں منہمک دیکھ کر کوئی نہ کوئی جملہ کہا کرتے تھے، اب جب ان پر ندوہ کی یہ جواب دہی والی ذمہ داریاں پڑیں تو میں ان سے کہتا کہ بہت آرام کی زندگی گذارلی، اب بتائیں کیا حال ہے؟ کہتے تھے کہ اللہ کی مرضی۔ پھر انھوں نے جس طرح ذمہ داریاں نبھائیں یہ اہل ندوہ بخوبی جانتے ہیں۔

اس کے بعد تو وہ آگے ہی بڑھتے رہے، ندوہ میں ناظر عام سے نائب ناظم کے انتہائی ذمہ داری اور انتہائی مصروفیت کے عہدے تک پہونچ گئے، ساتھ ہی ۲۰۰۵ میں سنی سنٹرل بورڈ کے رکن بھی مقرر ہوئے، اور متواتر دو مدت (دس سال) تک رہے۔ جہاں وہ متعدد اضلاع کے اوقاف سے متعلق مقدمات کی سماعت کرتے تھے۔ اس کے علاوہ نہ جانے اور بھی کتنے اداروں کے وہ سرپرست یا ذمہ دار یا رکن بنائے گئے۔

اتنے بڑے بڑے مقامات پر پہنچنے کے باوجود وہ ہم دوستوں کے لئے بالکل ہمیشہ کی طرح تھے۔ ذرا سا جو فرق آیا ہو۔ عام طور سے مرتبہ اور جاہ شخصیات پر اثر ضرور ڈالتے ہیں لیکن ان کی سادہ مزاجی، سادگی، بے نفسی اور نیک نفسی تاحیات قائم رہی۔ ان کو دیکھ کر کوئی بتا نہیں سکتا تھا کہ وہ اس مرتبہ کے آدمی ہیں۔ اِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ۔

اللهم اكرم نزله ووسع مدخله وابدله داراً خيراً من داره واهلاً خيراً من اهله ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس وباعد بينه وبين الخطايا كما باعدت بين المشرق والمغرب اللهم لاتحرمنا اجره ولا تفتننا بعده۔

☆☆

آج ہم کو اور سب کو یہ شکایت ہے کہ مسلمان لڑکیاں تیزی سے بے پردگی اور آزاد خیالی کی طرف جارہی ہیں اور بعض جگہ تو شرم وحیا کے دام حدود کو پھلانگ کر آزادی اور نفسانی خواہشات کے سمندر میں کودتی جارہی ہیں جس کی وجہ سے پورا معاشرہ سنگین صورت حال سے دوچار ہوتا جارہا ہے اور نصف انسانیت تباہی و بربادی کا شکار ہورہی ہے۔ اسلامی اقدار اور ماحول سے بیگانہ ہوکر مغربی تہذیب کے گندے تالاب میں ڈوب جانا اور اسی کو اصل تہذیب سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی صاف وشفاف پانی میں نہانے کے بجائے کسی جوہڑ میں ڈبکی لگانے لگے اور غلاظت صاف کرنے کے بجائے مزید گندگی اپنے بدن میں لگائے۔ اچھا معاشرہ اچھی ماں کی گود میں پل کر بنتا ہے اس لئے جب بھی عورت میں بگاڑ آئے گا، تو لازماً اس کے بچوں کی دل ودماغ اس کے اثرات قبول کریں گے اور پھر وہ بڑے ہوکر اس وبا کو پھیلائیں گے۔ اس طرف ہر دردمند عورت کو توجہ کرنا چاہئے، ہماری وہ بہنیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفادار ہیں ان کی خاص ذمہ داری ہے کہ وہ اس میدان عمل میں کام کریں اور اپنی دوسری بہنوں کو ہاتھ پکڑ پکڑ کر اس گندگی سے بچائیں اور ان کو ان کا دینی فریضہ یاد دلائیں اور اسلامی طرز معاشرت اختیار کرنے کی تلقین کریں۔ اسی طرح یہ سیلاب بلاخیز رک سکتا ہے یہ کام بہنوں کے کرنے کا ہے اور ان ہی کے کرنے سے ہوگا بھی اور ان کے کہنے سے اثر بھی زیادہ ہوگا۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی
مدیر ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ

حمزہ بھائی

1955ء میں میری پیدائش جس مکان میں ہوئی وہ اس مسجد سے ملحق تھا، جسے عام طور پر تبلیغی مرکز کے نام سے جانا جاتا تھا اور جس کا تذکرہ والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اپنی بعض تحریروں میں "تبلیغی خانقاہ" کے نام سے کیا ہے۔ اسی مسجد کے ایک کمرے میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فروکش تھے۔ یہ دونوں حضرات یعنی ہمارے والد ماجد اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی زمانۂ مسافرت کے علاوہ سب نمازوں اور ناشتے کھانے میں ساتھ ہی ہوا کرتے تھے، ان دونوں عظیم ہستیوں کی یکجائی کی برکتوں کا بیان بہت طویل گفتگو چاہتا ہے، جس کا اس وقت موقع نہیں، اتنا ہی عرض کرسکتا ہوں کہ اس ماحول اور ان برکتوں کا مشاہدہ پھر کبھی نصیب نہیں ہوا۔

اسی مسجد سے چند قدم کے فاصلے پر وہ مکان تھا جس میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے بڑے بھائی اور مربی حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ کا مکان اور مطب تھا، اسی مکان میں اور اس سے قریب ایک اور مکان میں خانوادۂ حسنی کے مختلف حضرات مقیم تھے، جن میں حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ کے صاحبزادے محمد الحسنیؒ اور ان کے بھانجے مولانا محمد ثانی حسنی صاحبؒ، مولانا محمد رابع حسنی صاحب مدظلہ العالی اور ان کی صاحبزادیاں اور داماد مولانا محمد طاہر صاحب حسینیؒ اور جناب سید محمد مسلم صاحبؒ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مقیم تھے، ان سب حضرات کی اس مسجد میں برابر آمد و رفت رہتی تھی اور ایسا تعلق اور یگانگت تھی کہ ہم بچوں کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہم سب کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہے، ہر اتوار کو بعد مغرب حضرت والد ماجد یا حضرت مولانا علی میاںؒ کا درس قرآن ہوتا تھا، جس میں شرکت کے لئے اکثر وبیشتر خانوادۂ حسنی وحسینی کی مستورات بھی آتی تھیں۔

راقم سطور کے بڑے بھائی مولانا محمد حسان نعمانی کے بالکل ابتدائی ساتھیوں اور دوستوں میں بھی خانوادۂ حسنی ہی کے دو فرزند تھے، ایک مولانا حمزہ حسنیؒ اور دوسرے جناب سید حسین حسنیؒ۔ حسان بھائی کی دوستی ان دونوں سے بہت گہری تھی اور آخر تک قائم رہی۔ اور اسی وجہ سے میرے دل میں بھی ان کے لئے وہی احترام ہمیشہ رہا جو ایک چھوٹے بھائی کے دل میں اپنے بڑے بھائی کے لئے رہتا ہے۔

اہل نظر بخوبی جانتے ہیں کہ انسان کی عادات و خصائل اور سیرت وکردار پر خاندان کے اثرات بہت گہرے ہوتے ہیں، کئی بار یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی کے ابتدائی حصے میں بظاہر اپنے بڑوں سے کچھ مختلف راہ پر چلتا ہوا نظر آتا ہے، لیکن جیسے جیسے عمر آگے بڑھتی ہے اس کے اندر تبدیلی نظر آنے لگتی ہے اور بالآخر اس کے بزرگوں کے اوصاف وخصائل کی اچھی خاصی جھلک اور تاثیر اس کی شخصیت میں صاف محسوس ہونے لگتی ہے۔

غالباً ہمارے ممدوح مولانا سید محمد حمزہ حسنی بھی اس حقیقت کی ایک روشن مثال تھے۔ مشرقی اترپردیش کے ضلع رائے بریلی کے عالمی شہرت یافتہ حسنی قطبی سادات کے جس خانوادے میں انہوں نے آنکھ کھولی، وہ اپنی خداداد اور موروثی و موہوبی صلاحیتوں، فطری اوصاف وکمالات اور تاریخ کے مختلف مرحلوں میں اس کے باتوفیق افراد کی خدمات کی وجہ سے معروف بھی ہے اور بلند وممتاز مقام کا حامل بھی۔

ہمارے ممدوح مولانا محمد حمزہ حسنیؒ کو

بہت قریب سے دیکھنے اور برتنے کا مجھے تو موقع نہیں ملا، تاہم میرے بڑے بھائی مولانا محمد حسان نعمانی ندویؒ ان کے بچپن کے نہایت قریبی دوست اور ہم دم و رازداں ہیں۔ انہوں نے ان کے بارے میں اپنے مضمون میں، جو غالباً ماہنامہ رضوان کی اسی خصوصی اشاعت میں شائع ہوگا، اور ''تعمیر حیات'' ندوۃ العلماء لکھنؤ کی خصوصی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے۔ لکھا ہے:

''بہت سی باتیں ان کے اندر اپنے والد مولانا محمد ثانی حسنی علیہ الرحمۃ کی آئی تھیں''

مولانا محمد ثانی حسنیؒ کے بارے میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی منقولہ بالا تحریر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے:

''مولانا محمد ثانی حسنیؒ کی وفات پر والد ماجد مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے ان کی کچھ ایسی خصوصیات کا ذکر کیا ہے، جن کا بعینہ مشاہدہ میں نے اپنے رفیق محترم مولانا حمزہ حسنیؒ میں کیا۔''

مولانا حسان نعمانی نے مزید لکھا ہے:

''قارئین میں سے جن کا قریبی تعلق مولانا حمزہ حسنیؒ سے رہا ہے وہ...... بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مولانا حمزہ حسنیؒ ان کے (یعنی اپنے والد گرامی کے) کیسے سچے وارث تھے۔ ان کا یہ دوست گواہی دیتا ہے کہ وہ بھی بلاشبہ معصوم صفت تھے۔''

مولانا حسان نعمانی کی یہ گواہی بھی بہت قابل غور ہے:

ان خصوصیات کی وجہ سے میں بچپن سے ہی ان کو ایک طرح سے اللہ والا سمجھتا تھا ...... وہ میرے انتہائی قریبی دوست تھے، میں دیکھتا تھا کہ گناہ کرنا تو دور کی بات وہ کبھی کسی گناہ کی بات تک میں شریک نہیں ہوتے تھے، اس عمر میں غیبت کرنے اور چھوٹی موٹی گالی منھ سے نکل جانے کو کوئی بڑا گناہ نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن چونکہ وہ اس طرح کی باتوں سے بھی بہت دور رہتے تھے، اس لئے وہ میری نظر میں معصوم (صفت) تھے، اللہ والے تھے۔''

بچپن میں، میں ان کے بارے میں صرف یہ جانتا تھا کہ یہ حسنی خانوادے کے ایک فرد ہیں اور حسان بھائی کے دوست ہیں، چونکہ حسان بھائی اور وہ دونوں کرکٹ کے بڑے کھلاڑی بھی تھے، اس لئے کبھی کبھی کوئی میچ دیکھنے چلا جاتا تھا، میں خود اس بات کو نوٹ کرتا تھا کہ کھیل کے میدان اور اس ہوحق کے ماحول میں بھی حمزہ بھائی اپنی سنجیدگی اور وقار کے لحاظ سے سب سے منفرد نظر آتے ہیں۔

بچپن میں میرا ایک معمول یہ بن گیا تھا کہ عصر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لئے مجھے گھر سے باہر جانے کی اجازت ہوتی تھی، جس میں اکثر و بیشتر روز مرہ کی ضروریات کا بازار سے لانا بھی میرے ذمے ہوتا تھا اور کچھ دیر اپنے دونوں دوستوں (مولانا) سلمان حسینی اور (ڈاکٹر) احمد حسنی کے ساتھ وقت گذاری کی اجازت بھی ہوتی تھی، کئی بار ہم لوگ اسی مکتبۂ اسلام کے قریب یا اس کے نزدیک واقع مسجد کے پاس کھڑے ہو کر گپ لڑایا کرتے تھے، مولانا ثانی حسنیؒ مکتبۂ اسلام میں بیٹھتے تھے، جہاں بعد میں مولانا حمزہ حسنیؒ بیٹھتے تھے، یہی مکتبۂ اسلام ماہنامہ رضوان کا دفتر بھی تھا، اسی چھوٹی سی دوکان میں ہمارے بچپن کے استاد مولانا ڈاکٹر ہارون رشید صاحب بھی مدتوں ناظم دفتر کی حیثیت سے بیٹھتے رہے، جب بھی ہماری نظر مولانا حمزہ صاحبؒ پر پڑتی وہ زیادہ تر کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف بلکہ منہمک نظر آتے تھے، ان کے ذوق مطالعہ کے بارے میں حسان بھائی کی یہ گواہی بہت اہم ہے:

''بہت بچپن سے ہی ان کو مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ جب بھی ان سے ملنے جاؤ یا کھیل کے لئے بلانے جاؤ ان کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی کتاب ملے گی، ان کو کھیل کے لئے لے جانے کے لئے ہم لوگوں کو کافی محنت کرنی پڑتی۔''

ماہنامہ رضوان

مولانا محمد ثانی حسنی نے مسلم خواتین اور بچیوں کے لئے ایک ماہوار رسالہ رضوان جاری کیا تھا، جس میں آسان زبان میں چھوٹے چھوٹے ہلکے پھلکے تربیتی اور اصلاحی مضامین شائع ہوتے تھے، خواتین

کی دلچسپی کے لیے پکوان کی ترکیبیں جیسی چیزیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ مولانا حمزہ حسنیؒ نے اس رسالہ کو جاری رکھا اور آگے حلقۂ افادیت کو بڑھانے کی بھی کوشش کی، خدا کرے کہ یہ رسالہ جاری رہے اور بہت بڑے دائرے میں اس سے ہماری خواتین اور بچیوں کو فائدہ پہنچتا رہے، امید ہے کہ مولانا حمزہ حسنی صاحبؒ کے اخلاف اس طرف بھی خاطر خواہ توجہ دیں گے۔

نائب ناظم ندوۃ العلماء

ندوۃ العلماء کی نظامت تو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے سپرد تھی، اور یہ ان کے ساتھ اللہ کی بڑی مدد تھی کہ نظامت کی تمام ذمے داریاں عملی طور پر سنبھالنے کے لئے انھیں مولانا معین اللہ ندویؒ جیسا رفیق اور معاون ملا ہوا تھا، جو نہایت خاموشی، یکسوئی اور سلیقے کے ساتھ طویل عرصے تک یہ ذمے داری سنبھالے رہے، اور اس کی وجہ سے حضرت مولاناؒ زیادہ تر اپنے دعوتی و تصنیفی مشاغل میں اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ مشغول رہے، حضرت مولاناؒ کے بعد ندوۃ العلماء کی نظامت کی ذمے داری استاذ گرامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی مدظلہ العالی کے سپرد ہوئی، اس دور میں جب مولانا حمزہ حسنی کے سپرد نیابت نظامت کی ذمے داری ہوئی تو ہماری دانست میں ان کی کوشش بھی یہی ہوتی تھی کہ وہ اس طرح یہ خدمت انجام دیں کہ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ العالی کو ذہنی اطمینان نصیب رہے، اور وہ دوسری گراں بار ذمے داریاں یکسوئی کے ساتھ ادا کرتے رہیں۔

مرض وفات اور انتقال

ان کی بیماری کی سنگینی کی اطلاع راقم سطور کو کافی دیر سے ہوئی۔ ان کی خیریت طلبی اور علاج کے بارے میں دریافت کرنے اور ممکن ہو تو کچھ مشورہ دینے کی غرض سے ان کے صاحبزادے عزیزی سید سعید احمد حسنی ندوی سلمہ سے رابطہ کرتا رہا، کبھی امید افزا خبر ملتی اور کبھی تشویشناک، بالآخر ماہ مبارک کے آخری جمعہ کے دن عصر مغرب کے درمیان میں، جو نہایت برکتوں اور فضیلتوں والا وقت ہوتا ہے، وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، امید ہے ان کے حسنات قبول اور لغزشیں معاف ہوئی ہوں گی اور وہ اپنے اسلاف کے ساتھ دار الخلد میں ہر خوف، ہر غم اور تکلیف سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوکر رب کریم کے الطاف وعنایات کا لطف اٹھا رہے ہوں گے۔ مزید دعا یہ ہے کہ ان کے صاحبزادگان اور سب پسماندگان کو اپنے بزرگوں کے اوصاف کی بھرپور وراثت ملے اور این خانہ ہمہ آفتاب کی ضیاپاشیوں سے ہمیشہ ملک و ملت کو روشنی ملتی رہے۔ آمین

○○○

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جن بندوں اور بندیوں کو حج بیت اللہ کی توفیق ملی ہے ان میں سے بڑی تعداد اپنے گھروں سے نکل کر حرمین شریفین پہنچ چکی ہے اور عمرہ کی سعادت سے ان کے چہرے روشن ہو چکے ہیں اور روضۂ اقدس کی حاضری سے ان کی قسمت چمک چکی ہے۔ اس پر ان کو اللہ تعالیٰ کا شکر زیادہ سے زیادہ ادا کرنا چاہئے۔ اب چند روز کے بعد حج کے مبارک دن شروع ہوجائیں گے اور ایک مسلمان بندے اور مسلمان بندی کی زندگی کی بڑی تمنا پوری ہوجائے گی۔ لبیک اللھم لبیک کی صدائیں بلند ہورہی ہوں گی۔ اللہ کے فضل و کرم کی بارش ہورہی ہوگی اور تمام حاجی رحمت الٰہی سے شرابور ہورہے ہوں گے۔ اور حج کے مکمل ہونے پر تمام حاجی گناہوں سے پاک صاف ہوکر اپنے وطن واپس آرہے ہوں گے۔ حج سے واپسی پر زندگی میں ایسی خوشگوار تبدیلی آنا چاہئے جس کو ہمارے خاندان، محلہ والے سب محسوس کریں۔ کہ یہ شخص جو حج کرنے گیا تھا اور حج کرکے واپس آیا ہے اب ایک دوسرا ہی شخص ہے جو نیکیوں اور بھلائیوں کا مرقع ہوگیا ہے اور خاندان، پڑوسیوں اور ملنے والوں کے لئے باعث رحمت بن گیا ہے۔ ہمدردی، غمگساری کا ایک نمونہ ہوگیا ہے اس کو دیکھ کر اللہ یاد آتا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد پر عمل کرتا ہے غرض کہ یہ اسلام کا عملی نمونہ ہے جو میرے معاشرہ کے لئے ایک روشن مثال ہے۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

مولانا محمد ناصر سعید اکرمی
مدیر طیبات بھٹکل

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ

تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ندوہ سے تین اہم شخصیات ہم سے رخصت ہوگئیں، مولانا نذر الحفیظ ازہری ندوی، مولانا رئیس الشاکری ندوی اور تیسرے ندوۃ العلماء کے نائب ناظم خاندان حسنی کے ایک روشن چراغ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی بھی ہم سے رخصت ہوگئے، **إنا لله وإنا إليه راجعون، كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذو الجلال والإكرام** "دنیا میں ہر شے فنا ہونے والی ہے اور اللہ عزوجل کی ذات عالی باقی رہنے والی ہے۔ مذکورہ تینوں کا رخصت ہوجانا اہل ندوہ کے لیے بالخصوص اور ہم سب کے لیے بالعموم ایک بڑے خسارے کے مترادف ہے۔

۲۵ رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ مطابق ۷رمئی جمعہ کا دن مختصر علالت کے بعد آپ اس جہان فانی کو الوداع کرتے ہوئے دار بقا کو کوچ کر گئے، دنیا میں آئے دن کوئی نہ کوئی موت کے منھ میں چلا جاتا ہے، ہر بشر کے لیے موت یقینی ہے، ہر فرد موت کا مزہ چکھے گا، دنیا میں وہ آیا ہی جانے کے لیے ہے، لیکن ہر جانے والا یکساں نہیں ہوتا، کسی کے جانے سے اس کے گھر والوں پر اثر پڑتا ہے، کسی کی وفات سے محلّہ والے اثر انداز ہوتے ہیں اور کسی کے رخصت ہونے سے شہر کے شہر غم واندوہ میں ڈوب جاتے ہیں، اور اس کے دنیا سے رخصت ہونے کی وجہ سے بڑی کمی محسوس کرتے ہیں، اس لیے کہ ان کے وجود سے قوم وملت مستفید ہورہی تھی، ان کی ذات سے لوگوں کو فائدہ ہورہا تھا، اب وہ فائدہ ان کے چلے جانے سے رک جاتا ہے، اس لیے عوام وخواص کا افسردہ ہونا امر طبعی ہے، ادھر تین سالوں کے عرصے میں بالخصوص ہندوستان میں علماء وصلحاء، ادباء وشعراء، ائمہ وفقہاء کی ایک بڑی تعداد ہم سے رخصت ہوگئی جس کی وجہ سے پوری ملت سوگوار ہے، محفل علم وادب ماتم کناں ہے، میکدۂ علم وفن اشک بار ہے، ارباب حل وعقد فکر مند ہیں، دعوتی وتعلیمی، دینی وفکری میدان میں کام کرنے والوں پر رنج والم، غم وفکر سوار ہے کہ ان حضرات کی جدائی سے جو عظیم خلا پیدا ہوگیا ہے اس سے میدان علم وادب جو خالی ہی خالی نظر آرہا ہے، کیسے پُر کیا جائے، لیکن اللہ کی شان بڑی بے نیاز ہے، وہ ذات عالی جو ہر تنگی سے نکلنے کی جگہ اور ہر پریشانی سے باہر آنے کا راستہ نکال لیتا ہے، اس لیے اس کی ذات والا صفات سے امید راسخ ہے کہ وہ اپنے غیب کے خزانے سے ان سب کا نعم البدل ملت کو نصیب کرے گا، **إن شاء الله. وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيْزٍ.**

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کے بارے میں معلوم ہوا کہ آپ نے میدان عمل میں کئی محاذ پر کام کیا، شروع میں کرکٹ کے میدان کے سب سے بڑے کھلاڑی بن کر ابھرے اور ایک اچھے کرکیٹر کی حیثیت سے نام پیدا کیا، آپ نے سیاست میں بھی قدم رکھا اور اپنی شعلہ بیانی اور خطابات سے لوگوں کے دلوں کو جیت لیا، کھیل ہو یا سیاست سب وقتی چیزیں تھیں، اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم کام کے لیے آپ کو پیدا کیا تھا، آپ سادات کے چشم و چراغ تھے، آپ کا تعلق علمی گھرانے سے تھا، قدرت نے آپ کی صلاحیت اور طاقت قوم وملت کی فلاح و بہبود کے لیے خاص کردی تھی۔

حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ کی نظر جو اس وقت ندوہ کے معتمد تعلیم تھے، آپ پر پڑی، آپ کی انتظامی وعلمی

صلاحیت کو دیکھتے ہوئے ندوہ آنے کی دعوت دی، مولانا حمزہ ندوہ آئے اور اپنے خلوص وللّٰہیت اور سنجیدگی و متانت، وقار و شائستگی سے زندگی کی آخری سانس تک کسی اور طرف نظر کو اٹھائے بغیر حضرت ناظم صاحب مدظلہ سے جڑے رہے اور آپ کے مشورے سے کام کرتے رہے۔

مولانا مرحوم نے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے خطوط کو جمع کر کے ''مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ'' کے نام سے شائع کیا ہے، یہ ۶/ جلدوں میں ہے، اسی طرح مولانا مرحوم کی دو کتابیں اور ہیں، سیرت امہات المؤمنین دوسری تذکرۂ صحابیات، ماہنامہ ''رضوان'' بھی ایک مدت تک آپ کی ادارت میں نکلتا رہا، اس میں آپ کے جاندار اداریے اور مضامین شائع ہوتے تھے اور ندوہ کے انتظام و انصرام کے ساتھ ساتھ علمی مشغولیات بھی برابر جاری رکھے ہوئے تھے، یہاں بطور نمونہ صرف دو اداریے پیش خدمت ہیں، اسی سے آپ کے قلم کی طاقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح مرحوم نے معاشرہ کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے اور اس کی اصلاح کے لیے کتنی اچھی باتیں تحریر کی ہیں۔

مولانا مرحوم کا یہ اداریہ ملاحظہ فرمائیں ''گھر میں سدھار کیسے ہو'': یہ سوال اس وقت ہر طرف ہو رہا ہے، کسی بھی قوم کے لیے یہ بڑے نقصان کی بات ہے کہ اس کے گھریلو معاملات بگڑ جائیں کیوں کہ قوم سڑکوں یا بازاروں میں نہیں بنتی اور نہ بڑے بڑے جلسوں اور کانفرنسوں میں اس کی ذہنی وقلبی تشکیل ہوتی ہے، یہ جلسے دراصل ایک قوت بخش ٹانک کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن ٹانک بھی اسی کو فائدہ پہنچاتا ہے جو صحت مند ہو، صحیح گھریلو تربیت اور ماحول ہی وہ اصل شے ہے جو کسی بھی انسان کو کندن بناتا ہے اور گھریلو ماحول بہتر نہیں ہے تو آپ باہر سے کچھ نہیں کر سکتے، جو آدمی فساد خون کا شکار ہو اس کے اوپری بدن پر کسی مرہم کے لگانے سے اس کو صحت نصیب نہیں ہوگی، علاج فساد خون کا ہی کرنا ہوگا، اسی طرح ہم کو سب سے پہلے اس کی فکر کرنا چاہیے کہ ہمارے گھر مغربیت، فیشن پرستی اور لادینی اثرات سے پاک ہوں، ہم اگر اپنے گھروں میں ریڈیو پر گانے سنتے ہیں، ٹیلیویژن پر نشر ہونے والے ہر طرح کے پروگرام دیکھتے ہیں اور اپنے بچوں کو مغربی تعلیم دلاتے ہیں، ان کی دینی تعلیم کی فکر نہیں کرتے تو پھر ہم یہ امید کس طرح کر سکتے ہیں کہ آنے والی نسل بہترین مسلمان اور مفید انسان بن سکے گی اور کس طرح ہمارا گھر پاک وصاف رہ سکے گا اور کس طرح ہمارے بچوں کو ماؤں کی وہ گود مل سکے گی جس میں پل کر امام حسن بصریؒ، سفیان ثوریؒ، امام بخاریؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور لاتعداد علماء شہداء اور مجاہدین تیار ہوئے۔

[ماہنامہ رضوان، فروری ۱۹۸۷ء، ص ۳]

یہ دوسرا اداریہ بھی اصلاح معاشرہ کے تعلق سے ہے: ''اس وقت ہمارے مسلم معاشرے کو جو چیز گھن کی طرح کھائے ڈال رہی ہے وہ ہے آپسی انتشار اور نجی فائدہ کو ہر ملی مفاد اور دینی معاملہ پر ترجیح دینا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی بھی معاملہ چاہے وہ خاندانی حیثیت رکھتا ہو یا پوری ملت سے اس کا تعلق ہو الجھتا ہی جا رہا ہے، ایثار اور قربانی کے الفاظ یا ڈکشنریوں میں ملتے ہیں یا سوانح وسیر کی کتابوں میں۔

ہمارا حال تو اب یہ ہے کہ ملت کے مفاد کی بات تو جانے دیجیے خاندانی معاملات میں بھی ہم بدترین قسم کی خود غرضی اور مفاد پرستی کے شکار ہیں، جس کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ بھائی بھائی میں نفرت اور دوری پیدا ہوگئی ہے، شاید چند ہی گھرانے ایسے ہوں گے جہاں جائداد یا کاروبار کے جھگڑے نہ ہوں، ورنہ جدھر دیکھیے معمولی معمولی بات پر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں، آپسی محبت ومودت جو اسلام کی عطا کردہ ایک نعمت عظمیٰ تھی بالکل مفقود ہوگئی ہے۔

لیکن ہماری غفلت و بے حسی اب اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ہم کو اس خطرناک صورت حال کا احساس تک نہیں ہوتا علاج

تو دور کی بات ہے۔

ہم سب لوگوں کا یہ فرض ہے کہ اپنے اپنے حلقہ کی فکر کریں اور پہلے اپنے گھر کی اصلاح کی فکر کریں اور اس کو درست کریں، اگر گھر درست ہوگا تو محلّہ اور پڑوس اس سے متاثر ہوگا اور اصلاح حال کی معطر ہوا پوری فضا کو خوشگوار کردے گی۔

[ماہنامہ رضوان، نومبر ۱۹۸۸ء، ص ۳]

قسام ازل نے خاندان حسنی میں بعض ایسی صفات وخوبیاں ودیعت فرمائی ہیں جو بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں، ان صفات میں سے ایک صفت قوت برداشت کی ہے، صبر وتحمل ایک ایسی صفت ہے کہ اگر یہ کسی انسان کے اندر موجود ہو تو وہ نیکی کے ڈھیر سارے کام دنیا میں انجام دے سکتا ہے، حضرت مفکر اسلام علیہ الرحمہ نے ''واہجرھم ھجراً جمیلا'' کی قرآنی صفت کو ہر موڑ پر اپنایا تھا، صرف اپنی ذات کے لیے کسی سے بدلہ لینا گوارا نہیں کیا، ہاں اگر اسلام پر کوئی آنچ آئے تو حکومت کے لوگوں کو بھی نہیں چھوڑا، باطل کے ایوانوں میں بھی زلزلہ برپا کیا۔

مولانا مرحوم پر ایسے بہت سے موڑ آئے کہ اپنوں سے بھی آپ کو تکلیف پہنچی لیکن آپ نے کسی کو اُف تک کہنا گوارا نہیں کیا۔

راقم کا مولانا کی وفات سے چند ماہ پہلے ندوہ جانا ہوا تھا، وہاں مولانا سے کئی ملاقاتیں رہیں، مرحوم کو مہمان خانہ میں دیکھا، مہمان خانہ کے باہر دیکھا، اپنے مکان میں باہر کرسی پر بیٹھے دیکھا، مسجد میں دیکھا، لوگوں اور احباب سے گفتگو اور ملاقات کرتے دیکھا تو دل نے یہ تاثر دیا کہ کیسے اچھے ہیں یہ لوگ کہ سنجیدہ اتنے کہ بات کرتے ہیں تو آواز نہیں آتی، ملتے ہیں تو تواضع اور منکسر المزاجی کی آخری تصویر نظر آتے ہیں، خندہ پیشانی اور خوش مزاجی سے ملتے اور باتیں کرتے ہیں، یہ ہیں حسنی خاندان کی اعلیٰ صفات، یہ لوگ دوسرے کے کاموں سے خوش ہوتے ہیں اور تحسینی کلمات سے نوازتے ہیں اور بار بار ہمت بڑھاتے ہیں اور کاموں پر مبارک باد دیتے ہیں، یہ سب راقم کے مشاہدات ہیں، سنی سنائی باتیں نہیں ہیں، کوئی اگر ان حضرات کو کچھ کہتا ہے تو اس کو اپنی باتوں پر نظر ثانی کرنی چاہیے، کچھ کہنے سے پہلے ہزار بار سوچنا چاہیے، ورنہ منھ کی کھانی پڑے گی۔

مولانا مرحوم بھٹکل بھی تشریف لائے تھے، مرشد امت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے ساتھ بھی تشریف لائے تھے۔

مرحوم نے بالکل سادہ زندگی گذاری، راقم نے ندوہ میں آپ کے مکان میں آپ سے ملاقات کی تو دیکھا کہ کوئی دنیاوی عیش و آرام کی چیز موجود نہیں تھی، وہی پرانی کرسیاں اور چارپائیاں، کوئی ٹھاٹ باٹ نہیں، معمولی مکان میں زندگی گذاری، کام سے مطلب رکھا، خاموشی کے ساتھ نام و نمود سے دور رہ کر کام کیا، نائب ناظم کے عہدہ پر رہ کر ایسا کام کیا جس سے ندوہ کا نام روشن ہوا، کسے معلوم تھا کہ مولانا مرحوم کی یہ ملاقات آخری ملاقات ثابت ہوگی، اس ملاقات میں مولانا مرحوم سے راقم نے ان کے رفیق درس مولانا اقبال ملا ندوی کے بارے میں مضمون طلب کیا تھا جس کو آپ نے ارسال بھی کیا تھا۔

مرحوم کے حج کا ایک واقعہ مولانا محمد کلیم صدیقی نے اپنے تعزیتی کلمات میں بیان کیا ہے کہ: ایک مرتبہ حج میں مرحوم کا ساتھ رہا، آپ کے پاس صرف دو جوڑے کپڑے تھے، نہ کوئی کمرہ تھا اور نہ ہوٹل میں قیام کیا بلکہ حرم ہی میں پڑے رہے، ورنہ اگر وہاں کسی کو اپنے آنے کی اطلاع دیتے تو ندوہ کے ناظر عام اور حضرت مفکر اسلام کے نواسے ہونے کی حیثیت سے آپ کے استقبال میں لوگ ایئر پورٹ آجاتے۔

مرحوم کے نانا حضرت مفکر اسلام علیہ الرحمہ کو کون نہیں جانتا، آپ تو عالم اسلام کے گل سرسبد کہے جانے کے قابل تھے، آپ کے تعارف کے لیے فرزدق کا یہ شعر کافی ہے، شاعر نے حضرت امام حسینؓ جو امام زین العابدین کے نام سے مشہور تھے، ان کی توصیف میں ایک لمبا قصیدہ تحریر کیا ہے:

هذا الذي تعرف البطحاء وطأته
والبيت يعرفه والحل والحرم

**يكاد يمسكه عرفان راحته
ركن حطيم إذا ما جاء يستلم**

اس دوران کسی ہندوستانی کو مرحوم مولانا حمزہ حسنی کے آنے کی اطلاع مل گئی وہ مرحوم کو اپنے یہاں لے گئے، مرحوم مولانا حمزہ حسنی سادگی اور سنجیدگی کے مجسم پیکر تھے، بلکہ پورا حسنی خاندان اس رنگ میں رنگا ہوا ہے، اپنی کسی ادا سے بڑے ہونے کا اظہار نہیں کرتے تھے، مفکر اسلام سے لے کر مرشد امت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا یہی حال ہے، اس کی زندہ مثال رائے بریلی کی ان کی رہائش گاہ ہم سب کے سامنے ہے، معمولی سا مکان، نہ رنگ وروغن اور نہ سامان آسائش۔

مولانا مرحوم کے ندوہ کے بےتکلفی ساتھیوں میں مولانا غزالی ندوی خطیبی مرحوم، مولانا محمد اقبال ملا ندوی مرحوم، اسی طرح مولانا محمد صادق اکرمی ندوی دامت برکاتہم تھے، اول الذکر دونوں پر جب معہد حسن البنا سے "طیبات" کے ضخیم خصوصی شمارے نکلے تو ان میں مولانا مرحوم کا مضمون شامل تھا۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے، جنت میں اعلیٰ مقام سے نوازے تمام متعلقین کو صبر سے نوازے، ندوہ کو آپ کا نعم البدل نصیب فرمائے، **اللّٰهم اغفر له وارحمه۔**

☆☆☆

سرور کائنات حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت عین ایمان ہے، اس سے کسی بھی صاحب ایمان کو اختلاف نہیں، خود حضور اقدس فداہ ابی وامی کا ارشاد گرامی ہے:-

لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين۔ تم میں کسی کا بھی اس وقت تک ایمان کامل نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کو والد اور بیٹے اور سارے ہی لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ اس محبت وتعلق کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس طرح اپنے اندر پیدا کیا۔ ان کے واقعات کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ ہر صحابی مرد اور ہر صحابی خاتون آپ کی محبت وتعلق سے سرشار تھیں۔ آپ کے آگے محبوب سے محبوب شخص اور آپ کی چیز کے آگے محبوب سے محبوب چیز ہیچ تھی پھر صحابہ کرام کے بعد امت اسلامیہ کے سارے افراد نے اس تعلق کو قائم کرر کھا۔ اور آپ پر قربان ہونے اور محبوب چیزوں کو نچھاور کرنے کے لئے ہر زمانے میں مسلمان ایک دوسرے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے اور آج بھی آپ کی محبت ہماری قیمتی متاع اور قابل صد فخر سرمایہ ہے۔ اس گئے گزرے اور فتنوں سے بھرے غیر دینی ماحول میں گنہگار مسلمان بھی وقت آنے پر اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہونے کو تیار ہے لیکن صرف محبت اور وقت آنے پر قربانی کافی نہیں ہے محبت وہ ہے کہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہو۔ اس کی ہر ادا واجب الاحترام ہو۔ اس کا ہر ہر فعل اور ہر ہر قول دل وجان سے زیادہ عزیز ہو۔ یہی محبت کا تقاضا ہے اور یہی محبت کا ماحصل ہے۔ سب سے بڑی محبت یہ ہے کہ آپ کی اطاعت کی جائے اور آپ نے جن کاموں سے روکا ہے اس سے رکا جائے۔ صورت میں، سیرت میں، اخلاق میں، طرز زندگی میں معاشرت میں، عبادت میں غرض کہ ہر ہر قول وفعل میں آپ کے ارشاد پر عمل کیا جائے اور آپ کی مشابہت اختیار کی جائے بس یہی محبت ہے اور اسی پر جنت کی بشارت ملی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

میری امت کے سب لوگ جنت میں جائیں گے مگر وہ جنت سے محروم رہیں گے جنہوں نے انکار کیا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکار کون کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا جس نے نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

ذوق رکھ سنت گرامی سے — ہے شرف آپؐ کی غلامی سے
جو کوئی پیرو رسولؐ نہیں — لاکھ طاعت کرے قبول نہیں

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ کی دیدہ زیب طباعت

مکتوبات مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	اوّل	مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی	250/-
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	دوم	مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی	350/-
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	سوم	مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی	300/-
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	چہارم	مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی	400/-
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	پنجم	مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی	350/-
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	ششم	مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی	350/-
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	ہفتم	مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی	زیر طبع
		کل میزان اوّل تا ششم	2000/-
		مصارف مع ڈاک صرف	1200/-

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539، موبائل نمبر: 9889378176

ای-میل: info@airp.org.in

ACOUNT NO 10863759700

Academy of Islamic Research & Publication
State Bank of India, Main Branch Lucknow (U.P)

• مولانا قاضی سید مشتاق علی ندوی •

قاضی ریاست بھوپال وصدر حضرت مولانا علی میاں ندوی میموریل ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، بھوپال

مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

کچھ یادیں کچھ باتیں

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ و السلام علی محمد وآلہ و صحبہ و من تبعہ الی یوم الدین اما بعد.

اللہ تعالیٰ نے ۱۹۷۷ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ کی سعادت عطا فرمائی۔ اس سال ہی دوران رمضان تکیہ رائے بریلی حضرت مولانا مفکر اسلام مرشدی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خدمت میں حاضری کی توفیق ملی۔ حضرت کی خدمت میں حاضری کے دوران جہاں دیگر معزز ومکرم افراد خاندان حسنی سے تعارف ہوا وہاں میں نے دیکھا کہ ایک بہت خوبرو نوجوان حضرت کے پاس آتے ہیں حضرت اُن سے بہت ہی محبت وتعلق کے ساتھ کچھ دیر بات کرتے پھر وہ چلے جاتے جب مسجد جاتا تو وہ حضرت مسجد میں ایک طرف تلاوت کرتے یا خاموش بیٹھے دکھائی دیتے۔ مہمان خانہ کے باہر علاقہ کے افراد کے ساتھ محو گفتگو نظر آتے، دیگر مہمانوں کی بھی خیر خیریت لیتے رہتے۔ کئی دن کے بعد معلوم ہوا کہ یہ حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ کے صاحبزادہ مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی ہیں۔ حضرتؒ کے نواسے ہیں۔ تکیہ کے قیام کے دوران حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ کی شفقتوں محبتوں سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملا۔ مولانا ثانی حسنیؒ نے جو کہ ماہنامہ رضوان کے ایڈیٹر بھی تھے انہوں نے رضوان میں لکھنے کی طرف متوجہ کیا اس کے بعد مکتبہ رضوان بھی جانا ہوا تو وہاں پر مولانا حمزہ حسنی ندوی سے مزید تعارف و تبادلہ خیال ہوا پھر تعلق تکیہ کی حاضری کی وجہ سے بڑھتا ہی گیا اور مولانا مرحوم بڑی شفقت اور محبت کا اظہار کرتے جب بھی جہاں مولانا مرحوم سے ملاقات ہوتی تو اپنی فطری مسکراہٹ کے ساتھ مصافحہ وملاقات کرتے کیونکہ فطرتاً کم گو تھے اس لئے مختصر بات کرتے پھر جب مولانا مرحوم کو ندوۃ العلماء میں انتظامی ذمہ داری سپرد ہوئی تو ان کے اخلاق وکردار، فہم فراست کے جوہر کو بہت قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ تواضع وانکساری وخاندانی شرافت کو دیکھا۔ ایک مرتبہ خاتون منزل حضرت مولانا عبداللہ حسنیؒ سے ملنے گیا، ندوۃ آنا تھا تو حضرت مولانا عبداللہ نے فرمایا کچھ دیر میں حمزہ بھیا ندوہ جائیں گے اُن کے ساتھ جانا، مولانا حمزہ حسنیؒ اپنے معمول کے مطابق نکلے اور موٹر کی اگلی سیٹ پر تشریف فرما ہوئے مولانا عبداللہ حسنیؒ نے فرمایا جاؤ تم ان کے ساتھ چلے جاؤ، میں آیا اور گاڑی کا عقبی دروازہ کھول کر عقبی سیٹ پر بیٹھ گیا، مولانا حمزہ حسنیؒ تیزی سے اٹھ کر اپنی سیٹ سے اترے اور میرے ساتھ آکر بیٹھ گئے میں نے کہا کہ آپ تو آگے ہی تشریف رکھیں تو کہنے لگے نہیں تمہارے ساتھ ہی بیٹھ کر باتیں کرتے چلیں گے۔ یہ بظاہر معمولی واقعہ معلوم ہوتا ہے لیکن اس سے مولانا کے اندر جو تواضع وانکساری اور خوردنوازی بلکہ اگر کہوں تو غلط نہ ہوگا، ذرہ نوازی کا جو جوہر تھا اس کی عکاسی ہوتی ہے۔

ندوۃ حاضری کے موقع پر میں کوشش کرتا کہ مرحوم سے اُن کے آفس میں جاکر ملاقات کروں جب بھی حاضر ہوتا بہت تپاک سے اور خندہ پیشانی سے استقبال کرتے علیک سلیک کے بعد حالات حاضرہ پر تبادلہ خیال اور علاقہ کے حالات معہد

الدراسات الاسلامیہ، خانقاہ شریف مجددیہ وغیرہ کے بارے میں استفسار کرتے اور اگر کوئی قابل اصلاح بات ہوتی یا مشورہ ہوتا تو وہ بھی دیتے، اکثر تو یہ ہوتا کہ میں مل کر چلا جاتا ایک مرتبہ گفتگو ہو رہی تھی کہ مسجد سے اذان کی آواز آنے لگی تو ہم ساتھ ہی اٹھے، اب جو بات میں بطور خاص ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ مرحوم نے اٹھنے کے ساتھ ہی خود آگے بڑھ کر لائٹ بند کی، پنکھا بند کیا اور میرے ساتھ باہر آگئے، جب کہ دروازہ کے باہر خادم موجود تھا، اس عمل سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ مرحوم کا ذہن کتنا بیدار و حساس تھا کہ وہ ندوۃ کا ادنیٰ سے ادنیٰ نقصان برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ چند منٹ بھی بجلی فضول کیوں خرچ ہو۔ مرحوم کے عمل نے یہ بھی بتایا کہ جو کام آدمی خود کر سکتا ہے اُس کو خود ہی کرنا چاہیے۔ الحمد اللہ میرا بھی معمول مولانا کے عمل کی وجہ سے یہ ہے کہ جب دار القضاء کے آفس سے نکلتا ہوں لائٹ اور پنکھے خود بند کرتا ہوں خدام کہتے بھی ہیں حضرت ہم بند کر دیں گے لیکن میری نظروں کے سامنے مرحوم کا وہ سراپا آجاتا ہے۔ جب لائٹ اور پنکھے بند کر رہے تھے۔

۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۵ء تک اللہ تعالیٰ نے ندوۃ کی برکت سے مدینہ منورہ میں قیام کی سعادت بخشی تھی۔ اب مجھے سن تو یاد نہیں ایک دن عصر کی نماز پڑھ کر مسجد نبویؐ میں حاضر تھا اور تلاوت کر رہا تھا کہ اچانک نظر مولانا حمزہ حسنیؒ پر پڑی وہ شاید صلوٰۃ و سلام کر کے باہر جا رہے تھے میں دوڑ کر گیا مصافحہ و معانقہ ہوا اور کچھ دیر بیٹھ کر گفت و شنید رہی، مرحوم نے بتایا کہ امارات ہوتے ہوئے مدینہ شریف پہنچا ہوں مقصد کچھ تجارتی معلومات تھا میں نے بہت کوشش کی کہ میری ضیافت قبول کریں لیکن مرحوم نے بتایا کہ میں اب روانہ ہو رہا ہوں، معلوم ہوا کہ مولانا کے اندر تجارتی صلاحیت بھی تھی اور وہ اس میدان میں آگے بڑھنا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو ان سے ندوۃ کی خدمت لینا تھی جس کو انہوں نے آخری عمر تک بحسن خوبی انجام دیا۔ ندوۃ کی شوریٰ کی میٹنگ ہو۔ ندوۃ کے انتظامی امور ہوں، مسجد و دیگر عمارات کی تعمیرات کا مرحلہ ہو، اندرونی خلفشار و ہنگامہ کی فضا ہو، ہر موقع پر مولانا مرحوم کی انتظامی صلاحیتوں کا مشاہدہ ہوا کہ کس خوش اسلوبی سے وہ کارروائی چلاتے اور بغیر رعب و دبدبہ بنائے خاموشی سے مسائل کو حل کرنے کی سعی مشکور کرتے۔

ذاتی زندگی مرحوم کی بہت ہی سادہ و زاہدانہ تھی:

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل

کا میرے نزدیک ایک اعلیٰ نمونہ تھے

مرحوم کے انتقال سے چند دن قبل ندوۃ حاضری ہوئی تھی، ظہر کے بعد اُن کی قیام گاہ پر ملنے گیا، لنگی و بنیان میں ملبوس بہت ہی سادہ تخت پر بیٹھے دہی اور کھچڑی تناول کر رہے تھے مجھے بھی کھانے میں شامل کیا اور میرے لئے الگ سے انتظام کروایا۔ حسب معمول باتیں کرتے رہے۔ میں نے ایک مسئلہ کی طرف دوران گفتگو متوجہ کیا تو فوراً متعلقہ شخص کو فون لگایا اور تاکید کی کہ جلد از جلد یہ معاملہ حل کیا جائے، یہ میری اُن سے آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد اُن کی طبیعت خرابی کی خبریں ملتی رہیں آخر ان کے شہر کے ایک دوست جناب عمران صاحب کا فون آیا کہ ابھی چند منٹ قبل مولانا حمزہ حسنی ندوی دنیا فانی سے دنیا باقی کی طرف کوچ کر گئے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون**

کل عزیز سعید حمزہ حسنی سلمہٗ کا فون آیا کہ آپ بھی کچھ "ابی" کے تعلق سے لکھ کر ارسال کر دیں۔ اُن کی فرمائش و خواہش پر یہ چند "باتیں و یادیں" لکھ کر ارسال کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے اور ندوۃ کو اُن کا نعم البدل عطا فرمائیں۔ اہل خاندان خصوصاً مرشد الامت میر کارواں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کو صبر جمیل کے ساتھ ان کے سایہ عاطفت کو بصحت و عافیت پوری امت پر تادیر قائم و دائم رکھے۔ آمین

و صلی اللہ علی النبی الکریم و علی آلہ و صحبہ اجمعین

○○○

جناب قطب اللہ ندوی
سابق ایڈیٹر راشٹریہ سہارا، لکھنؤ

ایک شمس تھا سرِ آسماں

یہ گذشتہ صدی کی چھٹی دہائی کا زمانہ تھا، جب اس کا نصف حصہ گزر چکا تھا، اس وقت ایشیا کی عظیم دینی وعلمی درس گاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ایک انتہائی سنجیدہ، کم گو اور ذہین شخصیت سے متعارف ہوا، وہ نوجوان تھے سید حمزہ محمد حسنی۔

مہینہ ٹھیک سے یاد نہیں لیکن سردیوں کا زمانہ تھا، دن کے کوئی گیارہ بجے ہوں گے، دارالعلوم کی تاریخی عمارت کو گنگنی دھوپ اپنے حصار میں لیے ہوئی تھی، بالائی منزل پر جہاں بڑے درجات لگتے تھے، وہاں برجیوں کے پاس گھنٹہ خالی ہونے کی وجہ سے وہ طلباء بیٹھے نظر آئے جو دارالعلوم کے ذہین اور مختلف میدانوں میں نمایاں تھے، ان میں ملکی اور غیر ملکی دونوں شامل ہوتے تھے، گفتگو مختلف موضوعات پر ہوتی تھی ،ادب، دینیات اور کھیل وغیرہ پر بہت کھل کر بات ہوتی تھی، افریقی طلباء میں ایک نام آدم بھائی کا تھا، لمبے تڑنگے، انتہائی نرم گفتار، اکثر انگریزی زبان میں اپنی بات کہتے، پروفیسر شبیر احمد ندوی، معتبر شاعر رئیس الشاکری ندوی، عبدالمنان غم، عبدالرب نشتر، ڈاکٹر رفیق احمد خاں، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، عبدالسلام جونپوری، محمد عمران، عبدالرزاق گجراتی، مولانا فضل الرحمن اور محمد ذکی افریقی وغیرہ اس محفل میں شریک رہتے، کہنے کو تو گپ شپ کا نام دیا جاسکتا ہے، جہاں ہنسی مذاق کے علاوہ قہقہے بھی لگتے لیکن گفتگو اکثر بہت سنجیدہ موضوعات پر ہوا کرتی تھی، راقم الحروف اگرچہ ان سب میں جونیئر تھا لیکن درجات کے گھنٹے اگر خالی ہوتے اور علمی گروپ وہاں نظر آجاتا تو خاموشی کے ساتھ ان کی محفل میں شریک ہوجاتا، میری جرأت کو کبھی بھی ناپسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا گیا، اول تو ان کے سامنے بولنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی لیکن اپنی کم علمی کے باوجود اگر کسی موضوع پر میں لب کشائی کر بیٹھتا تو میری بات غور سے سنی جاتی تھی، ایک دو بار ایسا ہوا کہ دو ایک حضرات نے نظر انداز کرنے کی کوشش کی تو وہی خاموش، کم گو اور انتہائی سنجیدہ چہرہ نے مجھے سہارا دیا اور میری بات پر توجہ دینے کا مشورہ دیا، یہی تھے حسنی خانوادہ کے وہ چشم وچراغ جنہوں نے پوری زندگی کبھی کسی کو نظر انداز نہیں کیا، سب کو وہ سنتے، بہت غور کرتے، اگر جواب دینا ضروری ہوتو انتہائی ذہانت اور حسن اخلاق کے ساتھ حق بات کہتے۔

طالب علمی کے زمانہ سے میرا اس ذی وقار شخصیت سے جو تعلق قائم ہوا وہ آخر تک برقرار رہا، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے باہر آنے کے بعد جب دوسری یونیورسٹیوں اور اداروں میں گئے تب بھی یہ تعلق برقرار رہا، اس صف میں صرف میں تنہا نہیں، ڈاکٹر رفیق احمد خاں جو دوردرشن کے ڈپٹی ڈائرکٹر کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے، پروفیسر شبیر احمد ندوی جو لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے سربراہ ہوکر ریٹائرڈ ہوئے، ہمارے بہت سینئر پروفیسر محمد یونس نگرامی ندوی، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور دو چار حضرات جو لکھنؤ میں مقیم تھے، پابندی سے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ آتے رہتے تھے جس میں ہم لوگ خاص طور پر اساتذہ سے ملاقات کرتے تھے لیکن مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی سے جب ملاقات کرتے تو اس کی مدت کبھی کبھی طویل ہوجاتی تھی ،ان سے جہاں بہت سے امور پر تبادلہ خیال ہوتا، ان میں دینی، علمی، سیاسی اور سماجی موضوعات شامل ہوتے۔

دارالعلوم کے انتظامی وعلمی امور پر ان کی بڑی گہری نظر تھی، ان کے فیصلے اور اقدام سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی روشنی میں ندوہ برسوں کامیابی کے منازل

طے کرتا رہے گا، اللہ تبارک تعالیٰ نے انہیں جتنی عمر عطا کی تھی، اس میں ان سے بہترین خدمات لیں، پیچھے مڑ کر جب دیکھتے ہیں تب اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری طالب علمی کے زمانہ میں دارالعلوم کی جو پوزیشن تھی، بہت سادہ آسان چند ہوسٹل، اساتذہ اور طلباء کی تعداد کم، عمارتیں کم، میدان وسیع وکشادہ، اس کے مقابلہ اب زمینیں کم پڑ گئیں، کثیر منزلہ عمارتیں بھی اگ آئیں، طلباء و اساتذہ کی تعداد ماشاء اللہ، بہت زیادہ آسانیاں، کم مسائل اور وسائل سوال بن کر کھڑے نظر آتے، ایسے میں مولانا حمزہ حسنی کی بالغ نظری ودانش مندی نے بڑا کام کیا اور اس علمی کشتی کو بڑے بڑے طوفان سے بچا کر انتہائی حسن وخوبی کے ساتھ ساحل سے لگادیا، کچھ اوقات ایسے بھی در پیش آئے جب طوفانی تھپیڑوں سے اٹھی کچھ جھاگ کشتی میں آنے لگی تو بڑی پامردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس خاموش اور بالغ نظر شخص نے اس جھاگ پر قابو پانے کے لیے طغیانی کو ہی اپنی تدبیر سے خاموش کردیا، آخر ایسا کرتے کیوں نہیں کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی گود کے کھلائے ہوئے مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی تربیت، حکمت وتدبر اور حسنی خانوادہ کے وقار کے پروردہ اور امین تھے۔

کئی ایسے مواقع آئے جب مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی نے مجھے کچھ ذمہ داریاں دیں جو ادارہ سے متعلق تھیں، انہیں میں نے انتہائی محتاط ہو کر مکمل کیا اور انہیں حقائق سے واقف کرایا؛ ''قومی آواز'' سے جب میں منسلک تھا تو گذشتہ صدی کی نویں دہائی میں پریس کے چند افراد دارالعلوم اور مفکر اسلام کے خلاف کچھ سازشوں میں مصروف تھے، اس میں ہندی اور انگریزی پریس شامل تھے، پس پردہ کون لوگ تھے، اس کا پتہ نہیں چل پارہا تھا، اس سلسلہ میں مجھے حکم ہوا کہ پتہ لگا ؤ کہ اس کے پیچھے کون ہے؟ چونکہ اس زمانہ میں راقم الحروف لکھنؤ جرنلسٹ ایسوسی ایشن کا صدر بھی تھا، اس سے قبل یوپی پریس کلب کا جوائنٹ سکریٹری بن چکا تھا اور صحافیوں کی کل ہند تنظیم انڈین فیڈریشن آف ورکنگ جرنلسٹ یونین کا نیشنل کونسلر بھی تھا، میں نے اس سلسلہ میں جب اس کنویں میں ڈول ڈالی تو اس میں دو ایک ایسی مچھلیاں ہاتھ لگیں جن کا ندوہ میں بڑا آنا جانا تھا اور بظاہر خود کو ادارہ کا ہمدرد ہونے کا ڈھونگ کر رہے تھے لیکن اندر ہی اندر تخریب کاری اور افترا پردازیوں میں مصروف تھے۔

جب مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کو یہ رپوٹ سونپی اور اکابر کو خبر ہوئی تب اس فتنہ پر بھی قدغن لگا، اس طرح مولانا حمزہ حسنی ندوی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ انتہائی خاموشی سے اس کا سدباب کردیا۔ نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا کے مصداق مولانا حمزہ حسنی ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء کی کشتی کو کئی طوفانوں سے بچا کر منزل سے ہمکنار کیا بلکہ اس کی ترقی کے منازل اتنی تیزی سے طے ہوئے کہ ندوہ کی ایک نئی تاریخ رقم ہوگی۔

رزنامہ ''قومی آواز'' بند ہوجانے کے بعد میں روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' سے منسلک ہوا تو پھر مولانا حمزہ حسنی ندوی سے ملاقات کرنے گیا، ساتھ میں دوردرشن کے ڈائرکٹر اور ندوہ کے ابنائے قدیم کے اہم رکن مولانا حمزہ حسنی ندوی کے ہم سبق ڈاکٹر رفیق احمد خاں ندوی بھی تھے، دونوں میں بے تکلفی تھی، انہیں یہ شکایت تھی کہ ماہنامہ ''رضوان'' کا چندہ تقریباً دو برس سے میرے اوپر باقی ہے، لے لیجیے، پتہ چلا کہ مولانا کے کتنے پرانے ساتھی ہیں جن کے یہاں رسالہ جاتا ہے، چندہ کی مدت ختم ہونے کے باجود دفتر سے کوئی یاد دہانی کرنے کی شاید ہدایت تھی، اس کے علاوہ بہت سے معاملات میں اپنے پرانے رفیقوں واحباب سے انتہائی روادارانہ اخوت اور محبت کا سلوک روا رکھتے تھے۔

روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' میں ملازمت کے دوران نویں دہائی میں پھر ایک بار کچھ بدخواہ صحافیوں نے ندوہ پر قلمی حملہ کیا لیکن اس بار ان سے چوک ہوگئی، دہلی کے علاوہ ملک کے شہروں سے شائع ہونے والے ایک ہندی روزنامہ کے لکھنؤ بیورو چیف نے مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے خلاف صفحہ اول پر ایک جھوٹی خبر شاہ سرخیوں میں شائع کردی، اس صحافی نے تبلیغی جماعت کے جس جلسہ کا حوالہ دیا تھا، اس میں راقم الحروف کے علاوہ کئی ہندی، انگیریزی اخبارات کے رپورٹرز اور فوٹو گرافرز موجود

تھے، مذکورہ خبر پر سب حیرت زدہ تھے لیکن سچ لکھنے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا، یہ بات سہارا کے چیئرمین سبرت رائے سہارا تک پہنچی، انہوں نے سچائی سامنے لانے پر زور دیا، سہارا شری کے برادر خورد اور میڈیا ہاؤس کے اہم رکن جے وی رائے نے ہندی اڈیشن کے لکھنؤ کے مقامی اڈیٹر کو ہدایت دی اور روزنامہ کے کسی صحافی کو یہ ذمہ داری دی جائے کہ وہ مفکر اسلام سے بات کرے، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اس زمانے میں علیل چل رہے تھے، ایسے میں ان سے ملاقات ناممکنات میں تھی۔

ادھر ہندی اڈیٹر کا مجھ پر برابر زور پڑ رہا تھا کہ سہارا شری زرد صحافت سے سخت نالاں اور عالم اسلام کی اتنی بڑی شخصیت پر افتراپردازی کا منہ توڑ جواب اپنے ہندی اور اردو اڈیشنوں کے ذریعہ دینا چاہتے ہیں، ایسے میں حضرت مولاناؒ سے ملاقت کی راہ مولانا حمزہ حسنی ندوی نے نکالی اور جو رپورٹ تیار ہوئی وہ اس طرح شاہ سرخیوں کے ساتھ سہارا کے ہندی اور اردو دونوں اڈیشنوں میں اول صفحہ پر شائع ہوئی جسے پڑھ کر یوپی پریس کلب میں صحافیوں کے درمیان گفتگو کا موضوع رہا، اس کے علاوہ اللہ تعالی نے کچھ ایسا کیا کہ ایک ماہ کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے خلاف جھوٹی رپورٹ لکھنے والے صحافی کو بڑی بے عزتی کے ساتھ اس ہندی روزنامہ نے اپنے یہاں سے باہر کردیا، اس رپورٹ پر بھی صحافیوں میں گفتگو ہوتی ہے تو اس صحافی کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔

ندوۃ العلماء کے شعبۂ صحافت میں خدمت کرنے کا موقع مجھے مولانا حمزہ حسنی ندوی نے دیا تو ان سے ملاقاتوں کا سلسلہ اور تیز ہوگیا حالانکہ اس سلسلہ میں ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ سے میں ملتا رہتا تھا اور ضروری ہدایت لیتا رہتا تھا، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ اردو، عربی اور انگریزی صحافت کے نہ صرف ماہر بلکہ ان کا برسوں عملی تجربہ بھی رہا ہے، لہذا ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا، مولانا حمزہ حسنی ندوی شعبۂ صحافت کے سلسلہ میں جو مشورہ دیتے اس سے ان کی بالغ نظری کا اندازہ نہ صرف مجھے تھا بلکہ اس کے معترف قومی آواز کے ہمارے سینئر رپورٹر حسین امین صاحب بھی تھے جو ابتداء سے ہی اس شعبہ سے منسلک تھے۔

مولانا حمزہ حسنی ندوی کا زیادہ زور رہتا تھا کہ قطب اللہ طلباء کو پریکٹیکل زیادہ کراؤ، ان کو تھیوری جو پڑھاتے ہو عملی طور پر ان سے کراؤ، زیادہ کوشش یہ رہے کہ ہمارے طلباء اردو میں'' قومی آواز'' کی رائج کردہ صحافتی اصولوں کو اپنائیں۔

مولانا عبید الرحمٰن ندوی نے ندوہ کے شعبۂ جرنلزم میں صحافت کی جدید ٹکنالوجی کو مولانا حمزہ حسنی ندوی کی سرپرستی میں جس طرح مہیا کرایا تھا، یہ مولانا حمزہ حسنی ندوی کی خصوصی دلچسپی کا نتیجہ تھا، وہ اکثر مجھے ہدایت دیتے کہ طلباء سے رپورٹ اور مضامین وغیرہ لکھا کر اپنے توسط سے اخبارات میں شائع کرانے کی کوشش کرو، میں نے اس پر برابر عمل کیا جس سے طلباء میں زبردست اور جوش پیدا ہوا، اس شعبہ کے فارغین آج کئی اردو اخبارات میں برسرروزگار ہیں۔

مولانا حمزہ حسنی کے اس نظریہ کی کامیابی آج نمایاں ہے، اس ادارہ سے نکلنے والے صحافی صحت مند جرنلزم کے نقیب ہیں، شعبۂ صحافت کے سلسلہ میں وہ اکثر مشورہ دیتے کہ قطب اللہ! مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی سے استفادہ کر رہے ہو نا؟ میں اثبات میں جواب دیتا کیونکہ صحافت تو ہم لوگوں نے طالب علمی کے زمانہ سے استاد محترم مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی سے سیکھی تھی، الرائد، البعث الاسلامی اور ''تعمیر حیات'' ہمارے لیے رول ماڈل رہے ہیں۔

مولانا حمزہ حسنی نے اپنی کم عمری کے زمانہ سے ہی انتہائی اہم کارنامے انجام دیے، اپنے اکابرین کے نقش قدم پر چل کر انہوں نے علمی و انتظامی امور کی اہم اور کامیاب راہیں نکالیں جو اس عظیم ادارہ کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی تھی، آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں، ان کی خاموش طبیعت، مدبرانہ نظر اور انتظامی صلاحیتوں سے بھرپور شخصیت ہم سب کے لیے مشعل راہ رہے گی۔

○○○

• مولانا ممشاد علی قاسمی •
بانی جامعہ فلاح دارین بلاسپور مظفر نگر، اتر پردیش

"وفا اور حلم و تواضع کے پیکر"

۱۹۹۷ء میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندویؒ کی خدمت میں حاضر تھا، اسی دوران ایک دن مولانا رضوان صاحب ندویؒ بانی مہتمم جامعۃ المومنات، دوبگہ لکھنؤ نے مجھے ندوہ سے گاڑی میں بٹھایا کہ چلو مولانا حمزہ صاحب کے پاس چلتے ہیں۔ ہم لوگ ان کے گھر گئے تو مولانا بے تکلفی سے ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے، صحن میں آگ پر دوائی کا کڑھاؤ چڑھا ہوا تھا، جس میں کوئی دوائی بن رہی تھی، مولانا سے ایک ڈیڑھ گھنٹہ بہت دلچسپی کے ساتھ گفتگو جاری رہی، مولانا حمزہ صاحبؒ سے یہ پہلی باقاعدہ ملاقات تھی۔ اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء اور خانقاہ تکیہ رائے بریلی میں حاضری کے اوقات میں ان سے برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ حسنی خاندان میں بڑوں کے معتمد و منظور نظر اور چھوٹوں کے لئے سراپا شفقت و محبت حضرت مولانا سید محمد حمزہ صاحب نور اللہ مرقدہ بہت کم گو، باوقار، باحیاء اور عملی شخصیت کے حامل تھے، زہد و بے نیازی جو اس خاندان کی اہم خصوصیت ہے، یہ وصف مولانا میں بدرجہ اتم موجود تھا، ان کی یہ صفت فطری اور خلقی تھی، اس لئے انہیں اس کے اظہار کا تکلف کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی تھی، بلکہ ان کی ہرادا، ہر معاملہ اور بات چیت سے خود بخود اس کا ظہور ہوتا تھا، جو نہ سامنے والے پر کچھ گراں گزرتا اور نہ ایسا محسوس ہوتا کہ وہ کسی تصنع سے کام لے رہے ہیں، ان کے رہن سہن اور ہر چیز سے فطری انداز جھلکتا تھا۔

۱۹۹۸ء میں جب حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ پر فالج کا حملہ ہوا اور دنیا بھر سے حضرت کے متعلقین محبین اور شاگردوں کے خیریت معلوم کرنے کے لئے کثرت سے فون آرہے تھے تو میں نے دیکھا کہ مولانا حمزہ صاحب ندوہ میں حضرت کی جائے قیام (مہمان خانہ) کے سامنے مسجد کے شمالی دروازہ کے پاس کرسی ڈال کر اور فون ایک ٹیبل پر رکھ کر بیٹھ گئے، پورا پورا دن خود وہاں ڈیوٹی دیتے اور جو فون آتے انہیں ریسیو کر کے تسلی بخش جواب دیتے۔ مولانا سید اسحاق صاحب ندویؒ بھی ان کے ساتھ رہتے تھے۔ مولانا حمزہ صاحب طبعی طور پر بہت سنجیدہ اور غور وفکر کے بعد بولنے والے انسان تھے، شاید اسی لئے مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ندوی دامت برکاتہم ان کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے اور اکثر باہمی مشورہ میں ان کی رائے پر ہی فیصلہ فرمادیتے تھے۔ وہ کم ہی بولتے تھے مختصر بات کرتے مگر ان کی بات وزنی اور بامقصد ہوتی تھی، اسی لئے توجہ سے سنی جاتی تھی۔ ان کی شخصیت میں گہرائی اور متانت تھی جس سے خاموش پیغام ملتا تھا کہ:

کیف پیدا کر سمندر کی طرح
وسعتیں، خاموشیاں، گہرائیاں

انہیں اللہ تعالیٰ نے انتظامی صلاحیت میں کمال عطا فرمایا تھا، جس کی خصوصیت یہ تھی کہ کسی معمولی شور شرابے اور دکھاوے کے بغیر بالکل خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ پوری ذمہ داری اور نہایت ایمان داری سے مسلسل اپنے کام میں لگے رہتے تھے۔ آنے جانے والوں کو ان کے بود و باش اور خاموش مزاجی کے باعث یہ اندازہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ ندوۃ العلماء کے بڑے

ذمہ داروں میں ہیں۔ اپنی متعلقہ ذمہ داری کے ہر معاملہ پر اور چھوٹی سے چھوٹی بات پر گہری نظر رکھتے تھے، گویا ہر آن جوابدہی کا احساس رہتا تھا۔ ایک دفعہ جب وہ ندوۃ العلماء کے نئے نئے ناظر عام مقرر ہوئے تھے، میں دفتر نظامت میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، دفتر کے ایک صاحب ایک کاغذ لے کر آئے، مولانا نے اس کو دیکھا، اس میں کوئی معمولی کمی تھی، اس لئے واؤچر ان صاحب کو واپس کرتے ہوئے اسے درست کر کے لانے کو کہا، پھر میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولے کہ ہم کو ناظم صاحب نے فرمایا تھا کہ تمہیں یہاں اس لئے بٹھایا گیا ہے کہ ہر ہر چیز پر نظر رکھو، چھوٹی سے چھوٹی بات سے بھی صرف نظر نہ کرو۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کیمپس میں شاندار تعمیراتی کام دارالعلوم سے مولانا حمزہ صاحبؒ کی محبت کی یادگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو ان کی آخرت کے لئے بہترین ذخیرہ بنائے اور اجر عظیم سے نوازے۔ آمین

حالانکہ جن حالات میں انہوں نے ندوۃ العلماء کی مجلس نظامت کے کہنے پر نائب ناظم کی ذمہ داری سنبھالی اور اس کو انتہائی تحمل اور استقامت کے ساتھ عمدہ انداز میں نبھایا اور صبر آزما حالات میں کسی بھی ٹکراؤ سے گریز کرتے ہوئے کسی کا جواب دیئے بغیر پرسکون حالت میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے وقار و احترام کا پورا خیال رکھتے ہوئے پوری حساسیت اور اہتمام کے ساتھ خدمات انجام دیں، یہ خود اپنے آپ میں بڑا کارنامہ ہے۔

اس عہد بدلحاظ میں ہم سے گداز قلب
زندہ بھی رہ گئے تو بڑا کام کئے

انتقال سے ڈھائی تین ماہ قبل میری لکھنؤ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مرشدی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضری ہوئی تو مہمان خانہ کے برابر میں ان کی جائے قیام پر عصر کے بعد تنہائی میں ان سے باتیں ہوئیں، انہوں نے بہت خصوصیت اور اپنائیت کے ساتھ ندوہ میں پیش آنے والی بعض اہم کتابوں کا ذکر کیا، میں پھر عشاء کے بعد ملاقات کے لئے حاضر ہوا، اپنے بستر پر بیٹھے ہوئے تھے، سامنے رکھے صوفوں پر مولانا بلال صاحب، مولانا جعفر صاحب اور خاندان کے بعض دیگر افراد بیٹھے تھے، خوشگوار بے تکلف ماحول تھا، دلچسپ باتیں ہو رہی تھیں، میں تقریباً ایک سوا گھنٹہ اس محفل میں شریک رہا۔ مولانا حمزہ صاحب کے ایک بے تکلف ساتھی جن کو شاید نیند آ رہی تھی، انہوں نے ایک لطیفہ سنایا کہ ایک صاحب کو جب نیند آتی تھی تو محفل میں بات کرتے کرتے (جیسے کوئی بہت ایمرجنسی ہو کوئی ضروری بات یاد آ گئی ہو) اچانک اٹھتے ہوئے کہتے کہ مجھے جانا ہے، ساتھی گھبرا کر پوچھتے کہاں؟ جواب دیتے بستر پر۔ اس لطیفہ پر سب زور سے ہنسے، میں نے بھی مولانا حمزہ صاحبؒ سے اجازت لی۔

مظفر نگر کا گڑ بہت مشہور ہے، مولانا حمزہ صاحب کو شوگر کا عارضہ تھا، بغیر مصالحہ کا گڑ پیش کرتے ہوئے میں نے کہا کہ یہ گڑ شوگر میں نقصان نہیں دیتا، مسکراتے ہوئے فرمایا یہ تو بہت زیادہ ہے، آدھا بلال کو دے دوں، میں نے کہا آپ مالک ہیں جیسا چاہیں کریں اور ہنستے ہوئے آدھا مولانا بلال صاحب کو دے دیا۔ افسوس کہ اس کے بعد مولانا حمزہ صاحب سے پھر ملاقات نہ ہو سکی، کیوں کہ اگلی بار جانا ہوا تو وہ ہسپتال میں داخل ہو چکے تھے اور معالجین نے ملاقات سے منع کیا ہوا تھا، حتیٰ کہ ملت کا یہ سپوت حسنی خاندان کا روشن چراغ جس کی ندوۃ العلماء کو بڑی ضرورت تھی، رمضان کی مبارک ساعتوں میں اپنے رب کے حضور پہنچ گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جناب امتیاز علی علوی
کاکوری کوٹھی خیالی گنج لکھنؤ

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے......آہ! حمزہ بھیا

خالق کائنات نے ہر چیز کا اپنا ایک وقت متعین کر رکھا ہے اس کے اذن وحکم کے بغیر ایک پتہ بھی درخت سے جدا نہیں ہوسکتا قضا وقدر حیات وزیست اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، جس کا اختیار بنی نوع انسانی کے وجود میں آنے سے قبل وبعد کسی کو نہیں دیا گیا اس دنیائے آب گل میں انسانوں کی آمد ورفت کا سلسلہ بھی اس مالک یوم الدین کا قائم کردہ ہے آج پوری طرح خاص کر ہمارا ملک جس جان لیوا وبا سے دوچار ہے اور ہر طرف موت کا رقص جاری ہے بلا کسی مذہبی تفریق کے اس وبا نے ہر کس وناکس کو اپنے شکنجہ میں کس رکھا ہے ملک کے مختلف علاقوں میں قیامت صغریٰ کا دلدوز منظر دکھا دے رہا ہے ہر دن کسی نا کسی کی موت کی خبر سنائی دے رہی ہے اخبارات کے صفحات کثرت اموات کی خبروں سے بھرے ہوئے ہیں اس وباء ناگہانی نے اپنے پرائے سب کے فرق کو مٹا دیا ہے عوام الناس کی اموات سے صرف نظر ملک کے نمائندہ قومی وملی دینی وعصری اداروں کی عبقری شخصیات بھی اس کرونا کی ضد میں آنے سے نہ بچ سکی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے جنرل سیکرٹری مولانا ولی رحمانی دار العلوم دیوبند کے مولانا نور عالم خلیل امینی دیوبند ہی کے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مظاہر العلوم کے استاد القراء قاری رضوان نسیم دوسری طرف سب سے زیادہ ماتم کناں تو دانش گاہ سرسید علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہے جہاں آج بھی صف ماتم بچھا ہوا ہے یونیورسٹی نے اپنے کئی مؤقر پروفیسران کو کھودیا جن کی تعداد تقریباً پچاس بتائی جاتی ہیں جن میں قابل ذکر شعبہ قانون کے پروفیسر شکیل صمدانی ڈاکٹر سراج الرحمٰن وغیرہ وغیرہ ہیں اس غم واندوہ سے ہمارا عالمی شہرت یافتہ ادارہ دار العلوم ندوۃ العلماء بھی محفوظ نہ رہ سکا اس نے تو ایک ہی ہفتہ میں تین مختلف شعبوں کے سربراہان کو کھودیا۔ تعمیری فکر کے معروف نمائندہ شاعر مولانا رئیس الشاکری علامہ شبلی نعمانی لائبری کے لائبرین دوسرے شعبہ مالیات کے معتمد اطہر حسین صاحب اور تیسرے خانوادہ حسنی کے لائق وفائق فرزند دار العلوم ندوۃ العلماء کے نائب ناظم مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی جن کو ہم لوگ حمزہ بھیا کے نام سے پکارا کرتے تھے یہ سانحہ تو ندوہ کے لئے ناقابل تلافی نقصان ثابت ہوا اس لئے کہ حمزہ بھیا ندوہ کے انتظامی امور پر بھی بڑی گہری نظر رکھے ہوئے تھے یہ حادثہ صرف خانوادہ حسنی یا ندوہ کا حادثہ نہیں بلکہ ہمارے گھرانے کا بھی اندوہناک حادثہ ہے راقم الحروف کے آباواجداد اور خاندانی بزرگوں کا حسنی خانوادہ کے ساتھ ساتھ ندوہ کے زمانہ تاسیس سے تعلق چلا آرہا ہے ہمارے خاندانی بزرگ منشی احتشام علی علوی مالک کاکوری کوٹھی واقع خیالی گنج تو ندوہ کے قیام کے ابتدائی ایام سے خزانچی رہے انہوں نے ایک خطیر رقم سے ندوہ کی اصل قدیمی عمارت کی تعمیر کروائی تھی انھوں نے یعنی منشی احتشام علی

علوی صاحب نے ندوہ کے مختلف نظماء کو بڑے قریب سے دیکھا اور ان کی معیت میں کام کیا انہوں صبر آزما حالات میں بھی ندوہ سے اپنا رشتہ قائم رکھا ایک صدی پر محیط خانوادہ حسنی اور ندوہ سے ہمارا خاندانی رشتہ چلا آرہا ہے حمزہ بھیا سے خصوصی تعلق نے تو اس رشتہ کو مزید استحکام اور مضبوطی بخشی تھی ہمارا پورا گھرانہ ان کو حمزہ بھیا کہتا تھا اس لئے کہ بھیا میں جو اپنائیت محبت وجاہت ہے وہ حضرت۔ عالی جناب میں کہاں کا کوری کوٹھی کے مکینوں نے مولانا عبدالحی حسنی والد بزرگوار مولانا علی میاں ندوی کے سے لیکر تا حال اس رشتہ کو نبھا رکھا انشاء اللہ یہ رشتہ صدا قائم ودائم رہے گا یہ بھی قابل ذکر ہے کہ کاکوری کوٹھی کو یہ فخر وامتیاز حاصل ہے کہ یہاں علامہ رشید رضا مصر علامہ شبلی نعمانی علامہ حبیب الرحمن خان شروانی مولانا ابوالکلام آزاد علی براداران علامہ سید سلیمان ندوی جیسی عبقری شخصیات کی آمد ورفت رہی کم لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ مدرسۃ العلوم جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا قدیمی نام کو اس کاکوری کوٹھی سے خطیر رقم کی اعانت کی گئی تھی جس کا تذکرہ یونیورسٹی کے ایک ہال میں نام کے ساتھ آج بھی کندہ ہے بہر کیف موضوع کا دھارا کسی اور جانب چل پڑا ذکر ہورہا تھا مولانا حمزہ حسنی ندوی کے سانحہ ارتحال کا حمزہ بھیا کے والد بزرگوار مولانا محمد ثانی جو ایک قادر الکلام شاعر اور ایک منجھے ہوئے ادیب بھی تھے حمزہ بھیا نے اپنی خاندانی روش کو اپناتے ہوئے قرطاس وقلم سے بھی اپنا رشتہ قائم رکھا مولانا علی میاں کے انتقال کے بعد مولانا عبد اللہ عباس ندوی صاحب کی ایماء پر حمزہ بھیا کو ندوہ کا ناظر عام بنایا گیا تب اہل ندوہ کو بھیا کی انتظامی صلاحیت کا اندازہ ہوا ویسے تو وہ انتہائی کم سخن اور خاموش طبیعت کے مالک تھے مگر ان کی خاموشی میں سمندر کی اتھاہ گہرائیاں پوشیدہ تھیں وہ زندگی کی آخری سانسوں تک ندوہ کی ترقی کے لئے کوشاں رہے اس کے ساتھ ساتھ وہ خواتین کے ماہنامہ رضوان کے بھی مدیر تھے اور ندوہ کے ترجمان تعمیر حیات کے نگراں بھی ان کا ایک تاریخی کارنامہ مولانا علی میاں ندوی کے خطوط کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کرنا ہے جو ایک تحقیق طلب کام تھا حمزہ بھیا کو دیکھ کر بظاہر ایسا نہیں لگتا تھا کہ وہ اتنے سارے کام انجام دے رہے ہیں مگر وہ اپنی ہر ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیتے تھے ندوہ ماہرین فن علماء وفضلاء کو تو پیدا کرسکتا ہے اور الحمد للہ کر بھی رہا ہے مگر حمزہ بھیا جیسا انتظامی امور کا ماہر شاید ندوہ دوسرا کوئی پیدا کرسکے وہ مجموعہ الصفات شخصیت کے مالک تھے ندوہ کی ترقی اور اس کے لئے مالی تعاون کے لئے بھی ہمیشہ کوشاں رہا کرتے جس کے لئے وہ ندوہ کے عرب ممالک میں مقیم فضلاء کو خطوط کے ذریعہ برابر متوجہ کیا کرتے تھے ان کی اس کوشش اور فکر مندی نے گزشتہ سال کرونا وائرس کے بحران میں ندوہ کے شعبہ مالیات کو کبھی بھی کمزور نہیں ہونے دیا زندگی کی آخری سانسوں تک وہ اسی فکر میں سرگرداں رہے کہ ادارہ کسی طرح بھی مالی بحران کا شکار نہ ہوسکے جہد مسلسل اور کاوش پیہم کا دوسرا نام حمزہ بھیا تھا خدا وند عالم ان کو غریق رحمت فرمائے اور ندوہ کو نعم البدل عطاء فرمائے آمین یارب العالمین۔

مولانا جمال احمد اعظمی ندوی
شیخ الحدیث مدرسہ مصباح العلوم کوپاگنج مئو

کچھ یادیں، کچھ باتیں

۲۴؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ مطابق ۷؍مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ بوقت افطار یہ درد انگیز اور اندوہ ناک خبر موصول ہوئی کہ عالم اسلام کی عظیم دانش گاہ مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نائب ناظم وناظر عام حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کا انتقال ہوگیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس عالمی وبا (کرونا) نے حالیہ دنوں میں جو قہر برپا کیا ہے، اس نے سکون کو غارت کردیا ہے، تنکوں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے سفینوں کو بھی خش وخاشاک کی طرح بہا لے گیا، زندگی اور موت کی کشمکش نے کتنوں کو افسردہ کردیا، صیاد اجل نہ معلوم کتنے درخشندہ وتابندہ اور روح پرور لعل وگہر کو اپنے چنگل میں دبا لے گیا، شفاخانے میں حیات نو کے لیے ترستے ترستے موت سے ہم آغوش ہوتے چلے گئے، دل کی بستی ویران سی لگنے لگی، آشیانۂ روح سلگ رہا ہے، دل کی کلی مرجھا سی گئی ہے کیوں کہ اس وبائی مرض کی اس دوسالہ مدت میں بہت سے اساطین امت اور اکابر علمائے کرام اور عظیم دانشور حضرات کے مسلسل سانحۂ ارتحال سے بالجملہ یہ مدت عام الحزن سے عبارت ہے۔

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۵۰ء میں خانوادۂ حسنی میں پیدا ہوئے، جو ایک علمی، دینی، دعوتی اور اصلاحی خانوادہ تھا، جس کی ایک روشن تاریخ رہی ہے، اسی خانوادہ نے برصغیر میں اصلاح وتربیت اور دعوتی مشن کی ایک روشن تاریخ رقم کی ہے، ان کے خاندانی پس منظر میں حضرت شاہ علم اللہ کے بارے میں امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

’’آپ کے اسلاف کرام نے جو کچھ پایا ہے، ہمت عالیہ سے پایا ہے، فقیر کا اعتقاد ہے کہ شاہ علم اللہ کی اولاد میں ہمت عالی اس وقت تک موجود ہے‘‘۔

خانوادۂ حسنی دعوت دین، تحریک جہاد اور برصغیر کے علمی، ادبی، فکری، اصلاحی اور جہادی کارواں کا عظیم مرکز رہا ہے، جس کی داستان عزیمت نے روح جہاد اور تبلیغی فریضہ کا ایک روشن باب قائم کیا ہے، اسی سلسلۂ زریں کے گوہر آب دار اور گل سرسبد امیر المومنین سید احمد شہید بن عرفان شہید کے معرکہ بالاکوٹ نے برصغیر میں روح جہاد اور احیاء اسلام کے لیے مجاہدین کو سربکفن بنادیا تھا۔

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حاصل کی، پھر مزید ثانویہ اور عالیہ کی تعلیم بھی دارالعلوم ہی میں مکمل کی اور حدیث شریف میں تخصص بھی کیا اور مولانا عبدالستار اعظمی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم سے خوب کسب فیض کیا، آپ نے جو ماحول پایا وہ بڑا ہی روح پرور اور شخصیت سازی کا دور تھا، والد ماجد حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کے آغوش تربیت اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی شفقت ومحبت اور خصوصی توجہات نے آپ کو شروع ہی سے صلاحیت اور صالحیت کا پیکر بنادیا تھا۔ انھیں حضرات سے علم وفن، زہد وقناعت، صبر ورضا اور انابت وخشوع کا وافر حصہ آپ کو حاصل ہوا، اور یہی عناصر طبعی طور پر تصوف وسلوک کی طرف میلان کا سبب بنے۔

آپ کی خاموش طبیعت نے اپنے اندر ایک مقناطیسی کیفیت پیدا کردی تھی، آپ بہت ہی کم گو اور کم آمیز شخصیت کے حامل تھے؛ مگر حسن انتظام، اعتدال و توازن اور اپنی مدبرانہ صلاحیت و سوجھ بوجھ سے مشکل سے مشکل مسائل کا مثبت حل نکال لیتے تھے۔

ان کی زندگی کے آخری دور میں ندوہ میں ایک زبردست انتشار برپا ہوا، جس نے حساس طبع اور باشعور افراد کو فکر مند ہی نہیں بلکہ چین وسکون سے بھی محروم کردیا، ایسے میں حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی استقامت اور صبر وضبط کا مظاہرہ کیا، جس نے اس طوفان بدتمیزی کا راستہ بدل دیا اور زور وشور کے ساتھ اٹھنے والا زلزلہ ہمیشہ کے لیے زیر زمین سما گیا، یہ سب آپ کی خداداد ذہنی صلاحیت، حسن نظم، اعتدال وتوازن اور معاملہ فہمی کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں:

تم اس خموش طبیعت پے طنز مت کرنا
وہ سوچتا ہے بہت اور بولتا کم ہے
یہ الگ بات کہ خاموش کھڑے رہتے ہیں
پھر بھی جو لوگ بڑے ہیں وہ بڑے رہتے ہیں

......

راقم الحروف کا زمانۂ طالب علمی ہی سے خانوادۂ حسنی سے عقیدت مندانہ اور ارادت مندانہ تعلق رہا ہے، جس کے گل بوٹوں نے میری ہستی ناپائیدار کو گلزار بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء اور قصبہ رائے بریلی سے احقر کا دیرینہ تعلق تقریباً تین دہائیوں پر محیط ہے، مولانا مرحوم سے واجبی تعلق اور ربط رہا کیوں کہ حضرت نہایت کم گو، کم آمیز اور فکر میں ڈوبے رہتے تھے، سلام و دعا، خیر خیریت اور بس مگر ادھر چند برسوں سے حضرت مرشد الامت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اس مادر علمی کی رکنیت شوریٰ کا شرف بخشا تو بہت سے امور میں مولانا مرحوم سے براہ راست کھل کر گفتگو کرنے کا موقع ملا۔

آپ کی مدبرانہ شخصیت، علم وعمل، زہد وتقویٰ، خلوص وللّٰہیت، ملی دردمندی، صبر ورضا اور حسن انتظام وانصرام کی جامع شخصیت قابل رشک ہے، مولانا کی عالمی منظرنامہ پر بھی گہری نظر تھی اور ملکی مسائل سے غیر معمولی واقفیت رکھتے تھے، ادھر چند برسوں میں مولانا مرحوم سے جو تعلق خاطر قائم ہوگیا تھا، اس میں بے پناہ اپنائیت اور شفقت ومحبت کا مظاہرہ کرتے تھے اور ندوہ کے تعلق سے مفید مشوروں سے نوازتے اور رہنمائی بھی فرماتے تھے، اور ناچیز بھی عقیدت ومحبت اور دل ربائی سے گریز نہیں کرتا بلکہ اپنے نجی مسائل میں ان سے مشورے اور ہدایات لیتا رہا، لاک ڈاؤن کے دوسرے مرحلہ میں مولانا سے آخری ملاقات سحر نرسنگ ہوم لکھنؤ میں ہوئی، ضعف ونقاہت کا غلبہ تھا، خصوصی نگہداشت میں ہونے کے باوجود بھی دیر تک بات چیت کرتے رہے، جب کہ مولانا خود کم گو تھے اور معالج کی ہدایت تھی کہ تیمار داروں سے بقدر ضرورت ہی ملاقات اور گفتگو ہو، پھر بھی عظمت صحابۂ کرامؓ، ندوہ کے حالات اور اس کی تعمیر و ترقی کے بارے میں گفتگو فرماتے رہے۔

مولانا مرحوم حساس دل، اثر پذیر طبیعت اور خاموش مزاجی کے پیکر تھے، اخلاق واقدار، دین ومروت، متانت و سنجیدگی، فراست ایمانی اور خاموش دینی و دعوتی سرگرمیوں کو بروئے کار لانے میں یقین رکھتے اور اور اس پر کاربند بھی رہتے تھے، اس سلسلہ میں دختران ملت اسلامیہ کی دینی و دعوتی رہنمائی کے لیے اپنے ماہنامہ رسالہ "رضوان" کو وقف کردیا تھا، تقریباً نصف صدی تک اس ماہنامہ "رضوان" کی ادارت سے منسلک رہے، اور پوری ذمہ داری وامانت داری سے اس فریضہ کو انجام دیتے رہے، اردو رسالہ کا اس پر آشوب دور میں جاری رکھنا ایک دشوار کن کام ہے، پھر بھی مولانا مرحوم نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کے سانحۂ ارتحال کے بعد مارچ ۱۹۸۴ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ سے

تسلسل کے ساتھ اس کو جاری رکھا، اور رسالہ ہمیشہ وقت پر نکلتا رہا، جس سے دختران اسلام کی دینی و اصلاحی رہنمائی ہوتی رہی، اور مضامین کے انتخاب میں رسالہ کے مزاج کا پورا خیال رکھا گیا، مثلاً صحابیات نمبر، امہات المؤمنین نمبر اور ماں نمبر وغیرہ اس کے شاہد عدل ہیں۔

ادھر لاک ڈاؤن میں ملک کے بعض حصوں میں مسلم بچیوں کے ارتداد کی کچھ خبریں موصول ہوئیں، تو اس کے سد باب کے لیے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور دیگر ملی جماعتوں نے اس سلسلے میں جو بیداری مہم چلائی، اس میں مولانا مرحوم نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور باشعور دینی مزاج رکھنے والے حضرات کے ساتھ مشاورت کر کے ایک میدان عمل تیار کیا، اس سلسلہ میں راقم الحراف کو بھی مسلم بچیوں کو جو عصری دانش گاہوں میں زیر تعلیم ہیں اور دیگر مسلم خواتین کے سلسلہ میں دینی، دعوتی تربیت کی ہدایت دی تھی، الحمد للہ احباب کے ساتھ اس موضوع پر کچھ کام بھی ہوا ہے، اللہ مزید کی توفیق عطا فرمائے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ خاموش دعوتی وفکری کارواں کے حدی خواں بھی تھے۔

حضرت مولانا مرحوم تادم واپسیں انتظامی امور سے وابستہ رہے اور اللہ کے فضل سے اپنے فرائض منصبی کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے، تصنیف و تالیف کا زیادہ موقع نہ مل سکا، تاہم قرطاس وقلم سے یارانہ تو تھا ہی، چند کاوشات کا تذکرہ پیش ہے، جیسے مکتوبات مفکر اسلام جلد اول تا ششم، تذکرہ حضرت سید احمد شہید، سیرت امہات المؤمنین اور تذکرہ صحابیات وغیرہ۔

اب اخیر میں مولانا مرحوم کا ایک اداریہ جسے بحیثیت مدیر ماہنامہ ”رضوان“ کے لیے سپرد قلم کیا تھا، اسے پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کیوں کہ یہ آپ کی زندگی کا آخری اداریہ ہے، جس کی سطر سطر سے ملی دردمندی آشکارا ہے، آپ بھی پڑھیے اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کیجیے:

”اس وقت مدارس اسلامیہ پر دشمنانِ اسلام کی یلغار ہے، حیرت کی بات یہ نہیں ہے کہ امریکہ اور اس کے حواریوں کا حملہ مدارس پر ہو رہا ہے، وہ تو ہوگا ہی؛ کیوں کہ مدارس دین کے قلعے ہیں، اور یہودی وعیسائی اس بات کو بخوبی سمجھ گئے ہیں کہ جب تک علم دین کے یہ چشمے جاری رہیں گے، وہ اسلام کو نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے؛ اس لیے انھوں نے بڑی تیاری کے بعد اپنے حملوں کا رخ مدارس کی طرف کیا ہے اور اپنی پوری توانائی وطاقت اس میں جھونک دی ہے۔

لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمارے وہ مسلمان جو اپنے کو ترقی یافتہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں، وہ بھی دانستہ یا نادانستہ دشمنان اسلام کی اس مہم میں شریک ہوگئے ہیں، کچھ تو مغربی ملکوں کے پروپیگنڈے کے شکار ہو کر اور کچھ ذہنی طور پر اس قدر مغربیت زدہ ہیں کہ ہر وہ چیز جو یورپ کی طرف سے آئی ہو، یا یورپ کی ہوا سے لگ گئی ہو، اسے تریاق سمجھتے ہیں اور اسی کو موجودہ دور کے لیے نمونۂ زندگی جانتے ہیں، وہ اس پر ذرا بھی غور نہیں کرتے کہ یورپ ان کا ہمدرد کیسے ہوسکتا ہے، جس نے صدیوں سے اسلام دشمنی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے علاوہ کوئی اور خدمت انجام نہیں دی، ایسے دشمنوں کو دوست سمجھنا ناعاقبت اندیشی ہے، جس کا نتیجہ سوائے تباہی وبربادی کے کچھ اور نہیں۔

جو لوگ عصری تعلیم کو ضروری سمجھتے ہیں، ان کے لیے میدان عمل کھلا ہوا ہے، وہ جدید ادارے کھولیں اور جو ان میں پڑھنا چاہیں؛ ان کو پڑھائیں؛ لیکن مدارس اسلامیہ کو ان کی راہ سے ہٹا کر جدید علوم کا مرکز بنانا سوائے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے کوئی اور مقصد نہیں“۔ [شمارہ ماہ مئی ۲۰۲۱ء]

○○○

خراجِ عقیدت

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(سابق نائب ناظم وناظرِ عام ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

شخصیت تھی باوقار — خامشی تھی رعب دار
صاف دل شیریں زباں — چہرہ روشن آبدار
عشقِ احمد میں رہا — سینہ سوزاں دلفگار
"تذکرہ سید شہیدؒ" — ان کی ہے اک یاد گار
وہ تھے "رضواں" کے مدیر — تھا قلم بھی تابدار
لکھتے تھے گو مختصر — پر بہت ہی جاندار
حزم اور عزم کے — اک مثالی تاجدار
ندوۃ العلماء پہ ہی — کردیا خود کو نثار
آگیا ندوہ میں بھی — ان کی خدمت سے نکھار
درجہ کر ان کا بلند — اے مرے پروردگار
جنت الفردوس ہو — ان کا مسکن پائیدار

محمد زاہد حسین زاہدؔ ندوی (جمشید پور)

مولانا خالد رشید فرنگی محلی، امام عیدگاہ لکھنؤ

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ

چند تاثرات ومشاہدات

۲۰۲۰ء کی طرح ۲۰۲۱ء بھی ہم سب کارکنان ملت اور دیگر حضرات کے لیے عام الحزن ثابت ہوا۔ جنوری ۲۰۲۰ء تا جون ۲۰۲۱ء کی درمیانی مدت میں نہ جانے کتنے آفتاب وماہ تاب زمین کے سینے میں سما گئے جن کی تابانی سے ہمارا ملی افق روشن تھا۔ ان میں ایک اہم نام مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ (ولادت ۱۵؍دسمبر ۱۹۵۰ء وفات: ۷؍مئی ۲۰۲۱ء) کا ہے۔ وہ ایک مدبر، منتظم اور دور اندیش عالم دین تھے۔

مولانا مرحوم علمائے، داعیان اسلام اور اولیائے عظام کے خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ ان کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ میر کارواں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے بڑے بھائی اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے حقیقی بھانجے تھے۔

مولانا حمزہ حسنیؒ نے اپنے والد مولانا محمد ثانی حسنیؒ کے انتقال (۱۹۸۲ء) کے بعد ان کے جاری کردہ ماہ نامہ ''رضوان لکھنؤ'' کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی جس کو وہ تا مرگ انجام دیتے رہے۔ اسی طرح انہوں نے اپنے مرحوم والد کا قائم کردہ اشاعتی ادارہ ''مکتبہ اسلام'' کے انتظامات اپنے ہاتھ میں لیے۔ اس ادارے سے انہوں نے متعدد درسی کتابیں اور کئی اہم کتابیں شایع کیں۔ مولانا مرحوم نے کئی کتابیں خود لکھیں۔ پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ کے نگراں رہے۔

مولانا مرحوم اعلیٰ درجے کے منتظم اور ملی قائد تھے۔ انہوں نے دو دہائیاں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظر عام ونائب ناظم کی حیثیت سے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ وہ متعدد دینی، تعلیمی اور ملی اداروں وتنظیموں سے وابستہ تھے۔ ان کی فکری وعملی رہ نمائی کرتے تھے۔

مولانا مرحوم تدبر، تفکر، تحمل، توکل، علم، فہم فراست، بصیرت، صداقت، امانت، دیانت، اخوت، محبت، شفقت، شرافت، نجابت، تعاون، ہم دردی، سادگی، عفو ودرگزر، خوش گفتاری، خوش اخلاقی، بردباری، نرم خوئی، رواداری اور وضع داری جیسی اعلی اسلامی صفات وکمالات کے پیکر تھے۔

مولانا مرحوم کے عظیم خاندان سے علمائے فرنگی محل کے دینی، علمی، تعلیمی اور ملی روابط برس ہا برس سے ہیں۔ وہ ان تعلقات کا بھرپور خیال رکھتے تھے۔ راقم پر خصوصی شفقت کرتے تھے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اکیسویں اجلاس لکھنؤ مارچ ۲۰۱۰ء میں تو متعدد مواقع پر مولانا مرحوم نے مفید مشورے دیے اور ہر مرحلے پر عملی رہ نمائی کی۔ اسلامک سنٹر آف انڈیا فرنگی محل اور دار العلوم فرنگی محل کی مختلف تقریبات ومحفلوں میں شریک ہوئے۔ رویت ہلال کے سلسلے میں والد مرحوم حضرت مولانا ابوالطیب احمد میاں فرنگی محلیؒ کے اعلان کو فوقیت دیتے تھے۔

مولانا مرحوم کی وفات حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم خاص طور پر اور ان کے تمام نیاز مندوں کے لیے بڑا حادثہ ہے۔ مولانا مرحوم کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ اور دو صاحب زادے برادران مولانا سید رشید احمد حسنی ندوی اور مولانا سید سعید احمد حسنی ندوی ہیں۔

مولانا مرحوم کی صفات وخصوصیات بیان کرنے کے لیے یہ مختصر تحریر ناکافی ہے:

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

○○○

مولانا نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی
مہتمم دار العلوم نظامیہ فرنگی محل، لکھنؤ

مولانا سید حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ
تاثرات و مشاہدات

24 رمضان 1442ھ مطابق 7 مئی 2021ء بروز جمعہ افطار سے قبل ایک سعید روح جسد خاکی سے نکل کر رحمت حق میں پیوست ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موت سے کس کو رستگاری ہے

ایک ایسا دیدہ ور مدبر جو اپنی صلاحیتوں کا استعمال امت مرحومہ کے دفاع کے لئے کر رہا تھا!
ایک ایسا عالم باعمل جو مادر علمی کی حفاظت وصیانت پر مامور تھا!
ایک ایسا مخلص فرد جو مادر درس گاہ کی افادیت ونافعیت کا دائرہ وسیع کر رہا تھا!
ایک ایسا بے لوث منتظم جو مادر علمی کی ہمہ جہت تعمیر وترقی کے لئے سرگرم عمل تھا!
ایک ایسا مرد صالح جو اپنے بزرگ عم محترم کا نور چشم اور سرور قلب تھا!
ایک ایسا روشن دماغ جو درویش بھی تھا، مصنف بھی تھا، مدیر بھی تھا اور منتظم بھی تھا!

اس پیکر خاکی کو ہم دنیا والے مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کے نام سے جانتے تھے۔

ادھر کچھ مدت سے وہ پیٹ کے مرض میں مبتلا تھے، تشویش ناک حالت کے مدنظر اسپتال میں داخل کئے گئے تھے۔ ڈاکٹروں نے علاج ومعالجے میں کوئی کمی نہیں کی۔ لیکن:

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

مولانا مرحوم نیک تھے۔ ان کی نیکیوں کا صلہ دنیا والوں نے یہ دیکھا کہ خدائے رحمٰن و رحیم نے ان کو سید الایام یعنی جمعہ کے روز عصر کے بعد اپنی بارگاہ میں طلب فرمایا۔ وفات کا سبب پیٹ کا مرض قرار دیا گیا۔ اس مرض میں مبتلا ہوکر وفات پانے والا صاحب ایمان صحیح حدیث شریف کے مطابق شہید ہوتا ہے۔

گزشتہ برس یعنی 2020ء سے وطن عزیز میں کیا پوری دنیا میں موت کا بازار گرم ہے۔ کتنے لوگ کووڈ-19 نامی موذی عالمگیر وبا کا شکار ہوکر داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں۔ نظیرؔ اکبرآبادی کے بقول:

قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا

کسی نے اپنے درد وکرب کا اظہار یوں کیا ہے:

یہ عجیب سال ہے ایک پل بھی نہیں سکوں
لکھتے لکھتے تھک گئے انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے 15 دسمبر 1950ء کو اپنے آبائی مکان دائرہ سید شاہ علم اللہ حسنی تکیہ کلاں رائے بریلی (اترپردیش) میں آنکھیں کھولیں۔ والد ماجد کا نام مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ تھا۔ وہ برکۃ العصر میر کارواں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے برادر بزرگ تھے۔ والدہ ماجدہ کا نام سیدہ خدیجہ تھا۔ وہ مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کی صاحب زادی تھیں۔ اپنے اکابر کے "حمزہ میاں" اور اپنے اصاغر کے "حمزہ بھیا" کی پرورش و پرداخت، ابتدائی تعلیم وتربیت ان کے عظیم خاندان کی ان مبارک شخصیات کے زیر سایہ ہوئی جو دین وعلم، فضل وتقویٰ، صلاح وفلاح، اخلاق وکردار اور ادب وثقافت میں ممتاز تھیں۔ اس کے بعد وہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ یہاں سے عالمیت اور فضیلت کی تکمیل کی۔ 1969ء میں حدیث شریف میں اختصاص کیا۔

مولانا مرحوم تکمیل درسیات کے بعد کچھ عرصہ معروف ملی و سیاسی رہنما ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد والد مرحوم کے قائم کردہ دار الاشاعت مکتبہ اسلام کو اپنی دلچسپی کا مرکز ومحور بنایا۔ یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔

انہوں نے 1982ء میں والد ماجد

کے انتقال کے بعد ان کے جاری کردہ زنانہ ماہنامہ رضوان لکھنؤ کی ادارت سنبھالی۔ یہ ذمہ داری تادم مرگ ادا کرتے رہے۔ اس ماہنامے کا تعارف مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ (1977ء) اپنے ہفتہ وار صدق جدید لکھنؤ میں یوں کراتے ہیں:

''رضوان۔ ایڈیٹر: سید محمد ثانی حسنی، 32 صفحات، تقطیع 22x18، پتہ: دفتر رسالہ ''رضوان'' 37 گوئن روڈ لکھنؤ۔

یہ رسالہ ایک بڑے بلند مقصد کو لے کر نکلنا شروع ہوا ہے۔ یعنی مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کی فلاح و اصلاح اور ان کی دینی و اخلاقی تربیت۔ سنیما، ریڈیو، مخلوط تعلیم اور مخرب اخلاق شاعری کے طفیل ''جنسی انارکی'' اور بے حیائی و عریانی کا سیلاب اب اتنے زور و شور سے بڑھ رہا ہے کہ معمولی بند باندھنے کی تدبیر اس کے سامنے بالکل بے اثر ہو چکی ہے۔ ایک دو نہیں، بیسیوں رسالے اور سیکڑوں کتابیں، ہندوستان اور پاکستان میں گویا اپنا مقصد حیات ہی اس عریانی کو بنائے ہوئے ہیں اور روزنامے ہیں کہ وہ بھی اس آگ کو ہوا دینے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس فضا میں کسی رسالے کا قدیم اسلامی رنگ کے تحفظ کے لئے میدان میں آنا ہے بڑی ہمت کا کام! اور شکر ہے کہ اس کی سعادت مولانا علی میاں ندوی ہی کے خاندان والوں کے حصے میں آئی۔ شریک ادارت بھی اسی خاندان کی ایک بانوے محترم امۃ اللہ تسنیم صاحبہ ہیں۔

اس پہلے نمبر میں علاوہ اور مضامین کے مولانا کی والدہ محترمہ بی بی خیرالنساء بہتر کی تعلیمی آپ بیتی بھی قابل ملاحظہ ہے، بلکہ جن کو بھی اپنی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی عزت و حرمت کا خیال ہے، ان پر اس کی خریداری اور اعانت فرض ہے۔ اللہ اس کے نکالنے والوں کی ہمت و عزم و حوصلے میں برکت و استقامت عطا فرمائے۔''

(شمارہ 21 دسمبر 1956ء)

مولانا حمزہ حسنی علمی و قلمی صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ وہ اعلیٰ علمی، تاریخی، اور ادبی ذوق کے حامل تھے۔ ان کے یہ اوصاف موروثی اور خاندانی تھے۔ انہوں نے ''سیرت امہات المومنین'' ''تذکرہ صحابیات'' اور ''تذکرہ حضرت سید احمد شہید'' جیسی کتابیں تحریر کیں۔ انہوں نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہبی، دعوتی، علمی، تاریخی اور ادبی خطوط ''مکتوبات مفکر اسلام'' (1-5 جلد) اور اپنے والد ماجد کی کتاب ''خانوادۂ علم الہٰی'' کو اپنے عالمانہ و مورخانہ حاشیوں کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیا۔ ماہنامہ رضوان میں ان کے تحریر کردہ متعدد اداریے اور مضامین اس پر مستزاد ہیں۔ یہ تا ہنوز غیر مدون ہیں۔

مولانا مرحوم آسان زبان لکھتے تھے۔ ان کی تحریریں اپنے اندر جاذبیت اور دلکشی رکھتی ہیں۔ وہ بھاری بھرکم الفاظ اور پرشکوہ تعبیرات سے اجتناب کرتے تھے۔ وہ سلاست و فصاحت پر زور دیتے تھے۔

مولانا مرحوم مقامات شریعت و منازل طریقت سے واقف تھے۔ وہ تزکیہ و احسان اور تصوف و سلوک کے قائل تھے۔ اوراد و وظائف اور اذکار و اشغال کے پابند تھے۔ پاس انفاس اور ذکر قلبی کا اہتمام کرتے تھے۔ انہوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی، پھر مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے تجدید بیعت کی۔ قطب وقت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے خلیفہ صوفی انعام اللہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اجازت بیعت سے نوازا۔ رمضان 1440ھ میں برکۃ العصر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے ان کو اپنے تمام سلسلوں میں داخل کر کے اجازت و بیعت خلافت سے سرفراز کیا۔

مولانا حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک متحرک اور قابل تقلید طویل زندگی گزاری۔ وہ متعدد دینی، ملی، دعوتی، علمی، تعلیمی، ادبی اور ثقافتی تنظیموں اور اداروں سے مختلف حیثیتوں سے وابستہ رہے۔ وہ 1990ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس انتظامی کے رکن منتخب ہوئے۔ 2000ء میں ناظر عام مقرر ہوئے۔ 2006ء سے تادم مرگ ترجمان ندوہ پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ کے نگراں رہے۔ اس کے معیار

کو بلند سے بلند تر کیا۔ جس کی وجہ سے قارئین کا حلقہ مزید وسیع ہوا۔ اعلیٰ انتظامی اہلیت اور گوناگوں صلاحیتوں کے مالک حسنی خاندان کے اس چشم و چراغ کو ندوۃ العلماء کے صائب الرائے و بالغ نظر ارکان مجلس انتظامی نے باتفاق رائے مارچ 2018ء میں نائب ناظم ندوۃ العلماء منتخب کیا۔

مولانا مرحوم کے زمانے میں مادر علمی کی ہمہ جہت ترقی ہوئی۔ ان کی نگرانی میں احاطہ دارالعلوم میں ڈاکٹر عبدالعلی حسنی اسپتال، علامہ شبلی نعمانی لائبریری سے متصل جدید درسگاہ، رواق مولانا ابوالحسن علی اور رواق مولانا محمد علی مونگیری کی تعمیر ہوئی۔ ان کا سب سے عظیم کارنامہ دارالعلوم کی وسیع و عریض، حسین وجمیل مسجد کی توسیع، تزئین وتعمیر جدید ہے۔

انہوں نے 1984ء میں مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی رائے بریلی میں قائم کی۔ اس کے تحت طالبات کی دینی تعلیم کے لئے جامعہ ام المومنین عائشہ للبنات، طلبہ کے لئے مدرسہ سید احمد شہید تحفیظ القرآن، صفیہ بانو اسکول اور مسافرخانہ ایوان فریدی کے نام سے سرگرم عمل ہے۔ وہ 2004ء سے 2015ء تک متواتر 2 بار اترپردیش سنی سنٹرل وقف بورڈ کے رکن رہے۔

مولانا حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ اسلامی محاسن واوصاف کے مالک تھے۔ وہ اپنی دینداری، دیانت داری، امانت داری، خوش اخلاقی، گفتاری، بردباری، نرم خوئی، کم گوئی، معاملہ فہمی، کم آمیزی، بالغ نظری، دوراندیشی، بے تعصبی، حمیت وغیرت مندی، تواضع، انکسار اور اصابت رائے اور وضعداری جیسی نمایاں خصوصیات کے باعث ایک مثال تھے۔ وہ پوشاک، خوراک اور رہن سہن کے اعتبار سے وارستہ مزاج تھے۔ تکلفات سے بری تھے۔ سادگی اور متانت ان کی فطرت ثانیہ تھی۔ ان کا سینہ کینے سے پاک تھا۔ وہ اصول پسند اور نظم وانضباط کے پابند تھے۔ اپنے ماتحتوں پر شفیق تھے۔ ان کو ڈانٹنا تو دور کبھی جھڑک کر بات نہیں کی۔ ہمیشہ نرم لہجے میں بات کرتے تھے۔ وہ ملکی و عالمی حالات، سیاسی اتار چڑھاؤ اور حکومت کے منصوبوں واقدام سے باخبر رہتے تھے۔

مولانا مرحوم چھوٹوں کی حوصلہ افزائی خوب کرتے تھے۔ ان کی ترقیوں سے خوش ہوتے تھے۔ ان کو مفید مشورے دیتے تھے۔ راقم پر بڑی شفقت کرتے تھے۔ کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی ندوۃ العلماء میں معاون علمی کی حیثیت سے راقم کا تقرر مولانا مرحوم کی شفارش پر ہوا۔ تعمیر حیات لکھنؤ کی مجلس مشاورت میں راقم کو شامل کیا۔ کچھ مدت قبل یہ مشورہ دیا کہ مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں پر جو تبصرے کئے ہیں، ان کو "صدق" سے نکال کر جمع کرو۔ یہ کام ابھی چل رہا ہے۔ اسی طرح گزشتہ 7 اپریل کو جب اسپتال میں ان کی عیادت کے لئے حاضر ہوا تو بہت بے تکلفی اور بشاشت سے ملے۔ خوب باتیں کیں۔ سنی وقف بورڈ کے متعلق گفتگو کی۔ مارچ 2021ء میں راقم وقف بورڈ کا رکن منتخب ہوا تھا۔ دیگر موضوعات پر دیر تک باتیں کرتے رہے۔ آخر میں یہ مشورہ دیا کہ اپنے کو علمی دائرے میں رکھو۔ مولانا دریابادی رحمۃ اللہ علیہ پر اچھی طرح تحقیقی کام کرو۔ اس سلسلے میں نوجوان علماء کی ایک ٹیم بنا کر اپنی نگرانی میں کام کراؤ۔ عالم ناسوت میں مولانا مرحوم سے یہ آخری مفصل ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے بعد 7 مئی کو وہ راہی جنت ہوگئے۔ عشاء کی نماز کے بعد دارالعلوم کے وسیع احاطے میں ان کی نماز جنازہ استاد گرامی قدر مولانا ڈاکٹر سعیدالرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ مہتمم دارالعلوم نے پڑھائی۔ کووڈ-19 کے ضوابط کی پابندی کا اثر نماز پر ظاہر ہو رہا تھا۔ پھر اس کے بعد جنازہ رائے بریلی روانہ ہوا جہاں فجر کے بعد دوسری نماز جنازہ ہوئی۔ مخدومنا حضرت مولانا رابع حسنی مدظلہ نے پڑھائی پھر تکیہ کلاں میں تدفین ہوئی۔

کس کو لاتے ہیں بہر دفن کہ قبر
ہمہ تن چشم انتظار ہے آج
یہ گیتی گر کسے پائندہ بودے
ابوالقاسم محمدؐ زندہ بودے

○○○

جناب محمد زبیر فریدی علیگ

اخلاص وللّٰہیت اور تقویٰ و خشیت کے پیکر مولانا حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت عالمگیر شہرت کی حامل اور عالم اسلام کی معروف شخصیات میں سے ایک تھی اور عرب وعجم میں کہیں بھی وہ محتاج تعارف نہیں رہے، وہ اپنے علم وفضل اور زہد وورع کی بنا پر شہرت ومقبولیت کی بلندیوں پر فائز تھے، ان کی شخصیت پر روشنی ڈالنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔

ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حکیم عبدالحئی صاحب کی وفات کے بعد ندوۃ العلماء کے ناظم رہے اور اپنے حسن انتظام سے انہوں نے ندوۃ العلماء کو ایک عظیم تعلیمی ادارہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا، ان کی کل چھ اولادیں تھیں جن میں پانچ بیٹیاں اور ایک لائق فرزند ارجمند مولانا محمد الحسنی تھے، جو محمد میاں کے نام سے معروف تھے، مولانا محمد الحسنی کا شمار عربی زبان وادب کے ماہرین میں ہوتا تھا، وہ ایک صاحب طرز ادیب اور ماہر انشاء پرداز و نامور صحافی تھے، علاوہ ازیں وہ ایک باکمال عربی و اردو کے مصنف ومترجم تھے، دونوں زبانوں میں ان کے قلم سے شاہکار کتابیں، تحریریں اور ترجمے سامنے آئے (اردو کتابوں میں سیرت مولانا محمد علی مونگیری، تذکرہ حضرت شاہ علم اللہ، روداد چمن وغیرہ اور اردو ترجمہ میں ارکان اربعہ، کاروان مدینہ) وغیرہ نمونہ کی کتابیں ہیں۔ عربی تصنیفات میں (الاسلام الممتحن الی القیادۃ العالمیۃ) وغیرہ ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے عربی ترجمان مجلہ ''ماہنامہ البعث الاسلامی'' کا اجراء کیا، اور اپنے بے لاگ تجزیوں اور معلومات سے پُر اداریوں کی بناء پر اس کو عرب دنیا میں بے حد مقبول بنادیا تھا، اور اسے عربی صحافت اور زبان وادب کا ایک دلکش مرقع بنا کر عرب وعجم کے عربی داں حلقوں سے خراج تحسین حاصل کیا تھا، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو اس بات کا برملا اعتراف تھا کہ محمد میاں کی عربی زبان پر دسترس اور ان کی فصاحت و بلاغت سے پُر طرز تحریر بہت کچھ اُن سے (مولانا علی میاں) سے ملتی جلتی ہے اور زبان کی باریکیوں پر نظر رکھنے والے بھی دونوں کی تحریروں میں امتیاز کرنے سے قاصر تھے۔

مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے تین حقیقی بھانجے تھے، جن میں سب سے بڑے مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور تیسرے مولانا محمد واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان میں مولانا محمد ثانی حسنی اور مولانا سید محمد واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس دارفانی سے دارالبقاء کی طرف کوچ کرچکے ہیں، جب کہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ندوۃ العلماء کے موجودہ ناظم اور آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے صدر بقید حیات ہیں، اور اپنی تصنیفی تدریسی وانتظامی صلاحیتوں سے امت کو مستفید کررہے ہیں، اور ہزاروں علم کے تشنہ لبوں کو اپنی علمی وادبی صلاحیتوں سے فائدہ پہنچارہے ہیں جب کہ مولانا واضح رشید ندوی آخری عمر تک ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات، اور عربی زبان وادب کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ عالمی سیاست اور عالم عرب میں ہونے والی سیاسی ہلچل اور یہودی، صہیونی پروپیگنڈوں سے گہری واقفیت رکھتے تھے، وہ بھی ایک ماہر انشاء پرداز اور صاحب طرز ادیب تھے، ان کے سانحہ ارتحال سے نہ صرف ندوہ میں بلکہ علمی و

ادبی اور صحافتی دنیا میں ایک نا قابل پُر خلا پیدا ہو گیا۔

مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ان تینوں بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، عربی زبان وادب پر ان کی خدمات سامنے تو نہ آ سکیں تاہم ان کو اردو ادب پر مکمل عبور حاصل تھا، وہ ایک زود گو اور قادر الکلام شاعر تھے، ندوۃ العلماء کا ترانہ آپ ہی کی دین ہے جو مسدس کی شکل میں ہے۔ جس کا مصرعہ بند کچھ یوں ہے:

ہم نازشِ ملک وملت ہیں ہم سے ہیں
درخشاں صبح و وطن
ہم تابشِ دین، ہم نورِ یقیں، ہم حسنِ عمل ہم
خلقِ حسن

اس ترانہ نے ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی میں دھوم مچادی تھی، اور سامعین (جن کی تعداد لاکھوں میں تھی) میں بے حد پذیرائی حاصل کی تھی، اسی طرح آپ کے قلم سے مدرسہ ضیاء العلوم، فلاح المسلمین، اور متعدد مدارس کے ترانے ضبط تحریر میں آئے، اس سلسلے میں حمد و نعت اور ترانوں کا مجموعہ میزاب رحمت کے نام سے آپ ہی کے مکتبہ مکتبہ اسلام سے شائع ہوا ہے، حیات خلیل، تذکرہ ہارون، سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ، زبان کی نیکیاں جیسی پر مغز کتابوں کے مصنف تھے۔

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہوا کہ ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی کی پانچ بیٹیاں تھیں، جن میں سے تین بیٹیاں مولانا محمد ثانی حسنی اور ان کے دونوں برادران (سید محمد رابع حسنی وسید محمد واضح رشید ندوی) کے حبالہ عقد میں تھیں یعنی یہ تینوں بزرگ جس طرح باہم ایک ماں باپ کی اولاد (حقیقی بھائی) تھے اسی طرح ان کی بیویاں بھی حقیقی بہنیں تھیں، ان تین کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی چوتھی بیٹی سید طاہر حسینی کے نکاح میں اور پانچویں بیٹی مسلم حسنی کی زوجہ محترمہ تھیں اور ان کے ایک صاحبزادے محمد الحسنی صاحب تھے۔

ڈاکٹر عبد العلی حسنیؒ جن کی شادی راقم سطور (محمد زبیر فریدی) نانا کی بہن سے ہوئی تھی، اس طرح ہمارے نانا اور ڈاکٹر عبد العلی کے درمیان حقیقی سالے بہنوئی کا دوطرفہ رشتہ تھا اور اسی رشتہ سے ڈاکٹر عبد العلی صاحب ہماری والدہ کے حقیقی پھوپھا تھے، اس طرح مولانا ثانی حسنی کی بیوی ہماری والدہ کی پھوپھی زاد بہن ہوئیں، یعنی ہماری والدہ کی اولادیں اور مولانا ثانی حسنی اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی و مولانا محمد واضح رشید ندوی کی اولادیں میرے خالہ زاد بھائی بہن ہوئے، چنانچہ اسی رشتہ سے مولانا محمد حمزہ حسنی کے ذاتی اوصاف و کمالات اور ذاتی شمائل وخصائل نے مجھے مجبور کیا کہ ان کی حیات وخدمات کا تعارف کرانے اور ان کے ساتھ اپنی رشتہ داری کا حق الامکان حق ادا کرنے کے لئے چند سطور قلمبند کرنے کی کوشش کروں تاکہ ان کو اپنے الفاظ میں خراج تحسین پیش کرسکوں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ کا خانوادہ اپنے علم وفضل، زہد وورع، تقویٰ وطہارت اور اخلاص للّٰہیت کے معاملہ میں ملک گیر شہرت کا حامل رہا ہے، مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بھی اس معزز خاندان نے ایسی ہمشیرہ کو جنم دیا، جو اپنی زبان وادب اور علمی تفوق وبرتری میں اپنی مثال آپ ہیں، اور وہ زہد فی الدنیا میں بھی ممتاز تھیں، یعنی انہوں نے اپنی دنیا بنانے اور اسے آباد کرنے کی فکر نہ کی بلکہ فکر آخرت میں وہ ہمہ تن مصروف رہے۔ ان کی اکثریت نے دنیا میں زمین، جائیداد، بنگلہ اور عالیشان کوٹھیوں اور عمدہ گاڑیوں کو اپنے لئے باعث عزت نہیں سمجھا، بلکہ انہوں نے اعمال آخرت، اور توشۂ اخروی وافر مقدار میں اکٹھا کیا اور اسی کو باعث فخر و عزت گردانا، "**رجال لا تلهيهم تجارة و لا بيع عن ذكر الله و اقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة**" کے مصداق بن کر اپنی زندگیاں اللہ کے لئے لگا دیں، اور اللہ کے نیک بندوں میں شامل رہے، تو ان کی علمی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا، اور ان کو دنیا میں شہرت ومقبولیت اور عزت وعظمت حاصل ہوئی، سرخروئی اور سربلندی نے ان کے قدم چومے اور یہی اللہ کے نیک بندوں کا اصل سرمایہ ہوتا ہے۔ کیونکہ دنیاوی عیش وآرام اور کروفر کا

سامان تو متاع غرور کا سودا اور ڈھلتی چھاؤں ہے اور آخرت کا سامان اور عزت کا حصول دیرپا ہوتا ہے۔

میں اپنے آپ کو ان خوش نصیبوں میں سمجھتا ہوں جن کی اس علمی خانوادہ کے ساتھ رشتہ داری ہے، اور جس کا اس خاندان کے ساتھ نسبی تعلق ہے، چنانچہ گزشتہ سطور میں میں نے رشتوں کی جو تفصیلات پیش کی ہیں ان کے مطابق ڈاکٹر عبدالعلی صاحب میری والدہ کے حقیقی پھوپھا تھے، اور چونکہ ان کے بھائی مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ تھے، اس طرح ان کے ساتھ وہی رشتہ قائم ہوا اور وہ دونوں بالواسطہ طور پر میرے نانا تھے۔ اسی رشتہ کی بنیاد پر میرا اس خاندان سے اور اس خاندان کے بزرگوں سے گہرا تعلق رہا۔ اور میرا ”رائے بریلی“ کے اس گھرانے میں برابر آنا جانا ہے، اس طرح اس خاندان کے بزرگوں اور خرد و کلاں سے تعلق دلی وابستگی اور ان کو قریب سے دیکھنے اور ان کی حالات زندگی سے واقفیت کا موقع میسر ہوا۔

رشتہ داریوں کی ان تفصیلات کا لب لباب یہ ہے کہ مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ میری والدہ کی سگی پھوپھی زاد بہن تھیں، اور اس رشتہ سے میری خالہ تھیں، اور مولانا ثانی حسنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے خالو اور ان دونوں کی اولاد میرے خالہ زاد بھائی بہن تھے۔ لڑکپن تھا، ورنہ وہ خود معاملہ فہم، دوراندیش اور صاحب الرائے تھے، ذہانت، بصیرت، حکمت وفراست ان میں بدرجہ اتم موجود تھی، اس کے باوجود جب بھی کوئی سنگین معاملہ پیش ہوتا تو مجھے دہلی یا علی گڈھ سے طلب کرتے، اور اکثر میری ناقص رائے کو قابل عمل سمجھتے، یا جب کبھی کسی مسئلہ میں ان کو پولیس اور انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیداروں (آئی جی، ڈی آئی جی اور ایس پی) وغیرہ سے کوئی کام ہوتا تو مجھے ان سے رابطہ کرنے کو کہتے، اور مجھے اس لائق سمجھتے کہ میں پیش آمدہ مسائل میں ان کے کچھ کام آسکوں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی تاکید کردیتے تھے کہ صرف جائز کاموں اور جائز طریقوں سے ہی مجھے مدد چاہئے، کسی ناجائز کام میں ہرگز نہیں، ان کے ان کاموں کا تعلق بالعموم ندوۃ العلماء سے ہی ہوتا تھا، جس کو کسی بھی طرح، کسی کی ذات سے یعنی اپنے وبے گانوں کو ان سے کوئی گزند پہنچے ان کو کسی قیمت گوارہ نہ تھا۔

ان کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ اپنے قریبیوں میں ایسے مفاد پرست اور خودغرض لوگ ہیں جو ندوہ کے دروبست پر قابض ہوکر اس کا استحصال کرنا چاہتے ہیں، اور ان کی شہرت و ناموری کو اپنے ذاتی مفادات کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں، وہ اپنی حیات مستعار کے آخری لمحات تک ایسے طالع آزماؤں سے ندوہ کا کامیاب دفاع کرتے رہے اور بذات خود بادمخالف تھپیڑوں کو سہتے ہوئے ایسے مفاد پرستوں کے سامنے سینہ سپر رہے، خاص طور سے زندگی کے آخری ایام سے قبل جو سنگین وپرآشوب حالات کا ملک گیر حکمت ودانائی سے آپ نے مقابلہ کیا۔ **کانهم بنیان مرصوص**۔

مولانا حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی پوری زندگی ندوۃ العلماء کو فائدہ پہنچانے، اور اس کو ترقی کی راہوں پر ڈالنے کے لئے کوشاں رہے گھربار سے لے کر انہوں نے اپنی تمام سرگرمیاں حتی کہ اپنے مکتبہ کی مصروفیات تک صرف اور صرف ندوۃ العلماء کی ترقی کے لئے قربان کردیں۔ انہوں نے ندوۃ العلماء کو بہت کچھ دیا۔ ندوۃ العلماء کی زمین کا مسئلہ جو کہ بڑا پرخطر، دشوار، سنگین مسئلہ تھا، اس کو انہوں نے بڑی حکمت عملی سے الحمدللہ انجام دیا، ندوہ کی عالیشان مسجد، رواق ابوالحسن رواق مونگیری، رواق حبیب، جدید درسگاہ، سلیمانیہ ہاسٹل میں کمروں کا اضافہ، ڈاکٹر عبدالعلی اسپتال، معہد سکروری کی مسجد، دارالاقامہ، درسگاہ، اسٹاف کوارٹر، یہ تمام اُن کی خدمات اور ان کی اخلاص للّٰہیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ انہوں نے یہ جو تعمیراتی کام جس خوبصورتی، سلیقہ مندی، دیانت داری، فکرمندی اور مالیات کو سنبھالتے ہوئے انجام دیئے۔ یقیناً وہ قابل ستائش ہیں، ندوہ کا بجٹ ان کے دور انتظامی میں 4 کروڑ سے 22 سے

24 کروڑ تک جا پہنچا۔ وہ نائب ناظم کے منصب پر رہتے ہوئے نہ صرف حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب کا ہاتھ بٹاتے رہے بلکہ ان کے انتظامی معاملات کو چست و درست رکھنے کے لئے کوشاں رہتے، ان کاموں کی انجام دہی میں ان کے وقت کا بیشتر حصہ صرف ہوتا، لیکن انہوں نے اپنے وقت کی قیمت وصول کرنا، یا کسی طرح کا کوئی مشاہرہ قبول کرنا گوارہ نہ کیا یعنی یہ ساری خدمات وہ فی سبیل اللہ انجام دیتے تھے۔

امانت و دیانت، اور زہد وتقشف کا حال یہ تھا کہ جب بھی گاڑی وغیرہ اپنے ذاتی کام سے لے جاتے تو اس کا کرایہ دیتے، ندوہ آنے جانے میں گاڑی کا استعمال ندوہ کے کام کے لئے کرتے۔

انہوں نے علمی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، رائے بریلی اور اس کے گرد ونواح میں مختلف مدارس کا قیام اور ملی وتنظیمی کمیٹیوں کا وجود اس بات کا ثبوت ہیں کہ امت کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی فکر ان کے خانوادہ کا شیوہ رہی ہے۔ مدرسہ عائشہ للبنات رائے بریلی، مدرسہ فلاح المسلمین تیندوا، مدرسہ بدرالعلوم سدھونا یہ تمام خدمات آپ کی مخلصانہ کوشش کا ثمرہ ہے جس سے امت فائدہ اٹھارہی ہے۔

اس کے علاوہ آپ 2004ء سے 2014ء تک سنی وقف بورڈ کے ممبر بھی رہے اس دوران آپ نے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں اس دوران میرا آپ سے ملنے کی غرض سے جانا ہوتا رہتا، وہاں لوگوں کے دلوں پر ان کی حکمرانی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ علمی گہرائی، وسعت مطالعہ، کثرت معلومات، اور واقعات کا استحضار آپ میں دیکھا گیا۔ تصنیف وتالیف کا بھی آپ کو بڑا شوق تھا، تذکرہ سید احمد شہید، تذکرہ صحابیات، سیرت امہات المومنین وغیرہ آپ کی تصنیفات میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط کو جمع کیا اور اس کی ترتیب واشاعت کا کام انجام دیا جس سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی پوری سوانح حیات پر روشنی پڑتی ہے۔ خلفاء راشدین سے متعلق آپ کی ایک کتاب طبع زاد ہے۔ اس کے علاوہ آپ ''رضوان'' کے چالیس سال مدیر رہے۔ جو خواتین اور گھریلو امور سے متعلق نکلنے والا ایک اہم مجلہ ہے۔

وہ نہایت ہی سادہ صفت انسان، قناعت، اور تواضع کے پیکر تھے۔ ہر حیثیت سے میں نے آپ کو دیکھا ہر زاویہ سے میں نے آپ کو جانا، خوبیاں ہی خوبیاں نظر آئیں، انتہائی خوش اخلاق اور مرنجان مرنج طبیعت کے مالک تھے، مہمان نوازی کی صفت سے پوری طرح متصف تھے، مہمانوں کی خاطر تواضع دل کھول کر کرتے تھے، اسی طرح ضرورت مندوں، محتاجوں، یتیموں و بیواؤں کی خفیہ مدد کرتے، ان کی ضرورتیں پوری کرتے کہ دائیں ہاتھ سے دیتے تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہوتی، تصدق **بصدقة فاخفاها حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه۔**

اس کے علاوہ جن بچیوں کی شادی کا مسئلہ ہوتا، اس میں بھی اپنی خدمات پیش کرتے اور رشتوں کو طے کرانے میں اہم کردار ادا کرتے، میری اپنی بہن کی شادی بھی انہوں نے رشتہ کرانے سے لے کر اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

تکیہ کلاں رائے بریلی میں ان کی خاندانی اور آبائی جائیداد تھی، جس کی دیکھ بھال مولانا واضح رشید ندویؒ کے صاحبزادے مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی کے ذمہ تھی، جس کی پیداوار سے وہ دونوں بھائیوں کا حصہ پوری صفائی اور دیانت داری کے ساتھ تقسیم کرتے رہے۔ مولانا حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تو ان سے کبھی کوئی حساب طلب کیا، نہ ان کے کسی کام پر کوئی اعتراض، جب کہ مولانا جعفر مسعود حسنی پورے انصاف اور دیانتداری کے ساتھ حقوق کو تقسیم کرتے رہے۔ اس طرح ان افراد خاندان نے اپنے عمل وکردار سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ انہیں مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کی نظر میں دنیاوی مال ومتاع اور جاہ وجلال کی حیثیت پرکاہ کے برابر بھی نہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

○○○

مفتی سید مسعود حسن حسنی ندوی
استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ایک زاہد و متقشف اور متقی شخصیت

خاندانی روایات کے امین، تواضع و انکساری کے خوگر، سادگی و سادہ لوحی کی خاندانی وراثت کو سنبھالنے والے، خودداری و استغناء کے پیکر، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص استغناء، للّٰہیت وتقویٰ سے پر زندگی کو دل و دماغ کے نہا خانوں میں بسالینے والی شخصیت، اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد اپنی زندگی کو انقلاب آفریں بنا کر اپنی پوری زندگی کو ایک خاص نہج پر ڈال کر آخرت کی کامیابی کے حصول میں لگ جانے والی شخصیت، جس نے مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی (رائے بریلی) کی بنیاد ڈال کر پورے علاقہ کو فیض پہنچانے کا عزم مصمم ہی نہیں کیا، بلکہ عورتوں کی اصلاح وتربیت میں نکلنے والے رسالہ (ماہنامہ رضوان) کو شدید دشواریوں کے باوجود بند نہیں ہونے دیا اور اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اس کو نکالتے رہے، والد ماجد کے انتقال کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے نہ صرف یہ کہ وابستہ رہے بلکہ ان کی تقویت کا باعث بنے رہے، یہی وجہ تھی کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ عالمی سفر میں ان کو لے کر گئے، جو 75 سے 80 کے درمیان کا سفر تھا، جس میں قطر میں شیخ یوسف القرضاوی رحمۃ اللہ علیہ وعبداللہ ابراہیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر عمائدین سے ملاقات سے بہرہ ور ہوئے، حضرت شیخ سے بیعت وارادت کا تعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایماء پر ہی قائم کیا اور (پاس انفاس) حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا، اور ایک لاکھ مرتبہ ذکر ایک دن میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے کیا، ان کی پوری زندگی نہایت سادگی کی پر تو تھی، ایمان داری، دیانت داری، معاملہ فہمی میں ان کا ہمسر ملنا مشکل ہے، حافظہ نہایت قوی تھا، تعلیم کے حصول میں اپنی ذہانت، قوت حافظہ کی بناء پر ہمیشہ اچھے نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے، ماموں جان ہر میدان کے شہسوار رہے، ابتدائی عمر میں کھیل سے شغف رہا، جوانی کے جنوں سے آگے بڑھے تو سیاست کے میدان میں قدم رکھا، ڈاکٹر فریدی سے ایسا تعلق ہوا کہ انہوں نے اہم ترین ذمہ داریاں ان کے سپرد کردیں، جس کی بنیاد پر جنتا پارٹی کی حکومت بننے پر ان کو وزارت کی پیشکش ہوئی، لیکن والد صاحب کی ناپسندیدگی کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کیا، اور اپنی جگہ دوسرے کا نام پیش کر کے وزارت ان کے حوالہ کردی، پھر تجارت سے وابستہ ہوئے، ایکسپورٹ و امپورٹ کا لائسنس حاصل کر کے تجارت کی، ایک عرصہ تک تجارت سے وابستہ رہنے کے بعد پھر وہ اپنے والد صاحب کے قائم کردہ مکتبہ اسلام سے مکمل طور پر وابستہ ہوگئے، اور پرانے طریقہ پر جو بزرگوں کا طریقہ تھا اس پر مکتبہ اسلام کو چلاتے رہے، اس کے علاوہ ماموں جان کے صاحب الرائے ہونے کی وجہ سے شہر کے معززین ان کے رابطہ میں رہتے، اور ان کے پاس آتے، ان سے اپنے کاموں کے سلسلے میں مشورہ کرتے، اور ان کے مشوروں کے مطابق کام کرتے، ان کے علاوہ ماموں جان کو تنظیمی کاموں کا بڑا ہی عمدہ تجربہ تھا، یہی وجہ تھی کہ امام حرم کی جب بھی ندوہ آمد ہوئی تو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تنظیمی امور کی ذمہ داری مولانا حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ پر ڈالی اور انہوں

نے اس کو بحسن وخوبی انجام دیا، اسی طرح شاہ بانو کیس کے سلسلے میں رائے بریلی میں جو احتجاجی جلسہ رکھا گیا، اس کا پورا انتظام مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ کیا، اور انہوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر نہایت ہی نظم ونسق کے ساتھ اس کو انجام دیا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس سے بہت خوش ہوئے، اور ان کو دعاؤں سے نوازا، اس کے بعد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے رابطہ ادب اسلامی کا ایک اہم جلسہ رائے بریلی میں مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیر انتظام منعقد کیا، جس میں متعدد ملکوں کی نمائندہ شخصیات شریک ہوئیں، اور جلسہ بہت ہی کامیاب رہا، جو ان کی اور ان کے رفقاء جس میں خاص طور پر ڈاکٹر احمد حسنی، اور جناب امتیاز صاحب، اور جناب افتخار صاحب، اور جناب عبیدالرحمن خاں صاحب اور دیگر حضرات کی محنتوں کا ثمرہ تھا، تقریباً سن 99-1998ء میں مولانا عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بار بار اصرار پر وہ ندوہ سے اس شرط کے ساتھ وابستہ ہوگئے کہ وہ اس دینی کام کی انجام دہی بغیر تنخواہ کے کریں گے، اور انہوں نے زندگی کے آخری لمحہ تک ندوہ کی خدمت بغیر تنخواہ کے کی، جس چیز کو وہ صحیح سمجھتے تھے اس میں کسی کے نقد کی پرواہ نہیں کرتے تھے، ضرورت کے حساب سے وہ کام کرتے تھے، اپنے بڑوں واساتذہ کی مرضی کے خلاف کام کرنے سے اجتناب کرتے تھے، اپنے چچا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی مدظلہ العالی (اللہ رب العزت ذوالجلال ان کی عمر میں صحت وعافیت کے ساتھ برکت عطاء فرمائیں، آمین) جو اس وقت اسلام کی اور امت کی آبرو ہیں، امت ان کے نام پر متحد ہے، حکمت ودانائی کے پیکر ہیں، ماموں جان بھی ایسی ہی حکمت ودانائی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں اور ایسی مہارت رکھتے ہیں جو دلوں کو جھنجھوڑتی ہے اور اندرونی اصلاح کرتی ہے، وقتاً فوقتاً برائیوں کو دور کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، اور اس کے لئے جو بھی طریقہ ہوسکتا ہے وہ اختیار کرتے ہیں، اس طریقہ کار روا دیا نہیں کرتے، غیبتوں اور لعنتوں سے اجتناب کرتے ہیں، کیونکہ یہی نبوی طریقہ ہے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لعنت کرنے والے نہیں تھے، چچا کی منشاء کے خلاف کام کرنے سے احتراز کرتے تھے، اس لئے کہ ان کو امیر مانتے تھے، اور امیر کے حکم کی خلاف ورزی کو ناجائز قرار دیتے تھے، ہر حق دار کو حق دینے کی سعی کرتے تھے، ہاں وہ انسان تھے فرشتہ نہیں تھے غلطیاں ہوتی ہوں گی، لیکن ندوہ کے مفاد پر کسی کے مفاد کو ترجیح دینے کے وہ روادار نہیں تھے، جس کام میں لگتے بڑی محنت اور توجہ کے ساتھ لگتے تھے، وقف بورڈ میں ممبر منتخب ہوئے تو اس کے احوال وکوائف کو جاننے کے بعد اس کی اصلاح میں لگ گئے، اور اہل کو اس کے حقوق دلانے کی سعی کرتے رہے، حرام سے اجتناب کا یہ حال تھا کہ پیسہ کبھی اپنے پاس نہیں رکھتے تھے، سادگی کا یہ حال تھا کہ موٹا جھوٹا پہنتے اور اوڑھتے تھے، باندھ سے بنی چارپائی ان کا بستر ہوتا تھا، زندگی مسافرت کی تھی فکر آخرت کی تھی، یہی وجہ تھی کہ زہد واستغناء میں پوری زندگی گزار دی، خاندان کی (ایسی) وراثت کی فکر رہتی تھی کہ آئندہ نسل بھی اسی پر گامزن رہے۔

آج مولانا حمزہ حسنیؒ ہمارے درمیان موجود نہیں رہے ان کو آج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہوئے دل بے چین ہے کہ جو شخصیت کل تک ہماری نگاہوں کے سامنے ہوتی تھی، آج ہم اس سے محروم ہو چکے ہیں، مولانا کی شخصیت کے اندر جو دلسوزی واخلاص تھا، صلاح وتقوی اور للّٰہیت تھی وہ آج نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، مولانا بے پناہ خصوصیات کے مالک تھے، ان کی شخصیت گوناں گوں صفات کی حامل تھی، ایک شخصیت جو دیکھنے میں نہایت سادگی کا پرتو تھی لیکن اتنی عظیم الشان صفات کی حامل ہوگی، اس سے کم ہی لوگ واقف ہوں گے،

میرا مولانا سے بہت ہی واسطہ رہا اور بہت سے معاملات میں ہم نے مولانا کو دیکھا، معاملہ کی جو صفائی میں نے مولانا میں دیکھی، وہ کم لوگوں میں دیکھی، مولانا نے ہر میدان میں قدم رکھا اور نہایت ایمانداری، دیانت اور صلاح وتقوی کے ساتھ اس کارزار سے وابستہ رہے اور اسی طرح اس سے نکل بھی گئے، جب جس چیز کی ضرورت محسوس کی اس کام کو کیا اور جب اس سے الگ ہونے کو ضروری سمجھا تو پھر ذاتی مفاد کا خیال نہ کرتے ہوئے ملت کے مفاد کی خاطر الگ ہو گئے، ایسے مواقع ان کی زندگی میں آئے جن سے وہ فائدہ اٹھا کر دنیاوی فوائد کے وہ اپنے لیے انبار لگا سکتے تھے ،لیکن انبار کیا لگاتے ایک پلاٹ تک نہ خریدا، دنیا اس کے ظاہر کو دیکھ کر اس شخصیت کو نہ سمجھ سکی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہیروں کے پرکھنے والے نے اس ہیرہ کو اول یوم سے پرکھ لیا تھا، کیوں کہ اس کے سامنے ہی یہ ہیرہ پلا بڑھا تھا، اس کا ہر زاویہ اس کے پرکھنے والے کے سامنے تھا۔

پھر ابھی وقف بورڈ میں چیئرمین شپ کی پیش کش ہوئی تو اپنے چاہنے والے چچا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی عدم رضامندی کی وجہ سے انکار کیا۔

تجارت میں قدم رکھا تو ایکسپورٹ و امپورٹ کے لائسنس کے ساتھ میدان میں آئے اور کئی ممالک کا سفر کیا جس میں اس وقت ۳۰؍ سال قبل ان کو تقریباً دس ہزار کا نفع ہوا لیکن بڑوں کی ایما نہ ہونے کی وجہ سے اس سے بھی دستبردار ہوئے، کئی حج کیے، ہر حج اپنے خرچ پر کیا، حکومتی اداروں کے خرچ اور سعودی حکومت کے خرچ پر نہ کوئی حج کیا اور نہ عمرہ، اپنے بزرگوں اور بزرگوں کے بزرگوں سے مکمل وابستہ رہے، حضرت شیخ الحدیث کاندھلویؒ اور حضرت رائے پوری کے یہاں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ جا تے رہے اور یہ بزرگ جو وظائف بھی بتلاتے ان پر عمل کرتے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے ''پاس انفاس'' کی ترغیب دی، اس کو انہوں نے ان سے سیکھا اور ایک دن میں ایک لاکھ بار کا ذکر بھی کیا، اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے والے تھے، بار بار یہ بات کہتے تھے کہ تقشف کی زندگی اور زہد کی زندگی اختیار کرنی چاہیے اور اس پر انہوں نے عمل کر کے دکھایا جو ان کی رہن سہن اور ان کے کمرہ کو دیکھ کر سمجھا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کے انتقال کے بعد ان کی زندگی کا رنگ وروپ بالکل بدل چکا تھا، انہوں نے بے سروسامانی کے ساتھ اپنی زندگی کا مشن غریبوں کی مدد اور مدارس اسلامیہ کی داغ بیل ڈالنے کے لیے مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی کو قائم کر کے بنایا اور اس کی ترقی میں پوری طرح سے لگ گئے جس میں ان کا ساتھ ڈاکٹر احمد حسنی ندوی، مولانا امتیاز احمد ندوی، مولانا افتخار احمد ندوی، جناب عبید خان، جناب شفیق خان، جناب اختر خان، جناب حبیب جناب رشید اور ماسٹر صابر صاحبان اور دیگر حضرات نے بھرپور طریقہ سے دیا جس کی وجہ سے یہ سوسائٹی ایک تناور درخت کے طور پر کھڑی ہوگئی، سوسائٹی نے بہت ہی کم وقت میں جو شہرت حاصل کی' وہ محتاج بیان نہیں اور بہت ہی اہم پروگرام اس کے تحت انجام دیے گئے جس میں شاہ بانو کیس کے موقع پر مسلم پرسنل لا بورڈ کا ایک احتجاجی جلسہ رائے بریلی میں سوسائٹی کے زیر انتظام منعقد ہوا جس نے پورے ملک میں کہرام مچا دیا، اسی طرح رابطہ ادب اسلامی کا جلسہ منعقد کیا گیا جس میں کئی ملکوں کے نمائندے شریک ہوئے۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کے اندر جو انتظامی صلاحیت تھی' اس کا ایک نمونہ ختم نبوت کانفرنس کے موقع پر جو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ۱۹۹۷ء میں منعقد ہوئی تھی اور جس میں امام حرم شیخ سبیل تشریف لائے تھے' دیکھنے کو ملی، جس میں مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی کے ہاتھوں میں مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ نے انتظامی معاملات سپرد کیے تھے اور اسی طرح جب امام حرم اس سے پہلے تشریف لائے تھے

تو مولاناؒ نے جس طرح شہر والوں کو جوڑ کر پورے شہر میں استقبالیہ گیٹ لگوائے وہ بھی ان کی اعلیٰ انتظامی صلاحیت کا مظہر ہے، انہوں نے ان وجوہ کو سامنے رکھ کر مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی حیات میں ناظر عام ندوۃ العلماء کی پیشکش کردی اور اس کے عوض ایک معقول تنخواہ کی پیشکش کی۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی تنخواہ کے لیے تیار نہیں تھے اور مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ بغیر تنخواہ کام لینے پر تیار نہیں تھے، لہٰذا یہ معاملہ کئی مہینے ٹلا رہا، آخر بہت زیادہ اصرار پر جب مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ نے کہا کہ میں نے والد صاحب کے انتقال کے بعد یہ عہد کر رکھا ہے کہ ان کے ایصال ثواب کے لیے بغیر تنخواہ کے ہی دینی کام کروں گا تو پھر مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ نے ان کی بات مان لی اور یہ بات طے ہوئی کہ ان کے لانے لے جانے کی ذمہ داری ندوۃ العلماء کی ہوگی۔

اس بندۂ مومن نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک کوئی تنخواہ نہیں لی اور گاڑی کا استعمال اگر ذاتی نوعیت کے طور پر کیا تو اس کی قیمت کی ادائیگی اپنے پاس سے کرتے رہے اور گھر کے افراد کے لیے وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ گاڑی لی جائے چہ جائیکہ پیسہ کے عوض ہی کیوں نہ ہو۔

ان کی زندگی کا مقصد ندوہ کو ترقی کے اعلیٰ منازل تک پہونچانا تھا، وہ کہتے تھے کہ ہم ندوہ کے مفاد کا سودا نہیں کر سکتے، ندوہ کا مفاد وہاں کے ہر فرد کے مفاد سے بڑھ کر ہے، اسی لیے بعض اوقات ان کی بعض باتوں سے جنہیں وہ ندوہ کے مفاد میں سمجھتے تھے بعض لوگوں کو تکلیف پہونچی لیکن ندوہ کے مفاد کے لیے انہوں نے اپنے نقصان کی کبھی پرواہ نہیں کی۔

وہ ہمارے ماموں تھے، حقیقی اور چہیتے ماموں، بھانجوں سے بیٹوں جیسی محبت کرنے والے، ہماری والدہ ان کی اکلوتی چہیتی بہن تھیں، دونوں ایک دوسرے کو بے پناہ چاہنے والے تھے، سن 2005ء میں والدہ محترمہ کے انتقال کے بعد ہم لوگوں کے لئے ان کی محبت میں اضافہ ہوتا چلا گیا، روزانہ وہ گھر تشریف لاتے اور والدہ محترمہ کی کمی کے احساس کو کم کرنے کی فکر میں رہتے، یہی وجہ تھی کہ ہمارے بڑے بھائی جناب مولانا محمود حسن حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیماری کی بہت فکر کرتے، اور علاج کے جو اسباب ہو سکتے تھے ان کو اختیار کرنے کی فکر کرتے، اور اگر ہمارے برادر اکبر کو اپنے چہیتے ماموں کے بارے میں کسی کو بدگمانی ہو جاتی تو اس کو دور کرنے کی فکر میں لگے رہتے، اور ان کو صحیح مشورے دیتے جو ندوہ کے لئے مفید ہوں، اور وہ مشورے ماموں جان مانتے بھی تھے، اور مناسب نہ سمجھتے تو نہ مانتے، لیکن بڑے بھائی کی صلاح وتقویٰ کے وہ معترف تھے، اور کہتے تھے کہ محمود اس نسل میں آخری شخص ہیں جو خاندانی وراثت کے امین ہیں، اور خاندان اگھامیاں کے صاحب نسبت بزرگ ہیں۔

ہمارا ان سے وراثت کی نوعیت کا معاملہ رہا، ان کے والد صاحبؒ کی وراثت میں چونکہ ہماری والدہ بھی شریک تھیں، ایک ایک پیسہ کی ادائیگی کا ان کا معمول تھا، حساب کتاب بالکل صاف اور واضح ہوتا تھا اور ایک ایک پیسہ کا حساب وہ لکھتے تھے، اس کے علاوہ ایک مرتبہ میں نے ان سے ایک تجارتی معاملہ کیا، اس کو بھی وہ تحریری شکل میں لائے حالانکہ بعد میں انہوں نے نفع لینے سے انکار بھی کیا اور جو رقم ہمیں دی تھی، اس کے واپس لینے سے بھی انکار کر دیا، غریبوں کی خفیہ مدد کرنے میں وہ بے مثال تھے، خاموشی کے ساتھ مختلف لوگوں کو وہ رقم بھجواتے تھے، اسی طرح سے ندوۃ العلماء میں بھی کئی لوگوں کو جانتا ہوں جن کا گریڈ کئی کئی سالوں سے رکا ہوا تھا، مولانا کو جب صحیح بات کا علم ہوا تو انہوں نے ان سب کے معاملات کو فوراً درست کروایا اور ان کو جو نقصان ہو رہا تھا اس کی تلافی ہوئی۔

ہماری والدہ اور والد سے بہت زیادہ تعلق تھا، والدہ اور والد کے بعد ہم لوگوں کے نہ صرف یہ کہ سرپرست تھے بلکہ والد

اور والدہ دونوں کی جگہ لیے ہوئے تھے اور نہایت شفقت ومحبت کا برتاؤ کرتے تھے اور اسی تعلق کی وجہ سے وہ روزانہ پابندی سے گھر آتے اور بیٹھتے تھے اور ہم لوگوں کی مختلف معاملات میں رہنمائی فرماتے تھے، یہ ان کی محبت کا انداز تھا۔

ندوہ کے لیے انہوں نے خاموشی کے ساتھ جو کیا وہ خالص لوجہ اللہ تھا، ندوہ کی مسجد کی توسیع میں ان کا مکمل عمل دخل تھا اور اس کے لیے انہوں نے گھر والوں اور اہل تعلق کو چندہ پر ابھارا، اور چندہ گھر والوں سے پہلے لیا۔

مولانا کی تربیت کا انداز بڑا اچھوتا اور نرالا تھا، کوئی بات بھی وہ کہتے تو کسی خاص جملہ کے ساتھ اس کو مربوط کردیتے تھے تاکہ سمجھنے والا اس کو سمجھ جائے اور اسے زیادہ برانہ لگے اور کبھی دوٹوک انداز میں سخت جملہ بھی استعمال کردیتے جو لوگوں کو کبھی کبھی برا بھی لگ جاتا تھا لیکن بعد میں اس کی تلافی بھی کردیتے تھے۔

مولانا کی زندگی زہد واستغناء سے پُر زندگی تھی، وہ کہتے تھے کہ موت سے بالکل ہمیں خوف نہیں ہوتا اور جو زندگی انہوں نے گذاری وہ حیات جاودانی کی طرف ان کو لے جانے والی تھی، یہی وجہ تھی کہ موت کے بعد اطمینان وسکون کی کیفیت ان کے چہرہ سے آشکارا تھی، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ان کا نعم البدل ندوہ کو اور خاندان کو عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

اسلامک میگزین سینٹر

(دینی رسالوں کا منفرد مرکز)

دوروزہ تعمیر حیات | ماہنامہ رضوان | ماہنامہ حجاب | ماہنامہ زندگی نو | پیام عرفات | بچوں کا ماہنامہ امنگ

بچوں کا ماہنامہ پھول | نقشہ اوقات الصلاۃ دائمی | सच्चा राही | कान्ति

ISLAMIC MAGAZINE CENTER

ہمارے یہاں شادی کارڈ، عقیقہ کارڈ، شناختی کارڈ، ویزیٹنگ کارڈ، لیٹر پیڈ، کیش میمو، اسکول ڈائری، آئی کارڈ، فیس کارڈ، فیس رسید کلینڈر، رمضان کلینڈر، رمضان پاکٹ کارڈ، جلسہ پوسٹر، اردو کی رسید، میگزین کتاب وغیرہ کی ڈیزائننگ ہوتی ہے۔

Urdu , Arabic , English , Hindi , Math Composing | وقت 10-AM- 08-PM

Khatrana Power House Rae Bareli Mob.: 9026905314

سید منصور حسن حسنی ندوی
استاد دار المبلغین لکھنؤ

ہمارے ماموں جان- کیسا دیکھا کیسا پایا

بچپن ہی سے ماموں جان کی دل آویز شخصیت دل میں رچ بس گئی تھی، ماموں جان تھے ہی ایسے، وہ اپنے آپ میں ایک انجمن تھے، جہاں وہ ایک ماہنامہ "رضوان" کے مدیر اور ایک مکتبہ کے بہترین منتظم تھے تو وہیں وہ متحرک وفعال شخصیت کے مالک تھے، بڑے ذہین اور دور اندیش تھے، حالات کی نزاکتوں سے خوب واقف تھے، معاملہ فہم تھے، افراد شناس تھے، لوگوں کے مرتبے اور عقلی مستوی کو سامنے رکھ کر نبوی طریقہ کے مطابق معاملہ کرتے، حدیث شریف میں ہے: **"کلموا الناس علی قدر عقولهم"**، وہ بڑے کم گو تھے، بات نپی تلی کرتے، لکھنے اور بولنے میں زبان قلم کو خوب پرکھ لیتے، ہم مزاج ہم خیال لوگوں کی مجلس میں بڑی لطیفہ سنجی و خوش طبعی کا مظاہرہ کرتے اور پورے انبساط کے ساتھ شریک ہوتے، ہمارے والد ماجد جناب سید حسن حسنی اور ماموں مولانا محمد اسحاق حسینی رحمہما اللہ کی موجودگی سے انبساط بہت بڑھ جاتا تھا اور مجلسوں کی دلچسپی میں اضافہ ہوجاتا، گویا باغ وبہار کا موسم ہو، خاتون منزل رونقوں کی بہار ہوتا، کیا ہی سنہرے دن تھے اور کتنی سادہ اور پرکیف محفلیں تھیں؟ آج بھی ان کے الفاظ کانوں میں گونجتے ہیں اور ان کا مسکراتا چہرہ آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگتا ہے، مسکراتے، ہنستے لیکن آواز کے بغیر۔

ان کا مکتبہ محض مکتبہ نہ تھا بلکہ وہ شہر کے باشعور افراد، اہل قلم، دانشور، صحافی اور لیڈران کا مرکز تھا، ادب، صحافت، سیاست، معاشرت، ملکی وغیر ملکی حالات سب موضوع پر باتیں ہوتیں اور تبادلہ خیال ہوتا، حاضر باش باشعور ہی ان کے ادبی شہ پاروں سے محظوظ ہوتے، وہ ذہانت و فراست کی بلندیوں پر فائز تھے، ان کی ذہانت وفراست اور مکتبہ اسلام کے حسن انتظام کو دیکھتے ہوئے حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی علیہ الرحمہ نے ۱۹۹۹ء میں ان کو ندوۃ العلماء کا ناظر عام متعین کیا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کی وفات کے بعد مجلس انتظامی نے ان کے دائرۂ انتظام کو وسیع کر کے ندوۃ العلماء کے تمام شعبوں کا سربراہ متعین کیا، جس کو انہوں نے تادم آخر بحسن خوبی انجام دیا، ادارہ کی طرف سے ان کو جو مشاہرہ کی پیشکش ہوئی تھی تو اسکو یہ کہہ کر قبول کرنے سے معذرت کرلی کہ ہمارے خرچ کا انتظام مکتبہ سے ہوجاتا ہے، اس کے باوجود انہوں نے اپنی انتظامی مشغولیات کو تجارتی مشغولیات پر غالب رکھا جو آسان نہ تھا، واقعتاً اللہ کی رضا اور والدین مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے انہوں نے اپنے کو وقف کردیا تھا، ندوہ ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، وہی مقصد حیات تھا، وہی دعوتی سرگرمیوں کا مرکز تھا، انہوں نے ندوۃ العلماء کے تمام شعبوں کو فعال متحرک بنا دیا تھا، ہر وقت اس کی ترقی کے لیے کوشاں رہتے، ندوہ میں ہر سطح پر ترقی وتبدیلی اور جدید چیزوں سے پورے استفادہ کا رجحان رکھتے تھے، اسی لیے لاک ڈاون کے زمانے میں انہوں نے آن لائن تعلیم کے مواقع فراہم کرنے کی کوششیں کیں جو ندوۃ العلماء کے مقصد جدید صالح سے استفادہ کی اہم کڑی ہے، جس سے بڑا فائدہ ہوا، ندوہ میں چمن بندی اور جدید تعمیرات میں بڑی دلچسپی لیتے، ندوہ کی پرشکوہ عمارتیں اس کا مظہر ہیں، عالیشان مسجد کی توسیع اپنی مثال آپ ہے، جس پر انہوں نے بڑی توجہ مرکوز رکھی۔

اپنی شخصیت کو کبھی نمایاں کرنے کی

کوشش نہیں کی، ندوۃ العلماء کا انتظام ہو یا پرسنل لاء کا اجلاس، مجلس تحقیقات اسلام ہو یا مجلس تحقیقات شرعیہ، ہر موقع پر پوری طرح شریک، لیکن اس طرح جیسے انہوں نے کچھ نہیں کیا، بے نفسی، ایثار، للہیت، وضع داری کا ایسا نمونہ تھے جس کی نظیر بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔

آپ کی خاص صفت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وگہنگی اور اتباع سنت تھی، اسی کے ساتھ صحابہ کرامؓ واہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے محبت وعقیدت میں خاص امتیاز رکھتے، اس بارے میں ذرا سی کوتاہی برداشت نہیں کرتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مرتبہ میں ذرا سی کمی ایمان کی کمزوری جانتے تھے، آپ نے اپنی وفات سے چند روز قبل حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کی کتاب ’’صحابہ کرامؓ اور اہل بیت کا مقام ومرتبہ‘‘ چھپوا کر اپنی ایمانی غیرت وحمیت کا ثبوت دیا، مرض الوفات میں ہر عیادت کرنے والے کو اس کی تلقین کرتے۔

وہ عظیم باپ کے عظیم فرزند اور ان کے سچے جانشین تھے، اپنے والد کے دعوتی مراکز کو انہوں نے محور حیات بنالیا تھا، جابجا ان علاقوں کا دورہ کرتے، وہاں کی پسماندگی وناخواندگی دور کرنے میں کوشاں رہتے، مدارس ومکاتب کے قیام کا بندو بست کرتے جس سے علاقے میں بڑا کام ہوا دینی رجحان پیدا ہوا، اپنے والد کے انتقال کے بعد شہر رائے بریلی میں انہوں نے ’’مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی‘‘ قائم کی جس سے علاقے والے بہرہ ور ہوئے، شہر کے دانشور اور اہل علم طبقہ کو مولانا نے اس سے جوڑ دیا جس سے خوب ترقی ہوئی، اس کے تحت بے شمار چلنے والے ادارے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں، معززین شہر آپ کو ’’میاں‘‘ کہتے، تکیہ آمد پر صبح ناشتے میں دوست واحباب جمع ہوتے، پرتکلف وپروقار محفلیں ہوتیں، آپ کے تعلقات بڑے وسیع تھے، خاندانی تعلقات کو نبھانے والے تھے، سارے اعزہ آپ کا بڑا اکرام کرتے، آپ سے مشورے کرتے تھے۔

ہم بھائی بہنوں کا بہت خیال رکھنے والے تھے، تکیہ کے قیام کے دوران جب ماموں جان تکیہ آتے، راقم انہیں کے اردگرد گھومتا رہتا، آپ کی دل آویز شخصیت نے ایسا اثر ڈالا جو ہمیشہ قائم رہا، آپ کے جانے سے ہمارے گھر کی رونق چلی گئی، سرپرستی ختم ہوگئی، گویا دوبارہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، آپ کے انتقال سے ناقابل تلافی صدمہ پہنچا، وہ صدمہ آپ کے اہل وعیال کے لیے کیسا صبر آزما ہوگا، اللہ تعالیٰ آپ کے اہل وعیال کو صبر جمیل عطا فرمائے، آپ کو غریق رحمت کرے، آمین۔

ooo

وہ عظیم باپ کے عظیم فرزند اور ان کے سچے جانشین تھے، اپنے والد کے دعوتی مراکز کو انہوں نے محور حیات بنالیا تھا، جابجا ان علاقوں کا دورہ کرتے، وہاں کی پسماندگی وناخواندگی دور کرنے میں کوشاں رہتے، مدارس ومکاتب کے قیام کا بندو بست کرتے جس سے علاقے میں بڑا کام ہوا دینی رجحان پیدا ہوا، اپنے والد کے انتقال کے بعد شہر رائے بریلی میں انہوں نے ’’مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی‘‘ قائم کی جس سے علاقے والے بہرہ ور ہوئے، شہر کے دانشور اور اہل علم طبقہ کو مولانا نے اس سے جوڑ دیا جس سے خوب ترقی ہوئی، اس کے تحت بے شمار چلنے والے ادارے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں، معززین شہر آپ کو ’’میاں‘‘ کہتے، تکیہ آمد پر صبح ناشتے میں دوست واحباب جمع ہوتے، پرتکلف وپروقار محفلیں ہوتیں، آپ کے تعلقات بڑے وسیع تھے، خاندانی تعلقات کو نبھانے والے تھے، سارے اعزہ آپ کا بڑا اکرام کرتے، آپ سے مشورے کرتے تھے۔

مولانا محمد اصطفاء الحسن ندوی کاندھلوی
• استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ •

اچھے ماموں - کچھ ان کہی باتیں......

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ جنہیں ہم گھر میں ''اچھے ماموں'' کے نام سے پکارتے تھے، دار فنا سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے، اور اپنی باتوں اور یادوں کے انمٹ نقوش ہمارے ذہنوں پر اور ہمارے دلوں میں ثبت کر گئے۔ ان کی وفات سے جہاں ندوۃ العلماء نے اپنے ہونہار فرزند کو کھویا، وہیں امت مسلمہ نے ایک باوقار عالم دین کو، اور اہل خاندان ایک ہردل عزیز شخصیت سے محروم ہو گئے۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی نے دو دہائیوں سے کچھ زیادہ ہی زمانہ ندوہ میں نظارت عامہ کے عہدہ پر گذارا، اور اپنی فطری صلاحیتوں اور اوصاف کو بروئے کار لا کر اس عہدہ کو نبھایا اور ایک درخشاں مثال قائم کی۔

ندوہ میں نظارت عامہ سے اوپر صرف نظامت کا عہدہ ہے، اور باقی عہدے ان دونوں کے ماتحت ہیں، جن پر اہم اور سینئر شخصیات فائز ہیں، جو اپنے علمی کام اور دینی مقام میں کسی سے کم نہیں ہیں۔ مولانا علیہ الرحمۃ کا انتخاب نظارت عامہ کے عہدہ کے لئے خاص کر ان کی انتظامی صلاحیت کی وجہ سے ہوا جو اس عہدہ کے لئے بنیادی ضرورت کی چیز ہے۔ مولاناؒ نے اپنے اخلاف کو بتلایا کہ اونچے منصب پر رہتے ہوئے کس طرح بڑوں کا پاس ولحاظ رکھا جا سکتا ہے۔

وہ ندوہ میں نظارت عامہ کے علاوہ آخر میں نیابتِ نظامت کے منصب پر بھی رہے اور ندوہ سے باہر بھی مختلف اداروں کی سرپرستی کے علاوہ یوپی وقف بورڈ میں بھی اعزازی منصب پر فائز رہے۔ ایک بڑے عہدیدار کی حیثیت سے ان کی جو خصوصیات سامنے آئیں، ان میں اک نمایاں خصوصیت یہ بھی رہی کہ انہوں نے نظام کی اصلاح یا انتظامی کارروائی میں کسی کی آبرو پر اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ آنچ نہ آئے، اور اس سے بھی بڑھ کر اس کی عزت نفس کا بھی خیال رکھا کہ ٹھیس نہ پہنچے۔ ان سے کوئی ایسا کام کرانا جس میں انفعالی طور پر کسی کی حق تلفی ہوتی ہو، یا اصول وضوابط اور قوانین ادارہ کے خلاف ہو، مشکل ہی نہیں، ناممکن تھا۔ وہ خویشوں کی سفارش قبول کرنے میں بڑی احتیاط برتتے؛ بلکہ عام طور پر اہل خاندان سے سفارش کرانا نقصان ہی کا باعث ہوتا تھا، شاید وہ اقرباء پروری کے الزام سے بہت دور رہنا چاہتے تھے۔ ان کا گویا اصول یہی تھا کہ اس وقت تک کوئی فیصلہ نہ لیں یا کارروائی نہ کریں جب تک کہ اس سے متعلق قانون اور ضابطہ کے حوالہ سے مطمئن نہ ہوں، اور اس کے مثبت اثرات ان کے سامنے واضح نہ ہوں۔ اسی وجہ سے ہر معاملہ میں ان کے یہاں غور اور تدبر بہت ہوتا تھا، اور وہ فیصلہ لینے اور کارروائی کرنے کے لئے پورا وقت لیتے تھے۔

ایک عام تاثر ان کے بارہ میں یہ ہے کہ وہ کم گو اور خاموش مزاج تھے۔ دراصل ان کی شخصیت کے کئی پہلو تھے؛ گھر میں اہل خانہ اور اعزہ واقارب کے ساتھ الگ رنگ میں، دفتر اور انتظامی امور میں دوسرا رنگ، اور خلوت گاہ میں بالکل الگ رنگ۔ جب وہ ندوہ کی نظارت عامہ کی کرسی پر ہوتے یا وقف بورڈ میں اپنے آفس میں یا مکتبہ اسلام میں اپنی مخصوص مسند پر یا ہر وہ جگہ جہاں 'محرم' نہ ہوں تو ان کے چہرہ پر متانت اور گہری سنجیدگی ہوتی، آنکھیں غور وفکر میں ڈوبی معلوم ہوتیں، اور بے ضرورت زبان سے کوئی جملہ ادا نہیں ہوتا، اور ایسا رویہ ہوتا کہ کوئی غیر سنجیدہ بات کرنے کی جرأت نہ کرتا سوائے خاص خاص لوگوں کے کہ انہیں کو ان مقامات پر بے تکلفی کی جسارت

ہوتی۔ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے کام اور ذمہ داریوں کو پوری دیانت داری سے ادا کرنے کے لئے یہ رنگ اختیار کرتے۔

لیکن اہلِ خانہ اور خویش جانتے ہیں کہ ان کی شخصیت کا ایک دوسرا رنگ بھی تھا، اور یہ اس وقت ظاہر ہوتا جب وہ اہلِ خانہ، اعزہ و اقارب اور بے تکلف دوستوں کی محفل میں ہوتے۔ ایسے مواقع پر ان کی رگ ظرافت پھڑک اٹھتی، اور وہ محفل زعفران زار ہوجاتی۔ ایسی ایسی بذلہ سنجیاں اور نکتہ آفرینیاں ہوتیں کہ جب تک محفل رہتی لوگ محظوظ ہوتے رہتے۔ بڑے تو بڑے بچے بھی ان سے مانوس تھے، اور وہ ان سے ان کی سطح کے ہنسی مذاق کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ خاندان میں وہ کسی کے بھی گھر آجائیں تو وہاں بہار آجاتی۔ کشاں کشاں سب کے سب انہیں کے گرد آکر جمع ہوجاتے۔ ہمارے یہاں (دولت کدہ سید طاہر حسنی) کچا حاطہ میں جب تک صحت ذرا معمول پر رہی' ہفتہ میں ایک دو بار ضرور تشریف لاتے، اور اگر کبھی مصروفیت کی وجہ سے اس میں تخلف ہوتا تو گھر کی خواتین شکوہ کرتیں کہ: اچھے ماموں! آپ اتنے دنوں سے آئے نہیں، اور ان کی ضیافت میں دسترخوان زیادہ سے زیادہ سجانے کی کوشش کرتیں، اور وہ بھی دل کھول کر ان کے اس جذبہ کی تعریف کرتے اور سراہتے۔

راقم سطور جب 'تعمیرِ حیات' سے منسلک ہوا تو ان سے بہت کچھ استفادہ کا موقع ملا۔ تعمیرِ حیات جوان کی نگرانی میں نکلتا تھا اس کی وہ پوری خبر گیری رکھتے تھے۔ جب تک صحت نے اجازت دی کوئی شمارہ بغیر ان کی نگاہ سے گذرے پریس نہیں جاتا تھا، بہت مصروفیت ہوتی تب بھی وہ اک عابرانہ نظر پرچہ پر ضرور ڈالتے تھے، لیکن اس عابرانہ نظر سے کوئی چھوٹی بڑی چوک بچ نہیں پاتی تھی۔ ماشاءاللہ غضب کی نگاہ تھی۔ اردو زبان پر ان کو دسترس حاصل تھی؛ لکھنؤ کے پروردہ تھے اور سونے پہ سہاگہ حسنی خانوادے کے فرزند، اور پھر اردو لٹریچر قدیم و جدید کا وسیع مطالعہ۔ ان سب عوامل نے ان کو اردو کا ذوق رفیع عطا کیا تھا۔ تعمیرِ حیات کے اسلوب و زبان کے سلسلہ میں وہ اک الگ ہی سوچ رکھتے تھے؛ فکر و نظر خواہ کتنی بلند ہو، اور تحقیق و مطالعہ خواہ کتنا معیاری' ان کا کہنا تھا کہ زبان عام فہم سادہ ہو مگر ادبی چاشنی لیے ہوئے، اور اسلوب تنقیدی نہیں اصلاحی ہو، منفی نہیں مثبت ہو۔ اور یہ نگار خانۂ شاہ علم اللّٰہی کا خاص مزاج و اسلوب ہے کہ مثبت بات کہی جائے، اور اس طرح کہی جائے کہ نتیجہ مثبت ہی آئے۔ اگر نتیجہ مثبت نہ آنے کا خیال ہو تو رائے کو محفوظ کرلیا جائے۔ آج کے اس پُر آشوب دور میں جب کہ امت ہر سطح پر اختلاف و انتشار کا شکار ہے، اور ضبط و تحمل کا دامن امت کے ہاتھ سے چھوٹتا جا رہا ہے' اصلاحی انقلاب لانے اور امت میں وحدت پیدا کرنے کے لئے یہ نظریہ کتنا اہم، مفید اور کارگر ہے' سنجیدہ لوگ ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

بات چل رہی تھی 'تعمیرِ حیات' کی۔

ہمیں پروف ریڈنگ کا سلیقہ اور ذوق بہت کچھ ان سے ملا۔ سبھی قارئین جانتے ہیں کہ تعمیرِ حیات کا صفحہ تین کالم کا ہوتا ہے، جو کہ صحافت کا اسلوب ہے؛ لیکن اس بات کا ادراک بہت کم لوگ رکھتے ہوں گے کہ کئی کالموں والے صفحہ میں تحریری مواد کو سیٹ کرنا بڑا وقت طلب کام ہے؛ سطریں چھوٹی ہوتی ہیں اور الفاظ درست طریقہ سے فٹ نہیں ہو پاتے، اور ادھر اُدھر بھاگتے ہیں، اگر ان کو ژرف نگہی اور باریک بینی سے سیٹ نہ کیا جائے تو قاری کو مطالعہ میں پریشانی ہوتی ہے، اور قراءت کا تسلسل متاثر ہوتا ہے۔ ان کی تربیت سے جو ذوق ملا اس سے یہ سمجھ میں آیا کہ حرف عطف 'واؤ' کبھی سطر کے شروع میں نہیں ہونا چاہئے؛ کیونکہ عربی زبان کے برخلاف اردو میں اور فارسی میں بھی حرف عطف 'واؤ' معطوف کے ساتھ ملا کر پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح اعلام مرکبہ جیسے: 'ابوالحسن' 'نورالعین' وغیرہ، ایک ہی سطر میں مکمل ہونے چاہئیں، اور ہمزۂ اضافت اور اضافت میں مضاف کے 'زیر' کا اہتمام ہونا چاہئے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اس لئے کہ قاری کو کہیں بھی پیچھے جاکر عبارت کو درست کرنے یا 'سکتہ' کرنے پر مجبور نہ ہونا پڑے۔

ایک زمانہ میں اچھے ماموں دن کا

ایک بڑا حصہ مکتبۂ اسلام، گوئن روڈ کے قریب ماہنامہ 'رضوان' کے دفتر میں گذرتا تھا۔ ندوہ سے سیدھے وہیں جاتے تھے۔ ایک طرح سے یہ ان کی خلوت گاہ تھی۔ وہاں کسی کا آنا جانا وہ زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔ کبھی کسی تقاضہ سے وہاں ملاقات کے لئے جانا ہوا تو ہمیشہ دیکھا کہ یا تو مطالعہ کر رہے ہیں، یا تصنیف وتالیف، یا پھر معمول کے اوراد و وظائف اور تلاوت میں مشغول ہیں۔ یہاں پر ان کی شخصیت کا تیسرا رنگ ظاہر ہوتا تھا؛ ہم خوردوں کو تو ان سے بات کرنے کے لئے کافی انتظار کرنا پڑتا تھا، رعب اتنا ہوتا کہ بس دبی آواز میں سلام کرکے خاموش بیٹھنے میں ہی عافیت نظر آتی۔ کافی انتظار کے بعد وہ اپنی مصروفیت سے چند لمحے نکالتے، اشارہ سے پوچھتے کہ کیا بات ہے؟ ایک دو جملہ میں جواب دے کر ایسے ہو جاتے کہ ہمیں جاتے ہی بنتی۔

یہ اچھے ماموں کی بڑی خوبی تھی کہ حسب موقع اپنی شخصیت کو ڈھال لیتے تھے، اور حسب حال رائے قائم کرتے تھے۔

اللهم اجزه عنا بما انت اهله، واغفر له و ارحمه، و عافه و اعف عنه، و اكرم نزله ووسع مدخله، و غسله بالماء و الثلج و البردن و نقّه من الذنوب و الخطايا، كما ينقي الثوب الابيض من الدنس۔

○○○

اس زمانہ کا فتنہ اور چیلنج کیا ہے؟ اس زمانہ کا چیلنج یہ ہے کہ اسلام کو اس کی جداگانہ تہذیب اس کی مخصوص معاشرت، اس کے عائلی قانون، اس کے نظام قانون، اس کے نظام تعلیم، اس کے زبان وادب اور رسم الخط اور اس کے پورے ورثہ سے الگ کر دیا جائے، اور اسلام چند عبادات اور چند رسوم تقریبات کا مجموعہ بن کر رہ جائے، میں نہیں جانتا کہ کل کیا ہو، لیکن پھر بھی اندازہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں سے کہا جائے کہ آپ کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں، آپ روزہ نہیں رکھ سکتے، آپ زکوٰۃ نہیں دے سکتے، یہ مرحلہ تو آ گیا ہے کہ مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ مسلمان اپنی رضا ورغبت سے اپنی جداگانہ تہذیب اور ہر اس چیز سے بے تعلقی اختیار کرلیں جو ان میں ایک الگ ملت اور ایک مستقل تہذیب کا وارث ہونے کا احساس پیدا کرتی ہے وہ خود ہی اعلان کر دیں کہ ہم کسی جداگانہ تہذیب کے حامل نہیں۔ وہ خود اپنے عائلی قانون میں اصلاح وترمیم کا مطالبہ کریں اپنے تمام تعلیمی مرکزوں کو جو انہوں نے اپنی پسند وضرورت کے لئے قائم کئے تھے حکومت کی تحویل وانتظام میں دے دیں۔ آج صاف صاف کہا جا رہا ہے کہ اگر مسلمانوں کو اس ملک میں رہنا ہے تو ان کو قومی دھارے میں بہنا چاہئے۔ آج نسل کشی کا خطرہ نہیں ہے خطرہ ارتداد کا ہے۔ ذہنی وتہذیبی ارتداد کا اس خطرہ کو دیکھنے اور محسوس کرنے کے لئے کسی بڑی فراست اور دور بینی کی ضرورت نہیں یہ تو دیوار کا نوشتہ ہے جس کو ہر ایک پڑھ سکتا ہے۔

آپ ان اسلاف کے نام لیوا ہیں جنہوں نے دین میں ادنیٰ تحریف اور مسلمانوں کے ادنیٰ انحراف کو برداشت نہیں کیا، آج معاملہ شرک جلی اور بت پرستی کا ہے، برہمنی تہذیب اور ہندو معاشرت قبول کرنے کا ہے، ایک ایسی قوم کی حیثیت قبول کرنے کا ہے جس کی ساری وفاداریاں اس خاک سے وابستہ ہوں جس سے ہمارے ظاہری جسم کا خمیر اٹھا ہے اسی کے لئے جینا اور مرنا ہے، آج کا چیلنج، آج کا خطرہ پچھلے تمام خطروں سے زیادہ سنگین ہے اور اس کے مقابلہ کے لئے کہیں زیادہ جرأت اور ایمان واستقامت کی ضرورت ہے۔

آپ اپنے اندر اتنی پختگی سلامت فکر، اتنی دینی خودداری اور خود شناسی پیدا کریں کہ کوئی آپ سے آپ کے ضمیر عقیدہ اور دینی حمیت کا سودا کرنے کا خواب بھی نہ دیکھ سکے، اور خدا سے توفیق مانگئے کہ جس طرح آپ کے اسلاف کرام نے اپنے زمانہ کی بدعات و تحریفات، فتنوں اور گمراہیوں کو قبول نہیں کیا۔ آپ اس وقت کی بدعات وتحریفات اور اس دور کے فتنوں گمراہیوں کو قبول نہ کریں۔

(جناب مولانا سید حمزہ حسنی ندویؒ)

قدیم وجدید کتب کے مرکز کا نام مکتبہ اسلام

شائقین کتب اور تشنگان علم کے لیے گھر بیٹھے کتاب حاصل کرنے اور مطالعہ کا بہترین موقع

تفسیر قرآن، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، فقہ، سیر وسوانح، تاریخ، ادب وقرآنی قصوں پر مشتمل اہم کتب اور بچوں وبچیوں کی تربیتی وادبی اور من پسند اخلاقی واصلاحی کہانیاں، اور ان موضوعات کے علاوہ کسی بھی موضوع پر اپنی پسندیدہ کتاب گھر بیٹھے آن لائن وآف لائن آرڈر کرکے حاصل کرسکتے ہیں۔ آپ کی ہر کتابی ضرورت کو پورا کرنے والا آپ کا اپنا پسندیدہ مقام مکتبہ اسلام

رابطہ قائم کریں:

مکتبہ اسلام

روؤف مارکیٹ 177/41 گوئن روڈ، امین آباد لکھنؤ
پن کوڈ: 226018

Contact :

MAKTABA-E-ISLAM

177/41 Rauf Market, Gwynne Road, Aminabad
Lucknow - 226018
Mobile No. :+919453949221
Email : maktabaeislam@gmail.com

مولانا عمیر حسینی ندوی
استاد مدرسہ مظہر الاسلام بلوچ پورہ، لکھنؤ

اچھے ماموں

مولانا حمزہ حسنی صاحب نور اللہ مرقدہ ہمارے ماموں لگتے تھے اور ان کو ہم لوگ یعنی جناب سید ابوطاہر حسینی کی اولاد اچھے ماموں کہتے تھے وہ ایک متقی، پرہیزگار اور بااخلاق وباغ وبہار شخصیت کے حامل تھے ہماری نسل کے اعزا واقارب کو خاص طور پر ان سے تعلق تھا ان میں ان کی ہمشیرہ مرحومہ اہلیہ جناب سید حسن حسنی صاحب مرحوم کی اولاد کے ساتھ ہم بہن بھائی بھی ان سے کافی قریب تھے۔

ہم لوگوں کی قریبی رشتہ داری کی وجہ سے آپ کا اکثر آنا جانا تھا گھر کے بھی افراد آپ کا بہت خیال رکھتے تھے لیکن میری سب سے چھوٹی بہن سے بہت مانوس تھے اسکو خاطر دار بی بی کے نام سے پکارتے تھے۔

ہم لوگوں کے دوست پورے خاندان سے یکساں تعلق رکھنے والے رائے بریلی کے جناب اکرم بھائی ایک دن کہنے لگے میں سب زیادہ آپ لوگوں کے خاندان میں مولانا حمزہ حسنی صاحب سے متاثر ہوں ہم نے وجہ پوچھی تو بتانے لگے میں ہمیشہ مولانا کو دیکھتا ہوں کہ شہر پیدل جاتے ہیں میں نے یہ واقعہ اچھے ماموں کو سنایا تو اچھے ماموں نے کہا کہ لوگ کسی بھی بات سے متاثر ہو سکتے ہیں اور اس کی مثال دی کہ ہم ندوہ کے آفس میں تھے چھٹی ہوئی ہم اٹھے اور کھڑکی بند کردی تو لوگ اسی سے متاثر ہوگئے۔

اکثر اچھے ماموں کے ساتھ شادیوں میں جانا ہوتا تھا شادی میں جانے کا معیار یہ تھا کی جو ندوہ سے بہت تعلق رکھتا یا پھر پرانے تعلقات والا ہوتا یا غریب ہوتا تو اسکے یہاں ضرور جاتے بڑی بڑی شادیوں میں آپ کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا تو موٹر سائکل سے جانا ہوتا لوٹتے میں بڑے بڑے بیٹھ اپنی گاڑی پیش کرتے کہ آپ کو چھوڑ آئیں لیکن ان کے ساتھ نہ جاتے یہ کہتے کہ ہم عمیر کے ساتھ آئے ہیں اور ہمارے ہی ساتھ موٹر سائکل سے واپس ہوتے ہم کو بڑی شرمندگی ہوتی، ایک دن ہم نے اسکا اظہار بھی کیا آپ ہمارے ساتھ موٹر سائکل سے جاتے ہیں تو آپ نے کہا کہ ہمارے پاس تو موٹر سائکل بھی نہیں ہے ہماری بڑی خواہش تھی ہم کار لے لیں تاکہ یہ پریشانی دور ہوجائے کار تو اللہ نے دلوادی لیکن اچھے ماموں کے علالت کا سلسلہ شروع ہوگیا اور ہماری خواہش پوری نہ ہوسکی کہ آپ ہماری گاڑی پہ بیٹھیں اور اللہ نے آپ کو بلالیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جب مرض بڑھتا گیا تو ایک دن مجھ کو ICU میں بلوا بھیجا اور فرمانے لگے ہم لوگوں کا اتنا ساتھ رہا ہے کوئی بات بری لگی ہوئی تو معاف کرنا ہم نے کہا آپ تو سرتاپا محبت وشفقت ہیں آپ کی کوئی بات بری لگنے کا تو سوال ہی نہیں بلکہ ہم کو معاف کردیں۔

گھر میں آپ کا رویہ بہت اچھا تھا ہم لوگوں میں گھل مل جاتے تقریبا روز آپ سے ملاقات رہتی خاص کر جمعہ سے قبل خاندان کے سب بچے جمع ہوتے خوب سب سے ہنسی مزاق کرتے لیکن رعب کا یہ عالم تھا کئی دفعہ ندوہ آفس میں ملاقات کرنے گئے تو بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، نئے تعلقات بالکل نہیں بناتے تھے پرانے تعلقات بہت زیادہ نبھاتے تھے ان کے خاص تعلق داروں میں قابل ذکر نام

جناب وسیم فاروقی مرحوم کا تھا ان کے یہاں ہفتہ میں ایک دن ملاقات کے لئے ضرور جاتے جناب جمال خان صاحب اور جناب عرفان صاحب کلن کی لاٹ کے یہاں بھی تقریباً روز ملاقات کو جاتے شہر لکھنؤ کے مشہور جنرل فزیشین جناب ڈاکٹر شوکت تیاگی صاحب اور معروف ایڈوکیٹ جناب سید حسین صاحب سے بھی بہت زیادہ تعلق رکھتے تھے، جناب ڈاکٹر شوکت تیاگی صاحب سے تو ان کے انتقال کے بعد سے جب بھی ملنا ہوتا ہے یہی کہتے مولانا کے بعد اب ندوہ جانے کا دل ہی نہیں چاہتا ہے، یہ عجیب بات کہ جو لوگ ان سے تعلق رکھتے تھے وہ اچھے ماموں کے گرویدہ تھے، دوسری بات یہ کہ ان سے بے تکلفی اور خاص تعلق بھی سطحی گفتگو کی اجازت نہیں دیتا تھا وہ خود بھی سلیم اللسان تھے اور ان کی مجلسیں بھی یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی سے پاک ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے خواہ ندوہ کی سطح پر ہو یا خاندانی سطح پر، نہ پر ہوا ہے نا پر ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین

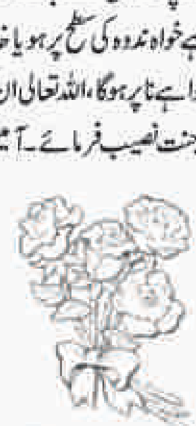

ہماری ماؤں اور بہنوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ان کی عادتوں اور خصلتوں اور طرز زندگی اور گفتگو کے اثرات لازمی طور پر بچوں کے معصوم دل و دماغ میں پرورش پاتے ہیں اور دھیرے دھیرے ان میں پختگی آتی جاتی ہے۔ اگر مائیں اور بہنیں خود نیک ہوں گی اور ان کی نگاہ اور دل پاک ہوں گے، ان کی زندگی صاف ستھری ہوگی اور ان کے اعمال اچھے ہوں گے تو یقیناً بچے بھی ایسے ہی پاک وصاف اور اچھے ہوں گے اور وہ قوم و دولت کا سرمایہ ہوں گے۔ ان ہی اچھی ماؤں نے بڑے بڑے علماء اسلام کے سپاہی اور ملت اسلامیہ کے لیے قابل فخر فرزند دیئے۔ جن سے اسلام کی دینی علمی تاریخ آج تک روشن ہے اور ان میں سے ہر ایک کی حیثیت منارۂ نور کی ہے۔ اور ان ممتاز افراد کی فہرست اگر بنائی جائے تو قلم کی روشنائی خشک ہو جائے گی اور سب نام تحریر میں نہ آسکیں گے۔ یہ سلسلہ صدیوں تک چلا اور جب تک اسلام کے اصولوں پر ہماری مائیں چلتی رہیں ایسے روشن ستارے پیدا ہوتے رہے لیکن جب سے اسلامی تہذیب کی جگہ مغربی تہذیب نے لی اور بداخلاقی، بے حیائی کا طوفان وہ اپنے ساتھ لائی فحش لٹریچر، عریاں کتابیں ناول اور افسانے گھروں میں داخل ہوئے تو انہوں نے قلب و دماغ کی معطر دنیا کو الٹ کر رکھ دیا اور دین کے بجائے بے دینی، حیا کے بجائے بے حیائی اور بے شرمی، اللہ کے ذکر کے بجائے دنیا کی فکر، ایمانداری کے بجائے بے ایمانی اور حرص و ہوس نے ڈیرے ڈال دیئے۔ آج حالت یہ ہے کہ صبح کے وقت مسلمان محلوں سے گزرے تو جہاں پہلے گھر گھر سے تلاوت قرآن مجید کی آواز آتی تھی وہاں فلمی گانوں کی صدائیں آتی ہیں۔ اور جہاں ذکر رسولؐ ہوتا تھا وہاں اب ہر وقت دولت کی باتیں ہوتی ہیں۔ اس کے بعد بھی ہم اپنی اصلاح فکر کرنے کے بجائے اللہ کی رحمت نہ آنے کا شکوہ کرتے رہتے ہیں۔ خدا کے لئے اللہ کی طرف لوٹو اور شیطان سے منھ موڑو۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

مولانا عبدالباری فاروقی، استاد دارالمبلغین لکھنؤ

مولانا حمزہ حسنی علیہ الرحمۃ شخصیت کے مختلف پہلو!

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور و معروف علمی خانوادہ کے عظیم فرد تھے، اپنے بزرگوں کی علمی امانتوں کے بے حد لائق وارث و امین اور صاحب نسبت ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ صلاحیتوں کی وجہ سے عصر حاضر کی ممتاز شخصیات میں نمایاں مقام رکھتے تھے، ان کی رحلت نہ صرف اہل خاندان کے لئے افسوس ناک ہے بلکہ ندوۃ العلماء اور اس سے متعلق افراد کے لئے بڑا حادثہ ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔

مولانا کی شخصیت نہایت دل آویز تھی، کم گوئی، خوش مزاجی، سادگی، تواضع، قناعت پسندی اور خشیت و معرفت آپ کے نمایاں اوصاف تھے، اپنی دور اندیشی، معاملہ فہمی، سیاسی شعور اور اصابت رائے کی بناء پر مختلف حلقوں کے ممتاز افراد کے لئے مرجع تھے، مولانا کی دینی، ملی، سیاسی، سماجی اور ثقافتی سرگرمیاں بہت وسیع تھیں، علمی مزاج اور کثرت معلومات کے ساتھ ساتھ تجارت اور نظم و انتظام میں اپنی مثال آپ تھے۔

مرحوم کو علم و معرفت اور تقوی و طہارت کے ماحول میں اپنے والد گرامی حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی تربیت حاصل ہوئی اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی علیہ الرحمۃ کی خصوصی توجہات اور شفقت وعنایت کے سایہ میں زندگی کے بہترین لمحات گزارے، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعائیں اور حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کا اعتماد اور ان کے مشورے آپ کی ربانی زندگی کے لئے بہت مفید ثابت ہوئے، آپ کی زاہدانہ طرز زندگی کو دیکھ کر قطب وقت حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و مجاز صوفی انعام اللہ صاحب علیہ الرحمۃ نے آپ کو اجازت و خلافت دی، عمر کے آخری سالوں میں مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے بھی آپ کو خلافت حاصل ہوئی، کئی علاقے اور بستیاں جہاں جہالت اور دین بیزاری تھی مولانا کی غیر معمولی توجہات اور فکر مندی کے نتیجہ میں وہاں دینی ماحول پیدا ہوا اور مدارس و مکاتب کے نظام سے عقائد میں پختگی آئی۔

مولانا مرحوم بڑوں کے معتمد اور چھوٹوں کے لئے نمونہ تھے، ان کی ابتدائی زندگی سیاست و تجارت اور سماجی سرگرمیوں میں گزری اور ہر محاذ پر نمایاں مقام حاصل کیا، جب تک سیاست میں رہے پوری قوت کے ساتھ ظلم کے خلاف انصاف کے علم بردار رہے، اپنی شعلہ بیانی اور خطابت سے لوگوں کے دلوں کو جیتا، ایمانداری اور وقار کے ساتھ ملک اور خاص طور پر ملت اسلامیہ کی ترقی کے لئے کام کرتے رہے، یہ وہ زمانہ تھا جب مرحوم مسلم مجلس کے سکریٹری کے عہدہ پر فائز تھے۔

جب تجارت کے میدان میں قدم رکھا تو وہاں بھی اپنے پائدار نقوش چھوڑے، ایک عرصہ تک ”ڈان انک“ کے نام سے روشنائی کی صنعت وتجارت میں مصروف رہے پھر پورے طور پر ”مکتبہ اسلام“ کی طرف متوجہ ہو گئے اور تجارتی دنیا میں نام پیدا کیا، ”الحسن ایکسپورٹ“ کے نام سے بین الاقوامی سطح کی کمپنی قائم کی لیکن اپنی دیگر علمی مشغولیات کے سبب بعد میں یہ سلسلہ بند کر دیا۔

مولانا کی ملی وسماجی خدمات کی فہرست بہت طویل ہے، حضرت مفکر اسلام علیہ الرحمۃ کی حیات میں جب شاہ بانو کا مسئلہ اٹھا تو مولانا نے اس میں پوری دلچسپی لی اور رائے بریلی میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کیا جو نہایت کامیاب رہا، آج بھی لوگ اس کی مثال دیتے ہیں، اسی طرح رابطہ ادب اسلامی کا سیمینار منعقد کیا جس میں عالم اسلام کی مقتدر شخصیات کو دعوت دی گئی، ان کی بہترین ضیافت کے ساتھ ساتھ پروگرام کی عمدہ ترتیب مرحوم کی محنتوں کا نتیجہ تھی۔

اس کے علاوہ آپ نے مختلف علاقوں میں بچوں، بچیوں کے لئے معیاری تعلیم گاہیں تیار کیں، مدارس ومکاتب اور مساجد کی تعمیر وترقی کے لئے سرگرداں رہے، رائے بریلی کے وسط میں واقع عالیشان مسافر خانہ ''ایوان فریدی'' بھی انہی کی یادگار ہے، مولانا نے زندگی کا بڑا حصہ رفاہی کاموں میں لگایا اور بہترین خدمات انجام دیں۔

مولانا کی زندگی کا دوسرا دور وہ ہے جو انھوں نے ندوۃ العلماء کے نام وقف کردیا، مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی علیہ الرحمۃ مولانا کی صلاحیتوں سے واقف تھے جب ان کو بحیثیت ناظر عام ''ندوہ'' آنے کی پیشکش کی اور اس کے عوض تنخواہ مقرر کی تو انھوں نے شکریہ کے ساتھ تنخواہ لینے سے معذرت کرلی اور اپنے لیے سعادت سمجھتے ہوئے یہ ذمہ داری قبول فرمائی، آپ کے آنے کے بعد ندوہ کو مالی اعتبار سے بڑی تقویت حاصل ہوئی اور تعمیراتی کام بھی بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھے، ندوہ کی وسیع وعریض مسجد ہو یا ڈاکٹر عبد العلی اسپتال، رواق ابوالحسن، رواق مونگیری ہو یا سلیمانیہ ہاسٹل، جدید درس گاہ ہو یا اسٹاف کوارٹر سب اسی دور کی یادگار ہیں۔

مولانا مرحوم بڑوں کے معتمد اور چھوٹوں کے لئے نمونہ تھے، ان کی ابتدائی زندگی سیاست وتجارت اور سماجی سرگرمیوں میں گزری اور ہر محاذ پر نمایاں مقام حاصل کیا، جب تک سیاست میں رہے پوری قوت کے ساتھ ظلم کے خلاف انصاف کے علم بردار رہے، اپنی شعلہ بیانی اور خطابت سے لوگوں کے دلوں کو جیتا، ایمانداری اور وقار کے ساتھ ملک اور خاص طور پر ملت اسلامیہ کی ترقی کے لئے کام کرتے رہے، یہ وہ زمانہ تھا جب مرحوم مسلم مجلس کے سکریٹری کے عہدہ پر فائز تھے۔ جب تجارت کے میدان میں قدم رکھا تو وہاں بھی اپنے پائدار نقوش چھوڑے، ایک عرصہ تک ''ڈان انک'' کے نام سے روشنائی کی صنعت وتجارت میں مصروف رہے پھر پورے طور پر ''مکتبہ اسلام'' کی طرف متوجہ ہوگئے اور تجارتی دنیا میں نام پیدا کیا۔

۲۰۱۷ء میں مجلس نظامت نے ان کی ۱۷ سالہ خدمات کو دیکھتے ہوئے نیابت نظامت کا عہدہ بھی انھیں کے سپرد کردیا، ندوہ کی ذمہ داریاں بڑھیں تو انھوں نے اپنی ذاتی مصروفیات ترک کردیں اور ندوۃ العلماء کی ترقی اور اس کے تعلیمی نظام کو مستحکم بنانے کے لئے فکر مند ہوگئے، اس سلسلہ میں ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے ذمہ ایسا نصاب تیار کرنا تھا جو علم دین میں پختگی پیدا کرے اور عصری تقاضوں کو بھی پورا کرتا ہو۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک لمبے عرصے تک ''ماہنامہ رضوان'' کے مدیر رہے، ان کے اداریے بہت مفید اور مؤثر ہوتے تھے، انھوں نے ''رضوان'' کے بعض اہم خصوصی شمارے شائع کئے جو بے حد مقبول ہوئے اور اہل علم کے ہاں پذیرائی حاصل ہوئی، خاص طور پر ''خلفائے راشدین نمبر'' اور ''تذکرہ صحابیات نمبر'' عوام وخواص میں یکساں مقبول اور ثمر آور ثابت ہوئے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی علیہ الرحمۃ کے مکتوبات کی جمع ترتیب مولانا حمزہ صاحب کا عظیم کارنامہ ہے۔

رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃ الابرار وحشرہ مع عبادہ الصالحین. آمین

○○○

طارق شفیق ندوی

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ اس دنیا سے رخصت ہوکر کاروان رفتہ میں شامل ہوگئے، جس کی وجہ سے نہ جانے کتنے ادارے سنسان، کتنے میکدے ویران اور کتنے خم و ساغر بادۂ سرخوشی سے خالی ہوگئے، مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے۔ **ولا نقول الا ما یرضی بہ ربنا و انا علی فراقك لمحزونون:**

رہنے کو سدا دہر میں آتا نہیں کوئی
تم جیسے گئے ایسے بھی جاتا نہیں کوئی

نجیب الطرفین خانوادہ شاہ علم اللہؒ کے چشم و چراغ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی 15دسمبر1950ء میں پیدا ہوئے تھے، دعاومناجات کے شاعر، ترانہ ندوہ کے تخلیق کار، دینی تعلیمی کونسل اترپردیش کے رکن مجلس انتظامیہ مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 16فروری1982ء) کے اکلوتی فرزند تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ بی بی سیدہ خدیجہ (وفات2002ء) تھیں جو سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 7مئی1961ء) کی دختر نیک اختر تھیں۔

مولانا حمزہ حسنی اپنے والدین کی تمناؤں اور آرزوؤں کے مرکز تھے چنانچہ وہ نیک روحیں ہمیشہ اپنے وارث و جانشین کے لئے مستجیب الدعوات رب کائنات سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتی رہتی تھیں کہ:

یا رب دل حمزہ کو ایمان و یقین سے بھر عرفان محبت دے، مالک اسے اپنا کر
حمزہ ہے میرا لڑکا، میرا ہے جگر گوشہ دے صدق و صفا اس کو اور علم میں یکتا کر

علماء، صلحاء کے فیض یافتہ مولانا حمزہ حسنی ندوی ایک جہاں دیدہ شخصیت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 31دسمبر1999ء) اور ایک کریم و شفیق چچا، جاں سے زیادہ عزیز خسر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے تربیت یافتہ تھے۔ مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے بہت چہیتے تھے، ہمیشہ ان کو اپنے سے قریب رکھتے تھے، اپنی خصوصی نگہداشت اور مجرب حکمت عملی کے ساتھ ان کی صلاحیت وصالحیت کو نکھار رہے تھے، مستقبل کے واضح امکانات کے پیش نظر ان کے علم و عمل میں سنجیدگی، فکر و شعور میں بالیدگی پیدا فرمارہے تھے اور انتظامی لیاقت وقابلیت کو پروان چڑھا رہے تھے، آنکھوں سے ذرا دیر کے لئے بھی ان کا اوجھل ہونا گوارہ نہ تھا۔ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے سرور تھے، معتمد و مشیر تھے اور بے لوث رفیق کار اور محرم اسرار تھے، خلیفہ و مجاز تھے، ندوہ کے ناظر عام اور مجلس تحقیقات و نشریات کے سکریٹری تھے، جن کی وجہ سے مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی مختلف النوع افکار و احوال سے آزاد تھے یہی وجہ تھی کہ ان کے سانحہ وفات سے بہت متاثر ہوگئے اور پے در پے حادثات سے اس پیرانہ سالی اور ضعیف العمری میں بری طرح گھر گئے ہیں، ان ناگفتہ بہ حالات کی ترجمانی کرنے سے بندہ ناچیز عاجز وقاصر ہے:

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دیوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

سن1976ء میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی بڑی دختر سے مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا عقد ہوا تو فکر معاش کے لئے اپنے والد کے قائم کردہ دار الاشاعت مکتبہ اسلام کو اپنی دلچسپی کا محور بنالیا اور1982ء کے بعد لکھنؤ

سے نکلنے والا خواتین کا رسالہ ماہنامہ ''رضوان'' کی اشاعت و مقبولیت میں معتدبہ اضافہ کیا، ڈاکٹر محمد عبد الجلیل فریدی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 1974ء) کی سیاسی پارٹی مسلم مجلس (قیام 1968ء) کے پلیٹ فارم سے میدان سیاست میں بھی حصہ لیا، چونکہ خارزاروں سے گزر کر یہ ڈگر جاتی ہے، ان کی طبیعت سے میل نہیں کھائی اور بہت جلد اپنا قدم کھینچ لیا۔

1984ء میں مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی قائم کی اور اس کے تحت جامعہ ام المومنین عائشہ للبنات، مدرسہ سید احمد شہید لتحفیظ القرآن اور صفیہ بانو اسکول کی بنیاد رکھی، اس کے علاوہ ملی و تعلیمی، سماجی و رفاہی کاموں میں نمایاں دلچسپی لی اور دیگر تحریکات وتنظیمات کو بھی تقویت پہنچائی اس طرح ان کی زندگی کا مقصد دین کی سرفرازی قرار پائی اور ان کے والدین کی آہ سحر گاہی قبول ہوئی:

حمزہ ہے تیرا بندہ محتاج ترے در کا
تو اس پر کرم اپنا اے مالک و مولا کر

راقم الحروف 1993ء تک مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی سے کم کم واقف تھے، تین چار بار خانقاہ تکیہ رائے بریلی جانا بھی ہوا تو دل کسی طور ان کی طرف مائل نہ ہوا، ملاقات کا شرف حاصل کیے بغیر چلا آیا، لیکن جب آل انڈیا ملی کونسل مشرقی اترپردیش کا آرگنائزر بنا تو ملی وسماجی کاز کے لئے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا اور بڑھتا ہی گیا، متعدد جگہوں پر خاص کر مکتبہ اسلام امین آباد میں بار بار ملنا ہوا، اندازہ ہوا کہ یہ ایک عام، سادہ اور انتہائی کم آمیز انسان ہیں، دل اب بھی نہ کھینچا ان کی جانب، پر ان سے مشورہ لیتا رہا۔

1999ء میں مولانا محمد حمزہ حسنی کو ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی میں شامل کیا گیا اور سن 2000ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے معتمد تعلیم ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ناظر عام کے عہدے پر مقرر کیا۔ ان کو 2006ء میں ندوۃ العلماء کا ترجمان تعمیر حیات کا نگراں بھی مقرر کیا گیا، خوبیاں اجاگر ہونے لگیں، اب وہ ایک عام آدمی نہیں تھے، خاصان خاص تھے، ندوہ کی دھرتی کے آسمان تھے، اب ان کی ذات وشخصیت لکھنؤ کی چہار دیواری میں مقید اور ہندوستان تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ عالم اسلام کے مشہور و معروف ادارے کے فعال سربراہ تھے، بااختیار حاکم تھے، تمام حرکت وعمل کے لئے ان کی منظوری لازمی اور ضروری تھی، کامیابی آگے بڑھ بڑھ کر قدم چوم رہی تھی اور حسن کارکردگی اور عشق خلیل کو جلا مل رہی تھی، زندگی جہد مسلسل اور تگ وتاز سے عبارت ہو رہی تھی، ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی اسپتال، جدید درسگاہیں، مسجد کی تزئین وتوسیع، رواق ابوالحسن علی ندوی، اور رواق محمد علی مونگیری کی تعمیر ان کی محنت وجفاکشی، خود اعتمادی وثابت قدمی پر مہر ثبت کر رہی تھی اور ان کی زندگی قابل رشک بنتی جا رہی تھی۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی 2018ء میں ندوۃ العلماء کے نائب ناظم منتخب ہوئے تو انہوں نے اپنے سے قریب کیا وہ میرے والد مولانا شفیق الرحمٰن ندوی نور اللہ مرقدہ کے شاگرد تھے، جس کا بڑا پاس ولحاظ رکھتے اور برادرانہ تعلقات نبھاتے، اکثر دولت کدہ پر کھانے کی دعوت دیتے اور ہر بار میری طرف سے معذرت پر ناراضگی کا اظہار کرتے تھے۔ 2020ء آتے آتے قربتیں تقدیس میں بدل گئیں، مت پوچھئے وقت رخصت کا عالم:

میری آنکھوں میں آگئے آنسو
میں نے جب بھی کہا خدا حافظ

میں ندوہ ہر ماہ جاتا ہوں اور ہر بار مولانا محمد حمزہ حسنی صاحب سے ملتا ہوں، اس میں ان کی اپنی کشش اور استاذ گرامی مولانا عبد العزیز صاحب بھٹکلی ندوی حفظہ اللہ کی تاکید کا بڑا دخل تھا۔ مارچ 2021ء میں ناچیز ندوہ میں داخل ہو رہا تھا اور مولانا حمزہ حسنی گاڑی سے کہیں باہر تشریف لے جا رہے تھے، مجھ پر نظر پڑی تو گاڑی سے اتر پڑے، مجھے شرمندگی ہوئی، میں نے کہا یہ آپ نے کیا کیا! واللہ ظلم ہے، سینے سے

لگالیا اور فرمایا استاذ زادے! دیکھو! میں ایک ضروری کام سے شہر جارہا ہوں، جلد لوٹوں گا، مجھ سے ملے بغیر واپسی کا پروگرام مت بنانا، کچھ باتیں کرنی ہیں۔ حکم بجالایا اور والد مرحوم کے مضامین کا مجموعہ "متاع ذکر وفکر" کے ساتھ ان کے خلوت ورا انجمن پہنچا تو غیر معمولی خوشی کا اظہار کیا، فرمایا اس مجموعہ کا تو مجھے شدت سے انتظار تھا، آپ نے بڑا اچھا کام کیا، ممکن ہو تو مکاتیب شفیق کی اشاعت کا بھی اہتمام کیجیے۔

11 اپریل 2021ء کو ان سے آخری ملاقات رہی، مسلسل صحت کی خرابی اور تشویشناک بیماری کی خبریں آرہی تھیں، دینی مروت اور ذاتی تعلق کا تقاضا تھا کہ عیادت ومزاج پرسی کے لئے سفر کیا جائے، اسٹیشن پر برادر عزیز ورفیق مولانا نجیب الحسن صدیقی ندوی کو منتظر پایا اور ان کے ساتھ سیدھے اسپتال پہنچا، خیال تھا کہ پانچ منٹ میں خیریت دریافت کرکے لوٹ آؤں گا لیکن دو گھنٹے سے زائد کی طویل نشست ہوگئی، معالج آتے اور جاتے رہے، اس درمیان اٹھنا چاہا تو اٹھنے نہ دیا، بار بار بیٹھنے پر مجبور کیا اور چائے کے لئے اشارہ بھی کردیا، کمال تھا باغباں کا کہ مرض الموت میں بھی اسے چمنستان ندوہ کی فکر ستارہی تھی، اندازہ ہوا کہ ندوہ ان کے رگ وریشہ میں بسا ہوا ہے اور کچھ کرگزرنے کا سودا ان کے دماغ میں سمایا ہوا ہے، میں نے آخر میں کہا کہ مولانا آپ اپنی صحت پر توجہ نہیں دیتے، آرام نہیں کرتے اور اپنی راحت جاں سے ملاقات نہیں کرتے، اللہ اس پر آپ کا محاسبہ کرے گا، اتنے پر آبدیدہ ہوگئے، فرمایا کہ ندوہ کے کاموں سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ کسی دوسری جانب توجہ دوں، آپ نے سچ کہا آئندہ اس کا خیال رکھوں گا۔

یہ جان کر حیرت ہوئی کہ مولانا رائے بریلی کا سفر عام بس سے کرتے ہیں، میں نے مولانا نجیب الحسن صدیقی ندوی سے کہا، نجیب بھائی، رائے بریلی آمد ورفت کے گاڑی کا انتظام آپ کردیا کریں اور اخراجات مجھ سے لے لیا کریں، انہوں نے کہا کہ طارق بھائی! آپ مطمئن رہیں، اب یہ میری ذمہ داری ہے اور آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ جس نے اپنی صبح، اپنی شام ندوہ کے نام کردیا ہو اور بطور معاوضہ ایک حبہ بھی نہ لیا ہو، جس نے تمام عمر اس احتیاط سے گزاری ہو کہ یہ آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو، وہ کیا کسی کا احسان لیتا، کیا کسی سے خدمت لیتا، موقع ہی نہیں دیا بلکہ بہت جلد انتہائی خاموشی سے حقیقی صلہ کی تمنا لئے مالک حقیقی سے جاملا:

عجب قیامت کا حادثہ ہے
کہ اشک ہے آستیں نہیں ہے

ان کے انتقال کے معا بعد میں نے چند سطریں لکھیں، جو یہاں پیش کی جارہی ہیں:

"حمزہ بھیا! آپ بھی روٹھ گئے، ہم تو آپ کے ساتھ تھے، آپ تو اس وقت تنہا کر گئے جب آپ کی ضرورت تھی، ہر نگاہ آپ پر لگی ہوئی تھی، مستقبل سے بے فکر اور مطمئن تھے، آپ نے ان کا بھی خیال نہیں کیا جن کے لئے آپ کا وجود سراپا مسعود تھا، ابھی تو گیارہ اپریل کو ہسپتال میں ہم آپ ملے تھے، دو گھنٹے کی تاریخی ملاقات میں نئے عہد وپیمان ہوئے تھے، اور الفت ومحبت پر گفتگو ہوئی تھی۔ پھر کیوں چلے گئے، ایک قلندر کے جانے سے سارا میکدہ اداس ہے۔"

اس کے بعد تو متعدد فون آئے کہ طارق بھائی، اب تک ضبط کئے ہوئے تھا آنکھوں پر بھی قابو تھا مگر اس چھوٹی سی تحریر نے آنسوؤں کا سیلاب جاری کردیا۔ میرے مشفق ڈاکٹر مولانا محمد نعیم صدیقی ندوی حال مقیم جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ نے لکھا کہ بڑی اثر انگیز تحریر ہے، پڑھ کر آنکھیں نم ہوئے بغیر نہ رہیں۔ جزاک اللہ۔

اللہ غریق رحمت فرمائے اور ابرار وصلحاء کی معیت ورفاقت نصیب فرمائے۔ آمین۔

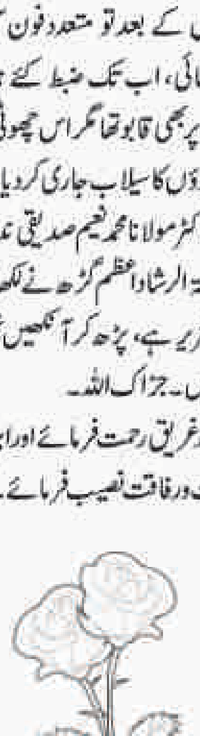

مولانا فیصل بھٹکلی ندوی
استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ایک مردِ دانا و بینا

1996ء سے مسلسل کئی سال رمضان کا مبارک مہینہ ہمیں تکیہ رائے بریلی میں حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ اور پھر آپ کے جانشین مخدومی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہم العالی کی خدمت میں گزارنے کی توفیق ارزانی ہوئی۔ اسی زمانۂ قیام کے ابتدائی ایام میں مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی پر نظر پڑی۔ اولاً ایک نہایت سنجیدہ، باوقار بلکہ بارعب شخصیت کے روپ میں نظر آئے، پھر جب بعض موقعوں پر دسترخوان پر یکجائی اور ہم رکابی کا موقع ملا تو مولانا کی دوسری شخصیت سامنے آئی۔ بے تکلفی اور ظرافت کا پہلو لیے معلوم ہوئے۔ پھر جب ندوۃ العلماء کے ناظر عام بنائے گئے تو مولانا کی زندگی کا ایک نیا رخ سامنے آیا، جو ان کی زندگی کا سب سے اہم اور مفید پہلو تھا۔ اور وہ ہے حسن انتظام ۔اکثر لوگ اس پر متفق ہیں کہ مولانا پوری خوبی، پختگی اور حسن کارکردگی کے ساتھ اس عظیم منصب سے عہدہ برآ ہوئے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کے مدرس ہونے کی حیثیت سے مجھے مولانا سے ملنے یا کوئی درخواست پیش کرنے کی بھی کبھی ضرورت پیش آتی، ایسے بعض موقعوں پر مولانا نے بڑی ہمدردی اور شفقت کے ساتھ زیر نظر مسئلے پر غور کیا اور بہترین حل نکالا، جس سے دل بڑا متاثر ہوا۔

ایک چیز ہم نے یہ بھی محسوس کی کہ باوجود یہ کہ مولانا نے ندوۃ العلماء کے تمام مسائل کو اوڑھ لیا تھا، تاہم وہ اس کی کوشش کرتے تھے کہ تمام وہ باتیں حضرت ناظم صاحب کے علم میں رہیں جن سے حضرت ناظم صاحب کی طبیعت پر زیادہ اثر نہ پڑے۔ وہ ناظم صاحب کو غافل رکھ کر یا ان سے کنی کترا کر اپنے اختیارات کا بے جا استعمال نہیں کرتے تھے، نہ اپنے کو خود مختار سمجھا، بلکہ ان کے کارندے اور سکریٹری ہی کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ان کے پاس کوئی درخواست جاتی تو وہ اکثر فرماتے تھے اس کی منظوری ناظم صاحب کا کام ہے، ان سے منظور کرائیں یا ان سے لکھوالیں یا ہم ناظم صاحب سے مل کر معلوم کرتے ہیں۔

آخری زمانے میں ندوہ پوری طرح ان پر چھا گیا تھا، داخلی دشواریاں، خارجی پیچیدگیاں، سرکاری اڑچنیں اور اوقاف کی الجھنیں، کیا کیا مسائل نہیں تھے، لیکن مولانا پورے صبر وثبات، تحمل و بردباری اور حکمت وتدبر سے ہر معاملے سے گزر گئے! گویا کہنا چاہیے کہ ہر وقت انھی الجھے ہوئے مسائل کو سلجھانے میں لگے رہتے۔

اس سب کے باوجود وہ ایک پیسہ اجرت نہیں لیتے، سارا کام محض للہ تھا۔

دوسری طرف ان کے علمی کام بھی قابلِ قدر ہیں۔ 1982ء میں اپنے عظیم والد مولانا محمد ثانی حسنی کے انتقال کے بعد سے مسلسل پابندی کے ساتھ ماہ نامہ رضوان نکالتے رہے۔ اس کے کئی وقیع خصوصی شمارے بھی سامنے آئے۔ اخیر میں انھوں نے اپنے نانا حضرت مولانا علی میاں کے مکتوبات کی جمع تدوین کا کام شروع کیا تھا۔ اس کے کئی حصے ان کی زندگی میں شائع ہوئے، جس سے یہ قیمتی خطوط محفوظ ہوگئے۔ اس کے علاوہ مولانا کی متعدد کتابیں ہیں، جن پر لکھنے والے انشاء اللہ تفصیل سے لکھیں گے۔

□□□

• مولانا محمد وثیق ندوی •
استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، وایڈیٹر الرائد

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیغامات کی روشنی میں

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ (۱۹۵۰ء-۲۰۲۰ء) کا شمار دار العلوم ندوۃ العلماء کے ان ممتاز ترین فضلاء میں ہوتا ہے، جنہوں نے زندگی کے مختلف میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور اپنی متنوع علمی، فکری، دعوتی، تربیتی اور انتظامی صلاحیتوں سے امت کو فائدہ پہنچایا ہے، مولانا مرحوم متنوع خوبیوں اور صلاحیتوں کے حامل تھے اور مختلف میدانوں میں اپنی خدمات پیش کی ہیں، مسلم مجلس کے اسٹیج سے، مکتبہ اسلام اور ماہنامہ رضوان کے ذریعہ، رفاہی وتعلیمی ادارہ مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی کے ذریعہ اور ندوۃ العلماء کے اسٹیج سے، لیکن اکثر لوگ صرف ان کے انتظامی پہلو سے واقف ہیں، حالانکہ جس طرح ندوۃ العلماء اور اس دار العلوم کی تعمیر وترقی، دار العلوم کے مادی وسائل کے حصول، طلبہ کی رہائش کے لیے دار الاقاموں کی توسیع وتعمیر، رواق سلیمانی کی توسیع، رواق حبیب، رواق ابوالحسن، رواق مونگیری، جدید درسگاہ کی تعمیر، دار القضاء کی توسیع، المعہد العالی کی توسیع، دار العلوم کی مسجد کی توسیع اور معہد سکروری میں دار الاقامہ، مسجد اور اسٹاف کوارٹر کی تعمیر میں مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کا نمایاں حصہ اور بنیادی کردار ہے، اسی طرح دعوتی واصلاحی سرگرمیوں، تعلیمی امور اور طلبۂ دار العلوم ندوۃ العلماء کی تربیت وثقافت کی بھی ان کو بڑی فکر رہتی تھی، لیکن یہ پہلو سامنے نہ آسکا اور انتظامی پہلو ہی زیادہ سامنے آیا۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے ساتھ ساتھ مولانا کو مختلف علاقوں میں دینی مکاتب ومدارس کے قیام کی فکر بھی دامن گیر رہتی تھی، ان کی اس فکر وتوجہ سے مختلف علاقوں میں مکاتب ومدارس قائم ہوئے اور ان کا الحاق دار العلوم ندوۃ العلماء سے ہوا، وہ ان کی مالی معاونت کی بھی فکر کرتے تھے اور ان کے ذمہ داروں کو مشورہ دیتے تھے۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو جلسوں میں شرکت اور تقریر سے مناسبت نہیں تھی، حالانکہ ایک زمانہ تھا جب وہ سیاست کے میدان میں سرگرم تھے اور زور دار تقریر کرتے تھے، ندوہ آنے کے بعد ان کی پوری توجہ ندوۃ العلماء کی ترقی پر مرکوز ہوگئی تھی، مالی وسائل کی مضبوطی کے لیے ملک کے مختلف شہروں میں سفراء بھیجے اور سفارت کا نظام منظم کیا، ابنائے ندوہ کو اس طرف متوجہ کیا اور جب بھی کوئی ندوی فاضل ندوہ آتا اور مولانا سے ملاقات ہوتی تو وہ اس کے کاموں کی ہمت افزائی اور قدر افزائی کرتے ہوئے مادرِ علمی سے تعلق قائم رکھنے اور اس سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتے، اسی طرح عالم عربی واسلامی میں ندوہ کے تعارف وتعاون کے لیے وفود بھیجنے کا بھی نظام بنایا جو کامیاب رہا۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کو مطالعہ سے بڑا شغف تھا، فکری، علمی اور ادبی کتابوں کے ساتھ اصلاح اور تزکیہ نفس سے تعلق رکھنے والی کتابوں سے بھی دلچسپی تھی اور پھر ان کتابوں کے مطالعہ میں اکثر وقت صرف ہوتا، اسی طرح ان شخصیات سے جو اصلاح وتربیت کا زیادہ اہتمام کرتی تھیں، تعلق رکھتے تھے اور ان کی مجالس میں حاضری کا دوسروں کو مشورہ بھی دیتے تھے، آخری دور میں وہ ندوہ کے لیے یکسو ہوگئے تھے اور عبادات سے فراغت کے بعد اپنا سارا وقت ندوہ کے انتظامی وتعلیمی امور کی انجام دہی میں گزارتے تھے۔

مولانا ندوہ کے مالی وتعلیمی نظام، طلبہ کی رہائش اور اس کی سہولتوں کی فکر کے ساتھ طلبہ کی علمی ودینی تربیت کی بڑی فکر رکھتے تھے، طلبہ میں علمی ذوق وشوق پیدا کرنے کے

لیے متعدد علمی وثقافتی پروگرام مرتب کروائے اور پھر منتظمہ سے منظور کروائے اور اس کے لیے مطلوبہ وسائل بھی فراہم کیے، جیسے "**دورۃ المسابقات العلمیۃ والأدبیۃ والثقافیۃ**" کا پروگرام، ملحقہ مدارس کے لیے تربیتی وتعلیمی سیمینار اور دارالعلوم کی کلیات کے علمی مذاکرے وغیرہ، انتقال سے ایک سال پہلے مجلس تحقیقات شرعیہ کا احیاء کیا، اس کو فعال بنانے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل کی اور اس کے تحت دارالعلوم کے اساتذہ خصوصاً نوجوان اساتذہ کو تحقیقی وعلمی کام سپرد کرنے کی ہدایات دیں، اساتذہ خصوصاً نگراں حضرات جب بھی مولانا سے ملتے تو وہ طلبہ کی علمی تثقیف اور ان میں مطالعہ کا ذوق وشوق پیدا کرنے کی طرف توجہ دلاتے اور ابنائے ندوہ کے کارناموں کے تذکرہ پر ابھارتے تھے، یہ فکرمندی ان پیغامات سے صاف ظاہر ہوتی ہے جو انہوں نے مختلف موقعوں پر طلبہ کے لیے لکھے۔ مولانا طلبہ کے نام اپنے ایک پیغام مورخہ ۱۳/۴/۲۰۱۳ء میں لکھتے ہیں:

"دار العلوم کے طلبہ کو چاہئے کہ وہ علامہ شبلی نعمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبدالسلام ندویؒ، مولانا عبدالباری ندویؒ، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور شاہ معین الدین احمد ندویؒ کی کتابوں کا ضرور مطالعہ کریں، یہ وہ عظیم ہستیاں اور ندوۃ العلماء کی مثالی شخصیات ہیں جن کی کتابوں کے مطالعہ سے علم کا معیار بلند ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ملی درد وسوز اور دینی غیرت وحمیت پیدا ہوتی ہے جو ایک مسلمان کا طرۂ امتیاز ہے اور اسی کے ساتھ زندگی کا صحیح رخ متعین ہوتا ہے۔

افسوس آج کل مطالعہ کا ذوق کم ہوتا جا رہا ہے اور اس کے نتیجہ میں سطحیت پیدا ہو رہی ہے جس سے علماء کا وقار گر رہا ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ایک موقع پر یہ بات فرمائی تھی کہ مطالعہ میں تنوع، تعمق اور وسعت پیدا کی جائے، یہ ندوۃ العلماء کا امتیاز ہے"۔

طلبائے معہد دارالعلوم سکروری کے نام پیغام (مورخہ ۱۱/۵/۲۰۱۳ء) میں لکھتے ہیں:

"طلبائے معہد دارالعلوم سکروری کے ذریعہ شائع ہونے والا رسالہ "ارمغان معہد" امید ہے کہ طلباء میں علمی وتحقیقی شوق پیدا کرے گا اور اس سے لکھنے پڑھنے کا اچھا ذوق پیدا ہوگا جو آگے چل کر طلباء کی علمی ترقی میں ممد ومعاون ثابت ہوگا۔ یہ ایک اچھی کوشش ہے، جس کی ہمت افزائی ہونی چاہئے، اساتذہ کو اپنے عزیز شاگردوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے اور ان کی علمی تربیت کی مزید فکر اگر کی جائے تو دین کے اچھے خدمتگار تیار ہو سکتے ہیں۔

عزیز طلباء سے صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ وہ اپنا وقت زیادہ سے زیادہ علمی کاموں میں لگائیں اور تعلیمی ماحول کو مزید بہتر بنائیں، مطالعہ کی طرف خصوصی دھیان دیں اور اس سلسلہ میں اپنے اساتذہ سے مدد لیں اور ان کی رائے سے مطالعہ کی کتابوں کا انتخاب کریں، تبھی ان کو علمی فائدہ ہوگا، بلا انتخاب مطالعہ کبھی کبھی بجائے فائدہ کے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اور ذہنی انتشار کا باعث بن جاتا ہے، اس لیے اپنے شفیق اساتذہ سے تعلق رکھنا اور ان کی رہنمائی حاصل کرنا بہت ضروری ہے"۔

اسی طرح مولانا فضلائے ندوہ کی علمی، دعوتی اور تعلیمی خدمات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور طلبہ کو ان کو نمونہ بنانے کی تلقین کرتے تھے، ایک پیغام (مورخہ ۷/اپریل ۲۰۱۹ء) میں فضلائے ندوہ کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"دفاع اسلام میں ندوی فضلاء کا حصہ" انجمن طلبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء "جمعیۃ الاصلاح" کی ایک اچھی پیش کش ہے، دین اسلام اللہ تعالی کا پسندیدہ دین ہے (**إن الدين عند الله الإسلام**) اور اس کو اللہ تعالی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل فرمایا اور ارشاد فرمایا (**اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا**) اس کے باوجود دشمنان اسلام برابر دین اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ میں مشغول رہے اور یہ سلسلہ عہد نبوی سے آج تک جاری ہے۔ موجودہ دور میں مغرب نے علم وتحقیق اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ یہ پروپیگنڈہ کیا اور حکومت وسیاست کے ذریعہ نقصان پہنچانے کی کوشش جاری رکھی، لیکن علمائے اسلام نے دفاع اسلام پر ایسا ذخیرہ پیش کیا جس کی دوسرے مذاہب میں مثال نہیں ملتی۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فرزندوں نے اسلام کی اشاعت وتعارف، اسلامی ثقافت کی نشرواشاعت، سیرت نبوی کی تدوین، اسلام کے کارناموں اور اس کی تعلیمات کو جدید علمی اورادبی اسلوب میں پیش کرنے میں اہم کردارادا کیا ہے،ندوۃ العلماء کے فرزندوں نے ایک ایسا نصاب بھی تیار کیا جو زمانہ کی ضرورت پوری کرسکے اور ابتدائی مرحلوں سے اعلی تعلیم تک کے مختلف ادبی مزاج ومذاق کے مناسب ہو، ندوۃ العلماء نے مغربی سامراج،فکری یلغار، اسلام مخالف تحریکوں قادیانیت،مسیحیت،فتنۂ انکارحدیث کے سدباب اور مستشرقین کے پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات اور عالم عربی کے فکری ارتداد کے سلسلہ میں شاندر کردارادا کیا۔

ندوۃ العلماء کے فضلاء نے عظیم تصنیفی، تعلیمی خدمات کے ساتھ ملت اسلامیہ کی رہنمائی کا عظیم کردارادا کیا، انہوں نے ادب، تاریخ اسلام اور فکر اسلامی پرعلمی ادبی اسلوب میں جو کتابیں تصنیف کیں، وہ عالم اسلام میں بے حد مقبول ہوئیں، اس کے ساتھ ساتھ وقت کے فتنوں کے خلاف آواز اٹھائی، چاہے وہ قومیت عربیہ ہو جو درحقیقت الحاد کی دعوت تھی، یا قومیت ہندیہ کی تحریک ہو، لسانی عصبیت ہو، یا تہذیبی برتری اور مغربیت اور مشرقیت کی کشمکش ہو، اس کا علمی انداز سے تجزیہ کرنے کے ساتھ عملی میدان میں بھی مسلم پرسنل لا بورڈ، پیام انسانیت، اصلاح معاشرہ اوردعوت وارشاد کے پلیٹ فارم سے اس کا مقابلہ کیا اور ملت کے مختلف مسائل میں جرأتمندانہ فیصلے کیے اور خطرناک پہلوؤں کی طرف متوجہ کیا''۔

ایک دوسرے پیغام (مورخہ ۳/۱۰ ۲۰۲۰ء) میں لکھتے ہیں:

''ندوۃ العلماء کے قیام پر ایک صدی سے زائد عرصہ گزرچکا ہے اورالحمدللہ اس طویل مدت میں اس کے فضلاء نے جو''دل دردمند'' ''فکرارجمند'' اور'' زبان ہوشمند'' کے حامل رہے ہیں، زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنی افادیت اور نافعیت کا ثبوت دیا ہے اور مختلف زبانوں کو اپنی تخلیقات وتحقیقات سے مالا مال کیا ہے، خاص طور پر اردوزبان وادب کو ترقی دینے میں ان کا نمایاں کردار رہا ہے، اس کے بانیوں میں علامہ شبلی نعمانیؒ کا شماراردو کے عناصر اربعہ میں ہوتا ہے جن کے اسلوب نگارش نے اردوزبان وادب کو ایک نیا رنگ وآہنگ عطا کیا، ''موازنۂ انیس ودبیر'' اور "**شعر العجم**" جیسی معرکۃ آراء کتابیں اس کا ثبوت ہیں، مولانا عبدالحی حسنیؒ کی ''گل رعنا'' اور'' دہلی اوراس کے اطراف'' ادب کا شاہکار ہے۔

فضلائے ندوہ نے اردو زبان وادب میں کمال پیدا کیا، اس کو بحث وتحقیق کا موضوع بنایا اور اس پر کام کیا اوراس میدان میں نام پیدا کیا، ان فضلاء میں ندوۃ العلماء کے گل سرسبد علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبدالسلام قدوائی ندویؒ، مولانا عبدالباری ندویؒ، شاہ معین الدین احمد ندویؒ، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، مولانا ریاست علی ندوی، مولانا عبداللہ عباس ندویؒ، مولانا محمد ثانی حسنی ندویؒ اوردیگر فضلاء کا اردو زبان وادب کی ترویج میں بڑا حصہ ہے، اسی طرح ندوہ سے تعلق رکھنے والے ادارے: ''دارالمصنفین اعظم گڈھ''، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ'' ''دار عرفات رائے بریلی''، فرقانیہ اکیڈمی بنگلور''، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اکیڈمی اعظم گڈھ اور بھٹکل اور یہاں سے نکلنے والے جرائد ورسائل کا بھی اردوزبان وادب میں بڑا حصہ ہے۔

تحریر وکتابت میں فکر، مطالعہ اور سلاست بیان کی ضرورت ہوتی ہے، ندوۃ العلماء کے اہل قلم کے یہاں اس کا اہتمام ملتا ہے۔اسی طرح ہر عصر کا ایک اسلوب اور مزاج ہوتا ہے، فضلائے ندوہ نے اپنی تحریروں میں اس کا بھرپور خیال رکھا ہے اور آج بھی اس کا سلسلہ جاری ہے''۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ کو طلبہ کی علمی ترقی کی بڑی فکر رہتی تھی اور اس کے لیے جو ممکن تھا وہ کیا، نیز فضلاء ندوہ نے علم ودین، دعوت وفکر، بحث وتحقیق، تعلیم وتربیت اوراصلاح وارشاد کے میدان میں جو خدمات انجام دی ہیں یادے رہے ہیں، ان کی ہمت افزائی کرتے تھے اور بڑی قدر کا اظہار کرتے تھے۔ **رحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة، وأدخله فسيح جناته، والله على كل شيء قدير.**

○○○

مولانا سلمان نسیم ندوی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا سید محمد حمزہ حسنی۔ رحمہ اللہ
(یادوں کے آئینہ میں)

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ۷ رمئی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ بعد نماز عصر، رمضان کی مبارک ساعتوں میں خاموشی سے اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے، لیکن اس خاموش مزاج شخص کی جدائی پر دنیائے فکر وفن، دانش کدۂ علم وحکمت اور بزم قلب وروح خاموش نے جو ماتم کیا، تعزیتی خبروں کا تسلسل، آن لائن تعزیتی نشستیں، اور سوشل میڈیا پر جو مختصر ومفصل مضامین نشر کئے گئے، وہ سب اس بات کے گواہ تھے کہ مرد کامل وہ ہے جس کی زبان کے بجائے اس کا کام اور کردار بولے، قابل صد مبارکباد ہے ایسی خاموشی جس کی جدائی پر دردمندوں اور فرزانوں کی چیخ اس سناٹے کو چیر دے۔

یہ حسن اتفاق تھا کہ فدوی کا تعارف مولانا سید محمد حمزہ حسنی (رحمہ اللہ) سے پہلے ان کے ماہنامہ ''رضوان'' سے ہوا جس کے وہ مدیر تھے، یہ پرچہ میرے گھر میں پابندی سے آتا تھا اور بڑے شوق سے پڑھا جاتا تھا، اس پرچہ میں میرے لئے ایک کشش یہ بھی تھی کہ میرے بڑے بھائی کا نام بھی رضوان تھا جو ان دنوں ندوہ میں زیر تعلیم تھے، پھر ۱۹۹۷ء میں فدوی کا داخلہ ندوہ میں ہوا، فراغت (۲۰۰۱) کے بعد ۲۰۰۴ء میں پہلی ملاقات مولانا سے اس وقت ہوئی جب وہ یوپی وقف بورڈ کے ممبر منتخب ہوئے، اور ایک موقعہ پر یوپی وقف بورڈ کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھانے کے لئے ان کو کسی فرد کی تلاش ہوئی، ندوے سے میری فراغت کو ابھی تین سال ہی ہوئے تھے، خدا جانے کس خیر خواہ نے ان کے سامنے میرا نام پیش کر دیا، انہوں نے مجھے بلوایا اور حکم دیا کہ تمہیں وقف بورڈ کی مسجد میں تقریر کرنی ہے اور جمعہ کی نماز پڑھانی ہے، یہ تھا میرا ان سے پہلا سابقہ اور پہلی بالمشافہ ملاقات اس پہلی خوشگوار ملاقات کے جس پہلو نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ان کی خورد نوازی تھی، اگرچہ میں اس وقت تک دار العلوم میں تدریس سے منسلک ہو چکا تھا، لیکن ان کے سامنے میری حیثیت ایک طالب علم سے زیادہ کچھ نہ تھی، ان کو بجا طور پر یہ حق تھا کہ وہ مجھے صرف یہ حکم دیتے کہ تم جا کر نماز پڑھا دو! یہی میرے لئے اعزاز کی بات ہوتی لیکن مولانا کے ایماء پر وقف بورڈ کی سرکاری گاڑی آئی، بات سرکاری گاڑی کی نہیں ہے بلکہ مولانا کی بلند سوچ اور عظیم رویہ کی ہے جس نے ایک طالب علم کے اعزاز میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

اس ملاقات کے بعد مولانا سے عملی اور مسلسل رابطہ 2005 میں اس وقت ہوا جب مولانا نذر الحفیظ ندوی رحمہ اللہ پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' کے مدیر مسئول منتخب ہوئے، اور فدوی بطور معاون پرچہ کی ترتیب وادارت میں شریک ہوا، اس وقت معتمد تعلیم ندوۃ العلماء مولانا عبد اللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ ''تعمیر حیات'' کے نگران اعلی تھے، لیکن چونکہ مولانا کا زیادہ تر قیام مکہ مکرمہ میں رہتا تھا، اس لئے عملا مولانا سید محمد حمزہ حسنی ہی پرچہ کی نگرانی فرماتے تھے، پھر جب مولانا عبد اللہ عباس صاحب کا ۲۰۰۶ء میں انتقال ہوا تو مولانا سید محمد حمزہ حسنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اب باضابطہ پرچہ کے نگران اعلی مقرر ہوئے، ان کی نگرانی رسمی نہیں بلکہ فعال، جرات مندانہ اور عملی ہوتی تھی، پرچہ ترتیب دینے کے بعد ان کے پاس لے کر جاتا، خواہ کیسی ہی مشغولیت کیوں نہ ہو جیسے ہی پہنچتا فورا پرچہ لیکر اس کا جائزہ لیتے، مشمولات پر غور کرتے، تعبیرات کی اصلاح کرتے، اگر کوئی مضمون پرچہ کے بنیادی مقاصد سے ہم آہنگ نہ ہوتا یا پرچہ کی ورقی صلاحیت سے

زیادہ بڑا ہوتا تو فوراً قلم زد فرماتے، ایڈیٹنگ کے اس حق کے استعمال میں وہ آزاد اور غیر جانبدار تھے، اپنے خاندانی عزیزوں کی تحریروں میں بھی اپنا یہ حق استعمال کرتے، بلکہ بے دریغ اور بڑی بے دردی سے استعمال کرتے جس پر مجھ کو کبھی کبھی حیرت بھی ہوتی، لیکن اس طرح وہ ان کی قلمی تربیت فرماتے تھے، بعض اکابر اور معروف شخصیات کی تحریروں میں بھی اپنے اس حق کے استعمال میں چنداں تکلف نہیں فرماتے، اس وقت میں سخت آزمائش میں مبتلا ہو جاتا، کبھی میں توجہ دلاتا کہ یہ فلاں حضرت کا مضمون ہے، اس پر فرماتے کہ اگر آپ سے پوچھیں کہ کس نے تصرف کیا ہے تو میرا نام بتا دیجیے گا، اس طرح وہ ہمیں کسی بھی آزمائش سے بچا لیتے تھے، ان میں حق پر جمنے کی بڑی جرأت تھی، وہ دوسروں کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانے کے قائل نہیں تھے۔ صاف محسوس ہوتا تھا کہ ان کی خاموش مزاجی، کم گوئی اور غور و فکر کی خوئے دلنواز نے ان کے مزاج میں اصول پسندی اور ان کی ذہنی ساخت میں ارتکاز اور ترکیز کے وصف کو بڑھا دیا ہے، چنانچہ پرچہ پر نظر ڈالتے وقت ان کی نگاہ اسی جگہ ٹھہر جاتی جو قلم زد کیے جانے کا مستحق ہوتا، غیر ضروری طوالت سے ان کو بڑی الجھن ہوتی تھی، مطول کو مختصر کرنے کا ان کو عجیب سلیقہ اور ہنر تھا، شاید ماہنامہ ''رضوان'' کی طویل ادارت نے بھی ان کے اس ذوق کو جلا بخشی تھی، ''مکتوبات مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ'' پر ان کے گرانقدر حواشی مختصر نویسی کا شاہکار ہیں۔

مولانا فطرتاً زاہد تھے، ان کا زہد مصنوعی و رواجی نہیں بلکہ طبعی اور فطری تھا، سادگی ان کے خمیر میں تھی، ایک دفعہ پرچہ دکھانے کے لئے میں ماہنامہ رضوان کے دفتر واقع گوئن روڈ گیا، سخت گرمی کا موسم تھا اور ظہر کے بعد کا وقت، مولانا ایک کمرے میں خالی چارپائی پر مطالعہ فرما رہے تھے، چارپائی کی رسیوں کے نشانات ان کی پیٹھ پر دیکھے جاسکتے تھے، یہ ماہنامہ رضوان کے مدیر تھے، مکتبہ اسلام کے مالک تھے، وقف بورڈ کے موقر و ممتاز ممبر تھے اور عالمی ادارہ و تحریک ندوۃ العلماء کے ناظر عام تھے، مولانا کے اس روش زہد اور خوئے سادگی میں اس وقت بھی تبدیلی نہیں آئی جب وہ ندوے کے نائب ناظم بن گئے، مجلس تحقیقات و نشریات کے ذمہ دار بن گئے، اور پھر جب وہ تقریباً مستقل ندوے ہی میں قیام پذیر ہوگئے، تب بھی ان کا زہد، استغناء اور سادگی سے ناطہ نہیں ٹوٹا، ندوے کے جس کمرے میں وہ رہتے تھے اس کی ہر چیز اس بات کی گواہی دیتی تھی، حالانکہ جس مکان کے ایک کمرے میں وہ رہتے تھے اسی میں ایک دوسرا کمرہ آراستہ و پیراستہ موجود تھا، لیکن مولانا عام کمرے میں رہتے تھے، تدبیر پر تقدیر کا غلبہ مسلم ہے، لیکن مولانا کی علالت میں اچانک شدت میں ان کی اپنی ''ذات'' کو فراموش کرنے کی ادا کو بھی دخل تھا، **ولله الامر من قبل ومن بعد۔**

زبان کا تقوی یعنی خاموشی میں وہ بے نظیر تھے، اوراد و اذکار کا خوب اہتمام تھا، ندوے میں جس مکان میں رہتے تھے ایک بار دوپہر کے وقت حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ تلاوت فرما رہے ہیں، مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ عام طور پر مدارس میں اس وقت آرام کا معمول ہوتا ہے اور آپ تلاوت میں مصروف ہیں، دل کے تقوی کا یہ حال تھا کہ جن لوگوں نے مولانا کی دل آزاری کو مشغلہ بنالیا تھا جس میں بعض انتہاء جونیر ندوی یا طلبہ بھی شامل تھے، مولانا نے کبھی ان سے ایک حرف شکایت کا نہ کہا، طلبہ پر جائز کارروائی کا اختیار تھا لیکن کبھی اپنی ذات کے لئے ان سے انتقام نہیں لیا، ایک صاحب جن کا قلم حق ناحق تنقید میں نیزے کے انی کی طرح دھار دار اور تلوار کی طرح آب دار ہے، اور بارہا انہوں نے مولانا کی ذات پر اپنے قلم اور تیر و تفنگ کو آزمایا تھا، ان صاحب نے خود مجھ سے مولانا سے اپنی ایک ملاقات کا احوال سنایا کہ کس طرح مولانا نے ان کا اعزاز کیا اور ان سے کہا کہ اپنی صلاحیتوں کو مثبت اور تعمیری میدانوں میں استعمال کیجیے، مولانا کو اپنے خلاف اس شخص کی ترک تازیوں کی خبر تھی لیکن اپنے لئے ان کے سامنے زبان پر ایک حرف شکوہ لانا گوارا نہ کیا۔

مولانا کو ''ریا'' سے طبعی نفور، اور ''حب ظہور'' سے ازلی بیر تھا، مولانا کا رشتہ بھیڑ بھاڑ کے اور اسٹیج سے کبھی استوار نہیں ہوسکا، وہ ہر موقعہ ''دار و گیر'' اور ''ہٹو بچو'' سے گریزاں

رہتے، متعدد بار ندوے کے مختلف بڑے بڑے پروگراموں میں جن کی تیاری وترتیب میں اصل مشورہ، فکرمندی اور محنت انہیں کی ہوتی، لیکن جب اسٹیج سج جاتا اور پروگرام شروع ہوتا، اور ہم ان کو بلانے جاتے کہ آپ کم ازکم افتتاحی نشست ہی میں شریک ہو جائیں، تو ہمیشہ خوبصورتی سے ٹال جاتے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسی زمانہ میں مولانا فعال سیاست میں سرگرم رہے تھے، اجلاس کو خطاب بھی فرماتے تھے بلکہ مستند وموثوق ذرائع کے مطابق بڑے پرجوش خطیب بھی تھے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا یہ گریز کسی 'کمزوری' کی وجہ سے نہیں بلکہ 'اختیاری' تھا، جوطویل صحبت اور تربیت کی بھٹی میں تپ کر کندن بن گیا تھا۔

مولانا نے اپنی عملی زندگی کا آغاز زمینی حقائق سے قریب رہ کر کیا، اس لئے مولانا ہمیشہ حقیقت پسند اور واقعیت پسند رہے، آغاز شباب میں جہاں ایک طرف وہ کرکٹ کے منجھے کھلاڑی رہے وہیں ایک زمانہ میں مسلم مجلس مشاورت کے اہم ترین دماغوں میں سے ایک تھے، زمانہ ما بعد کی بساط سیاست کے بڑے بڑے ماہر کھلاڑی اس وقت مولانا کے پاس طفل مکتب کی طرح حاضر ہوتے تھے، پھر اللہ تعالی کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی توجہ اور حکم پر آپ نے اپنے میدان ذوق وعمل کو تبدیل کیا، لیکن اس عملی میدان سے مولانا نے جو کچھ سیکھا تھا، اپنی اس پوری صلاحیت کوندوے کی تعمیر وترقی میں لگا بلکہ کھپا دیا، پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو ناخن تدبیر سے سلجھالینا، اہل سیاست کی فنکاریوں اور فریب کاریوں کو بھانپ لینا، سرکاری اداروں اور ایجنسیوں کو انہی کے انداز میں ڈیل کرنا مولانا کے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، جس طرح مولانا کو اہل دل باصفا مردان حر کا اعتماد حاصل تھا، اسی طرح کارپردازان سلطنت، ماہرین بساط سیاست اور دانشوران قوم وملت بھی مولانا کو اچھی طرح پہچانتے اور ان پر اپنا اعتماد ظاہر کرتے تھے۔

مولانا نے اپنی انتظامی صلاحیت کا استعمال کرکے ندوے کے شعبہ مالیات کو منظم ومرتب کرکے اس کو ترقی دی، یہ ان کے حسن تدبیر کا نتیجہ تھا کہ کورونا کے وبائی دور میں جب پوری دنیا کی اقتصادیات پر زوال کا مہیب سایہ تھا، پھر بھی الحمدللہ ندوہ کسی بڑے ظاہری نقصان سے محفوظ رہا، جب ہندوستان کے تقریبا تمام مدارس میں تعلیم معطل تھی ندوے نے آن لائن تعلیم کا کامیاب تجربہ پیش کیا جس میں مولانا محمد حمزہ حسنی صاحب کا غیر معمولی کردار تھا، جب پوری دنیا تھم سی گئی تھی، تعلیمی اداروں پر سناٹا پسر گیا تھا، ایسے میں ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے آن لائن تعلیم کا فیصلہ لے کر مدارس کی تاریخ میں ایک اجتہادی دانشمندانہ اور جراتمندانہ قدم اٹھایا تھا، یہ قدم اس بات کی دلیل تھی کہ ندوہ کی اساس میں قدیم وجدید کی جامعیت کا تصور آج بھی زندہ اور اس خاکہ میں رنگ بھرنے کے لئے ذمہ داران ندوہ آج بھی صف بستہ ہیں، اگر ضرورت ہے تو بس ایسے اولوالعزمان دانشمندوں کی جو سمندر پاٹنے اور کوہ سے دریا بہانے کا حوصلہ رکھتے ہوں، مجھے بڑی حیرت ہے کہ یہ جراتمندانہ قدم اٹھانے والے وہی تھے جنہیں ''پیرفرتوت''، ''کم کوش وکم نظر'' اور ''بے خبر وبے ہنر'' کے طعنے دیے جاتے رہے، جن میں سرفہرست مولانا سید محمد حمزہ حسنی کی ذات گرامی تھی۔

مولانا ندوے کی مادی ترقی کے ساتھ ساتھ تعلیمی ترقی کے لئے بھی کوشاں رہتے، ایک موقع پر جب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دو طالبعلموں نے سعودی سفارت خانہ کی طرف سے منعقد کل ہند عربی خطابت کے مسابقہ میں، بالترتیب اول ودوم پوزیشن حاصل کی تھی، جامعہ ملیہ دہلی کے پرشکوہ ہال میں منعقد اس پروگرام میں فدوی ندوہ کی نمائندگی کے لئے موجود تھا، پروگرام کے بعد ندوی فضلاء جن میں پیش پیش مرحوم پروفیسر ولی اختر ندوی تھے، نے جہاں اس کامیابی پر مبارکباد دی وہیں عربی زبان وادب اور بالخصوص خطابت کے رنگ وآہنگ کے سلسلہ میں کچھ مفید مشورے بھی دیے، ان مشوروں اور تجاویز کو مولانا کی خدمت میں پیش کرنے کے بعد میں نے عرض کیا:

''ندوے کو عربی زبان کی تعلیم وتدریس میں امتیاز حاصل ہے، اور ہر زبان کی طرح عربی زبان میں بھی کافی تبدیلیاں آئی ہیں، طلبہ کو ان تبدیلیوں سے واقف

کرانے کے لئے جدید عرب ادباء اور صحافیوں سے براہ راست فائدہ اٹھانا چاہیے، اگر فی الوقت براہ راست ممکن نہ ہو تو کم از کم پروجیکٹر کے ذریعہ ہی ان کی تقریریں، اور محاضرے طلبہ کو سنوانا چاہئے کہ زبان کی تحصیل اور بالخصوص خطابت کی مشق میں سننے کا بھی بڑا کردار ہے۔"

مولانا نے فرمایا: یہ تو بہت اچھی بات ہے، لیکن آپ صرف پروجیکٹر پر قناعت کیوں کریں، عالم عربی کے نامور خطیبوں اور ادیبوں کو ندوے میں آنے کی دعوت دینی چاہئے، تاکہ وہ محاضرات پیش کریں اور طلبہ براہ راست ان کو سنیں، اور ان کے لب ولہجہ سے فائدہ اٹھا سکیں۔

افسوس کہ مولانا کو یہ موقع نہ مل سکا، ورنہ وہ اس خاکہ میں بھی رنگ بھرنے کا حوصلہ رکھتے تھے، عرب علماء کے تذکرہ سے یاد آیا کہ مکتوبات مولانا ابوالحسن علی ندوی رح کے حواشی میں آپ نے عرب کے علماء، ادیبوں، قائدین، سیاستدانوں، صحافیوں اور اہل اللہ کا جو مختصر اور جامع تذکرہ پیش کیا ہے، وہ جہاں مختصر خاکہ نگاری پر مولانا کی غیر معمولی قدرت کی گواہ ہے وہیں اس سے عالم عربی اور اس کی شخصیات سے مولانا کی گہری واقفیت، دقیقہ رسی، وسعت نظر اور وسعت مطالعہ کی دلیل ہے، اس لئے کہ جن شخصیات پر حواشی تحریر کئے گئے ہیں (اور ان کی تعداد سینکڑوں میں ہے) وہ معاصر شخصیات تھیں، جن میں سے کچھ کی وفات ماضی قریب میں ہوئی تھی تو بہت سے اس وقت تک باحیات تھے، ظاہر ہے کہ ان کی زندگی اور کارناموں کی تفصیل کسی مستند تحریری مرجع میں دستیاب ہونے کی توقع رکھنا عبث تھا، اس کے باوجود مولانا کا ان شخصیات پر ایسا جامع تبصرہ ان کا غیر معمولی کارنامہ تھا جس کی داد کوئی باذوق اور عالم عربی سے گہری واقفیت رکھنے والا ہی دے سکتا ہے، ان حواشی کی ایک خوبی اس کا سادہ لیکن دلکش اسلوب، موزوں اور معاصر الفاظ کا انتخاب، اور غیر جانبداری ہے، جس کی تفصیل بیان کرنے کے لیے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔

مولانا علیہ الرحمہ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ کی علمی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کی دینی، اخلاقی اور فکری تربیت کی بھی بڑی فکر دامنگیر رہتی تھی، یہ احساس ذمہ داری وفات سے کچھ پہلے اور دو چند ہو گیا تھا، چنانچہ ہم نے دیکھا کہ وہی شخص جن کے عزم آہن پر مہرباں اور کرم فرما "سرد اور یخ بستہ جذبات" کی پھبتی کستے تھے، اساتذہ کے سامنے زار و قطار روئے جا رہے ہیں، اور ان کو طلبہ کے دین وعقیدہ کو بچا لینے کہ دہائی دے رہے ہیں کہ وہ ہمارے پاس قوم کی امانت ہیں۔

حیات مستعار کے آخری ایام میں مولانا پر تاریخ ندوہ کی تیسری جلد کو تیار کروانے کی فکر غالب آگئی تھی، جس کے لئے وہ بے قرار رہنے لگے تھے، اس کے لئے انہوں نے مولانا نذر الحفیظ رحمہ اللہ کو ایسا مہمیز کیا کہ مولانا کی راتوں کی نیند اڑ گئی، پھر مولانا نذر الحفیظ صاحب نے کام کا مکمل منصوبہ تیار کر کے ضرورتوں کی فہرست ان کے سامنے پیش کی، مولانا نے فوراً سے پیشتر تمام انتظامات مکمل کروائے، کام پورے جوش وخروش کے ساتھ شروع ہو گیا، مولانا مسلسل اس کی رپورٹ لیتے رہے، لیکن خدا جانے مولانا کے اندر کیسی بے چینی تھی کہ مرض الوفات سے چند دن پہلے عصر کی نماز کے بعد میں ان کے سامنے سے گذر رہا تھا، مجھے اشارہ سے طلب کیا، اور پھر تاریخ ندوہ کی داستان چھیڑ دی کہ اس کام کی تکمیل میں مسلسل تاخیر ہوتی گئی، اب تاخیر نہیں ہونی چاہیے، تم بھی اس کام میں دلچسپی لو، میں نے ان کی پوری گفتگو مولانا نذر الحفیظ صاحب کے گوش گذار کر دی، پھر مولانا ہی کے ایماء پر مولانا نذر الحفیظ صاحب نے ایک ٹیم کی تشکیل دی جس میں احقر کو بھی شامل کیا گیا تاکہ مختلف افراد کو مختلف موضوعات سپرد کیا جا سکے، لیکن مشیت الٰہی کچھ اور تھی کہ یہ دونوں ندوہ کی تاریخ کی تیسری جلد تیار کرنے کے بجائے، اس تاریخ کی اس جلد کا حصہ بنیں، اور ایک ماہ کے اندر دونوں اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔

مولانا حمزہ حسنی ندوی رحمہ اللہ کی زندگی سراپا وہ دعا تھی جو مولانا محمد علی رحمہ اللہ نے اپنے لئے کی تھی:

اللہ ہی کے رستہ میں جو موت آئے تو اچھا
اکسیر یہی اک دعا میرے لئے ہے

رحمة الله رحمة واسعة.

مولانا محمد فرمان ندوی
استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ

میدان علم ومعرفت کی ایک گمنام شخصیت

علم و معرفت، تقوی و طہارت، سنجیدگی اور حقیقت بیانی، عقل وقلب کی جامعیت یہ بنیادی اوصاف ہیں، جو خانوادۂ علم اللہی کا شروع ہی سے امتیاز رہے ہیں، شیخ قطب الدین مدنیؒ کے ذریعہ ہندوستان میں یہ نسل پھیلی، اور اس کی متعدد شاخیں قائم ہوئی، ان میں علم وفضل میں تکیہ کلاں رائے بریلی میں آباد افراد ایک الگ شان کے مالک ہیں، حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ کا سنت نبوی سے عشق، حضرت سید احمد شہیدؒ کا شوق جہاد، حضرت مولانا حکیم سید عبد الحی حسنیؒ کی مؤرخانہ نظر، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کی جامعیت وعبقریت اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی معاملہ فہمی ودور بینی، حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کا اخلاص وللّٰہیت ہر ایک صفت عوام وخواص کے لئے نمونہ اور راہ عمل ہے، ان جواہر پاروں اور کہکشاں کے درمیان صاف و شفاف زندگی گذارنے والی اور اعلی خوبیوں اور اقدار کی امین شخصیت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ تھے۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ مشہور صاحب نسبت عالم، شاعر وادیب حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ کی نرینہ اکلوتی اولاد تھے، خدا رسیدہ والد نے اس در نایاب کو بڑی تمناؤں اور آرزؤں کے ساتھ پالا، اور (یارب دل! حمزہ کو ایمان ویقین سے بھر) جیسی پُر اثر مناجاتوں کے ذریعہ پرورش کی اور تعلیم وتعلم سے آراستہ کیا، مولانا نے گھریلو تعلیم کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں عالمیت وفضیلت کی تعلیم حاصل کی، اور لکھنؤ یونیورسٹی سے بھی بی اے کیا، اور اپنے والد کے کاموں کی توسیع واشاعت میں مشغول ہوگئے۔ مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ کو آگے بڑھانے اور دینی کتابوں کی اشاعت میں غیر معمولی دلچسپی لی، چنانچہ کئی درجن کتابیں جو دینی اصلاحی اور علمی موضوعات پر ہیں شائع ہوکر مقبول ہوئی، وہ ۲۰۰۰ء سے ندوۃ العلماء کے ناظر عام کی حیثیت سے کام کرتے رہے، ۲۰۱۸ء میں نائب ناظم منتخب کیے گئے، اور ۲۰۲۱ء میں راہی آخرت ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

علم ومعرفت کے ماحول میں مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نے اعلی مقام حاصل کیا، لیکن وہ گمنامی میں رہے، شروع ہی سے سنتوں اور اوراد ووظائف کا اہتمام رہا، والد گرامی حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کی روحانی تربیت، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کی شفقت وعنایت بطور خاص حاصل رہی، چونکہ آپ کے والد ماجد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے مجاز تھے، اس لئے حضرت شیخ کی روحانی توجہ ان پر بھی رہی، اور دعاؤں سے بھی نوازتے رہے، اور ان کے خلف الصدق مولانا محمد طلحہ کاندھلوی نے مزید محبت وشفقت سے نوازا۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ تقریباً ۴۰ سال تک ماہنامہ رضوان کے ایڈیٹر رہے، یہ ماہنامہ ۱۹۵۶ء میں خواتین کی اصلاح وتربیت کے لئے حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے جاری کیا تھا، جب مولانا حمزہ حسنیؒ نے ہوش سنبھالا اس ماہنامہ کو بام عروج پر پایا، تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے والد ماجد کی معاونت میں رہے، اس درمیان رسالہ کے کئی خاص نمبر نکالے، جن میں امہات المؤمنین نمبر، صحابیات نمبر وغیرہ یہ سب ان کے صلاح باطن اور تعمیری فکر کی

دلیل ہیں، کیونکہ مولانا کا عقیدہ تھا کہ خیر القرون کو جب تک اپنی زندگی کے لئے آئیڈیل نہیں بنایا جائے گا، اس وقت تک دل کی پاکیزگی کا سامان فراہم نہیں ہو سکتا، ایک مرتبہ عام گفتگو میں کہا کہ تقریر و خطابت میں اگر سیرت کے صرف واقعات کو صرف بیان کر دیا جائے تو اس کا بڑا اثر ہوتا ہے چہ جائے کہ ان کی تشریح کی جائے، عام طور سے خطباء و مقررین ایک دو واقعات کو اپنی تقریروں میں دہراتے رہتے ہیں، جب کہ تعمیر سیرت و کردار میں سیرت رسول اکرم اور سیرت صحابہ ؓ سے بہتر کوئی مؤثر ذریعہ نہیں، اسی طرح ماہنامہ رضوان میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ؒ کی وفات پر قیمتی مضامین شائع کئے، اور حضرت شیخ کے خلیفہ مجاز اپنے والد ماجد پر خاص نمبر نکالا، جس میں ان کی ربانی زندگی کے درخشاں نقوش کو پیش کیا ہے، وہ طالبین راہ سلوک کے لئے قیمتی سوغات ہیں۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ؒ کی ربانی زندگی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ انہوں نے امام ہجرت و جہاد حضرت سید احمد شہید ؒ کی شخصیت کو اپنے لئے نمونہ بنایا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی تحریر کردہ کتاب (سیرت سید احمد شہید ؒ دو جلدیں) بالاستیعاب پڑھی، اور ایک ایک واقعہ کو ازبر کیا، اور اس کی ایسی جامع تلخیص کی کہ دو سو پچیس صفحات میں دریا کو کوزہ میں بند کرنے کی مثال قائم کر دی، ایک موقع پر میں نے اس کتاب کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ حضرت مولانا نے پوری کتاب حرف حرف پڑھی اور اس تلخیص کو سراہا، جو میرے لئے بڑی سند تھی، پھر میں نے اس کی طباعت کا اہتمام کیا، وہ کتاب مولانا عبد اللہ عباس ندوی ؒ (سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء) کے مقدمہ سے مزین ہو کر ۲۰۱۰ء میں منظر عام پر آئی، مولانا نے مصنف کتاب کے بارے میں لکھا ہے:

''عزیز موصوف کو سوانح نگاری اور خاص طور پر اہل قلوب بزرگوں کی سوانح لکھنے کا ذوق وراثت میں ملا ہے، عزیزی مولوی حمزہ میں اپنے والد کے تمام موروثی اثرات موجود ہیں، خاموش طبیعت اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے بیتاب دل اور چشم نم کی دولت ان کو وراثت میں ملی ہے، انہوں نے بڑی جگر کاوی سے ضخیم داستان خون چکاں کو مختصر کیا ہے، اختصار کے لئے ضروری ہے کہ کوئی اہم بات چھوٹنے نہ پائے، اور تحریر طویل بھی نہ ہو، اس کے ساتھ یہ شرط ہے کہ مختصر کرنے والے کو موضوع کتاب سے مناسبت ہو، جہاں تک عزیز مولوی حمزہ حسنی سلمہ اللہ کی ذات کا تعلق ہے تو ان کے متعلق یہ کہنا کافی ہے کہ:

ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

ان کے اختصار میں فنی مختصر نویسی کی نمائش نہیں ہے، بلکہ ایک مستقل تالیف اور جامع مرقع ہے، واقعہ نگاری میں حقیقت پسندی سے ہر جگہ کام لیا ہے''

(مقدمہ کتاب)

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی ؒ کو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ؒ سے خاندانی روابط کے ساتھ روحانی تعلق خاطر بھی تھا، اس کا اظہار ان کے جمع کردہ مکتوبات سے ہوتا ہے، حضرت مولانا کی حیات ہی میں ان کے جمع و ترتیب کا کام شروع کر دیا تھا، اور شخصیات کے تعارف میں بہت جامع نوٹ تحریر کئے ہیں، وہ اپنی ایجاز بیانی میں اپنی مثال آپ ہیں، ان خطوط میں حضرت مولانا نے مختلف المزاج شخصیات کو ان کے حسب حال مشورے دیئے ہیں، اور باطنی اصلاح کے خواہاں افراد کی رہنمائی کی ہے، علمائے ربانی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ؒ، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری ؒ، حضرت مولانا محمد احمد پھولپوری ؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب ؒ، حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی ؒ کے تذکرے اس کتاب میں ان کی ربانی زندگی کے ترجمان ہیں۔

مولانا حمزہ حسنی ندوی حضرت مولانا کے شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ عبد القادر ؒ رائے پوری سے فطری طور پر قریب تھے، اس لئے ان کے ایک خلیفہ صوفی انعام اللہ لکھنؤی ؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے

تھے، حضرت صوفی رحمۃ اللہ علیہ نے وفات سے پہلے ۱۹۹۹ء میں ان کو اجازت بیعت و ارشاد سے نوازا، اور تصوف وسلوک میں اپنا مجاز بنایا، یہ عظیم ذمہ داری تھی، حضرت مولانا کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے سراہا، اور ذمہ داری کا احساس دلایا، خاندان کے بعض افراد سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ مولانا حمزہ حسنی ندویؒ نے ایک رقعہ میں ازراہ دعا حضرت مولانا کو لکھ کر بتایا کہ ایک لاکھ تسبیحات پوری ہوئی ہیں، تو حضرت مولانا نے ان کو بے پناہ دعاؤں سے نوازا، اور روشن مستقبل کی توقع رکھی، میدان تصوف میں مولانا سید محمد حمزہ حسنیؒ سے روحانی استفادہ کرنے والوں میں ایک نمایاں نام مولانا نثار الحق ندویؒ کاتب خاص حضرت مولانا تھے، جن کو مولانا حمزہ حسنیؒ نے اجازت بیعت وارشاد دی تھی، اور انہوں نے اس کا فیض جاری رکھا، اور تاحیات لوگوں کے لئے رشد وہدایت کا ذریعہ رہے۔

ان کے علاوہ مولانا عبدالحسیب سیتاپوری ندویؒ کا بھی نام ہے جن کو انہوں نے اجازت بیعت سے سرفراز کیا۔

مرشد الأمت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ نے دوسال قبل مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کو اپنا مجاز بنایا، اور تمام سلسلوں سے بیعت کرنے کی اجازت دی تھی، مولانا کا تواضع یہ تھا کہ وہ اپنی اس صلاحیت کو چھپاتے تھے، وہ گمنامی کی زندگی گذارنا چاہتے تھے، لیکن انتظامی لحاظ سے ان کو کبھی کبھی رونق اسٹیج ہونا پڑتا تھا، میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی معمولات کے بڑے پابند تھے، تسبیحات کا پورا اہتمام کرتے تھے، ان کا دل شفاف آئینہ کی طرح تھا، میں نے دیکھا کہ جب وہ دوا استعمال کرتے تھے تو دوا پر کچھ اوراد پڑھ کر دم کرتے تھے، پھر استعمال کرتے تھے، ان کا یہ عمل اعلی درجہ توکل اور اعتماد علی اللہ کا غماز ہے کہ دوا میں شفا نہیں، بلکہ اللہ تعالی کی ذات شفا دینے والی ہے۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی دار العلوم کے طلباء کو تعلیم میں انہماک کے ساتھ اپنی اخلاقی زندگی بہتر بنانے کی طرف بھی متوجہ کرتے رہتے تھے، ان کا براہ راست طلباء سے تعلق نہیں تھا، لیکن اساتذۂ دار العلوم اور نگراں حضرات سے انفرادی ملاقاتوں میں یہ موضوعات زیر گفتگو رہتے، طلباء میں اخلاقی برائیوں کے ساتھ فکری انحراف نہ آئے، اسلاف سے حسن ظن رہے، اس کے لئے دار العلوم میں متنوع اصلاحی پروگرام تشکیل دینے کا مشورہ دیتے، وفات سے ایک سال قبل طلباء دار العلوم کے درمیان صحابہ کرامؓ سے متعلق ایک مسابقہ کرایا، جس میں طلباء نے بڑی تعداد میں حصہ لیا، اس عمل سے ان کی فکری سلامتی میں بھی اضافہ ہوا۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ دار العلوم کے اساتذہ کے علمی اور عملی معیار کو بہت اونچا رکھنے کی فکر کرتے تھے، لاک ڈاؤن کے زمانہ میں جب آن لائن تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تو اساتذہ کے گھنٹوں میں سیکشن

> مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ تقریباً ۴۰ سال تک ماہنامہ رضوان کے ایڈیٹر رہے، یہ ماہنامہ ۱۹۵۶ء میں خواتین کی اصلاح وتربیت کے لئے حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے جاری کیا تھا، جب مولانا حمزہ حسنیؒ نے ہوش سنبھالا اس ماہنامہ کو بام عروج پر پایا، تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے والد ماجد کی معاونت میں رہے، اس درمیان رسالہ کے کئی خاص نمبر نکالے، جن میں امہات المؤمنین نمبر، صحابیات نمبر وغیرہ یہ سب ان کے صلاح باطن اور تعمیری فکر کی دلیل ہیں، کیونکہ مولانا کا عقیدہ تھا کہ خیر القرون کو جب تک اپنی زندگی کے لئے آئیڈیل نہیں بنایا جائے گا، اس وقت تک دل کی پاکیزگی کا سامان فراہم نہیں ہوسکتا۔

نہ ہونے کی وجہ سے ایک حد تک کمی آئی، اس سلسلہ میں مولانا حمزہ حسنیؒ کی یہ فکر رہی کہ اساتذہ علمی ودعوتی کاموں میں مشغول رہیں، مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کے زیر انتظام جہاں نئے مسائل کی تحقیق کرنے کا مشورہ دیا، وہیں دوسری طرف نئے محققین کی ایک کھیپ تیار کرنے کی فکر رکھی، بحمد اللہ آج ان کے بنائے ہوئے خطوط کی روشنی میں مجلس کے ناظم مولانا عتیق احمد بستوی (استاذ حدیث دار العلوم) کی سربراہی میں نئے اسکالرز کی ایک ٹیم تیار ہوگئی ہے، جو قرآنیات پر کام کررہی ہے، دوسری طرف وکلا کی ماہانہ نشستیں بھی منعقد ہورہی ہیں، جس میں انہیں تفہیم شریعت سے روشناس کرایا جارہا ہے، کلیۃ الدعوۃ کے زیر انتظام مولانا نے شہر کی مساجد کو جوڑنے کا اہتمام کیا، اور اساتذہ دار العلوم کو اس کی طرف متوجہ کیا، بحمد اللہ اس کی افتتاحی دعوتی نشست خود ان کی سربراہی میں منعقد ہوئی، اور کچھ عملی اقدامات ہوئے۔ مولانا نے راقم سطور کو ایک موقع پر "قرآنی خواتین" پر کام کرنے کا مشورہ دیا، ماشاء اللہ اس کی ابتدا مولانا کی زندگی میں کردی تھی، اور اس مضمون کی ایک قسط تعمیر حیات میں شائع بھی ہوئی۔

قلب وعقل کی جامعیت رکھنے والی ندوۃ العلماء کی نمائندہ شخصیت سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ سے مولانا سید محمد حمزہ حسنیؒ کو بڑی عقیدت تھی، وہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی روحانیت کے قائل تھے، حضرت تھانویؒ کی خدمت میں ان کی حاضری کو بڑے اہتمام سے ذکر کرتے تھے، اسی تعلق کا اثر ہے کہ مولانا نے ایک دن مجھ سے فرمایا کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے خلیفہ مولانا غلام محمد حیدرآبادیؒ نے "تذکرہ سلیمان" لکھی ہے اور مولانا شاہ معین الدین ندویؒ نے "حیات سلیمان" لکھی ہے، دونوں طویل اور مفصل ہیں، ندوۃ العلماء کی طرف سے ابھی تک حضرت سید صاحب پر کوئی کتاب مرتب نہیں کی جاسکی، تم ایسا کرو کہ دو سو صفحات میں ان کی جامع سوانح عمری لکھو، شاید وہ ساعت ساعت اجابت تھی، میں نے ہامی بھرلی، اور اللہ تعالی نے توفیق دی، دوسرے ہی دن ان کو خطہ بنا کر دکھایا، مولانا نے پسند کیا، اور فرمایا کہ جلد کام مکمل کرو، مرض الوفات سے پہلے عرض کیا کہ ماشاء اللہ کام مکمل ہوگیا ہے تو بہت خوش ہوئے اور ایک دو اور کاموں کی نشاندہی کی۔ بحمد اللہ وہ کتاب (سوانح سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی) کے نام سے دو سو صفحات میں مرتب ہوگئی ہے، اور حضرت ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے مقدمہ سے مزین ہے اور منتظر اشاعت ہے۔

ربانی زندگی میں قلت کلام، قلت منام، قلت طعام اور قلت اختلاط مع الانام کو بڑا دخل ہے، صوفیاء نے لکھا ہے کہ زبان، کان اور آنکھ یہ دل کے دروازے ہیں، ان دروازوں کی جس قدر حفاظت ہوگی، اسی قدر دل صاف وشفاف رہے گا، مولانا حمزہ حسنی ندویؒ نے اپنی زندگی کو اس پہلو سے آراستہ کرنے کی کوشش کی، وہ کم گوئی میں مشہور تھے، بقدر ضرورت کلام کرتے تھے، اور کم آمیزی بھی ان کا وطیرہ تھا، کیونکہ ہر طرح کے لوگوں سے میل جول میں دل کا متاثر ہونا یقینی ہے، پھر بھی انتظامی طور پر اگر متنوع قسم کے لوگوں سے ملنا ہوتا تو ذکر واذکار کے ذریعہ اس کی کثافتوں کو دور کرتے تھے۔

بلاشبہ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ نے علم وعمل سے بھرپور زندگی گذاری، دعوتی اور اصلاحی میدان میں قابل ذکر نقوش چھوڑے، دسیوں مدرسوں کی سرپرستی کی، مشورہ طلب کرنے والوں کو مفید مشورے دیے، اور ستر سال کی عمر میں دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ زندگی بھی خوشگوار اور موت بھی شاندار۔ (رمضان کا مہینہ، جمعہ کا دن اور عصر کے بعد کا وقت)

اللهم اغفرله و ارحمه وأنزله نزله في جنات الفردوس. و صلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله و أصحابه و بارك وسلم.

○○○

قاری طٰہٰ اطہر ندوی
دار العلوم ندوۃ العلماء

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ: ایک عظیم انسان اور سچے عاشق رسول و محب صحابہؓ...

اٹھائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

اللہ تعالیٰ کا یہ نظام ہے کہ جو بھی اس دنیا میں آیا ہے اس کو ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **کل نفس ذائقة الموت**، ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ لیکن دنیا کا یہ بھی دستور ہے کہ جو عظیم شخصیتیں اور عظیم انسان اس جہان سے رخصت ہوتے ہیں وہ لوگوں پر اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کے گہرے نقوش چھوڑ جاتے ہیں، پھر دنیا ایسی عظیم شخصیتوں اور اعلیٰ انسانوں کو ایک مدت تک یاد رکھتی ہے اور ان کے کارناموں کو کبھی بھی فراموش نہیں کرپاتی:

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کیلئے

آج جب میں اپنے محسن و مشفق حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر جمیل کو صفحۂ قرطاس پر قلمبند کررہا ہوں تو ایک ایک کرکے ساری یادیں اکٹھا ہورہی ہیں لیکن:

کس کس کا کروں ذکر، اور کیا کیا میں چھوڑ دوں
ہر ایک بات نصیحت ہے، ہر ایک بات سمندر

حضرت مولانا حمزہ حسنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ادارہ کے نائب ناظم بھی تھے، اور ہم سب کے سرپرست ورہنما بھی تھے۔ ان کی سرپرستی و رہنمائی میں دار العلوم ندوۃ العلماء رواں دواں تھا اور روز بہ روز ترقی کی منزلیں طے کررہا تھا۔ اسی بیچ کرونا کی سونامی آتی ہے اور دیکھتے دیکھتے ملک ہندوستان کے دیگر اسلامی مدارس سمیت ندوہ کے کتنے لعل و گہر اپنی چپیٹ میں لے لیتی ہے اور چمنستانِ علم اپنے قیمتی فرزندوں سے محروم ہوجاتا ہے:

زمیں کھا گئی آسمان کیسے کیسے

ابھی والد محترم کے جانے کا غم تازہ تھا کہ اگلے دن یہ جانکاہ خبر دل و دماغ پر بجلی بن کر گری کہ حضرت مولانا سید محمد حمزہ صاحب ہم لوگوں کو داغ مفارقت دے گئے۔ میں نے اپنے عزیز دوست مفتی مسعود حسن حسنی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء کو فون کیا، ادھر سے فون ریسیو ہوا، لیکن سوائے رونے کے اور کوئی آواز نہیں آرہی تھی، میں بھی ان کے ساتھ اس غم میں شریک ہوگیا۔ قضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور صبر وضبط کرنے کے سوا نہ کوئی چارہ ہے نہ اور کوئی حکم۔

یوں تو ہمارے والد محترم جناب ماسٹر اطہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں بہت سی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے وہ ہر مکتب فکر میں محبوب تھے، لیکن ان کا اپنے آپ کو علماء کی جماعت سے منسلک رکھنا اور بزرگ علماء کرام سے نیاز مندانہ تعلق رکھنا ہی ان کو عزت وفرحت بخشتا تھا۔ اسی تعلق کی وجہ سے انہوں نے ہم سب کو سن شعور سے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے متعارف ہی نہیں بلکہ ان کا گرویدہ بنادیا تھا۔

مجھے یاد ہے، آج سے 35 سال قبل جب میں نے قرآن مجید حفظ مکمل کیا اور پہلی بار تکیہ رائے بریلی اپنے والدین اور چھوٹے بھائی انجینئر محمد حسین اطہر۔ جو اس وقت بنگلور میں ایک کمپنی میں منیجر ہیں۔ کے ساتھ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت میری عمر دس گیارہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ میں اپنی تلاوت قرآن مردوں اور عورتوں کو سنا رہا تھا اور شاباشی و دعائیں لے رہا تھا۔ چھوٹا بھائی اپنے خاص انداز میں ایک انگلش نظم۔

فادن وا پینٹ۔ سنا کر سب کا دل موہ لے رہا تھا، اسی موقع پر میرے عزیز دوست مسعود حسنی جو اس وقت ضیاء العلوم کے مکتب کے طالب علم تھے اپنی تقریر سنا کر لوگوں کو مسحور کر رہے تھے۔

اس یادگار زیارت نے دل ودماغ پر ایسے گہرے اور پاکیزہ نقوش چھوڑے کہ پھر تکیہ کا سفر ہر سال رمضان المبارک میں والد صاحب کے ساتھ لازم ہوگیا اور حضرت کے خاندان سے تعلق میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

میرے والد رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق

حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے مسترشدانہ تھا۔ لیکن ان کے عزیزوں خاص طور پر مخدومی و معظمی مرشدی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی البسہ اللہ ثوب الصحۃ والعافیۃ، ان کے برادر معظم حضرت مولانا سید محمد ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ سے برادرانہ وعزیزانہ جیسا تھا۔ اور یہ تعلق آخری عمر تک باقی ہی نہیں رہا بلکہ اس میں دن بہ دن اضافہ، پختگی اور مضبوطی ہی آتی رہی۔

چند سال قبل کی بات ہے، والدِ محترم نے حضرت مولانا حمزہ صاحب سے ان کے والد حضرت مولانا ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعہ حمد وسلام ومناجات کو مجلس تحقیقات سے اچھے کاغذ پر چھپوانے کی درخواست کی تو مولانا نے بخوشی قبول کیا اور جب وہ چھپ کر آئی تو حضرت مولانا حمزہ صاحبؒ بہت ہی خوش ہوئے۔ اس وقت ان کی خوشی قابلِ دید تھی، وہ اپنی خوش طالعی پر نازاں بھی تھے، والد صاحب کی اس کوشش کے قدرداں بھی تھے اور شاید ان کے لئے دل سے دعا گو بھی۔

حضرت مولانا حمزہ صاحبؒ میرے والد صاحبؒ سے بالکل اپنے چچا کی طرح تعلق رکھتے تھے اور اسی طرح ان کا ادب ملحوظ رکھتے تھے۔ والد صاحب کی طبیعت خراب ہونے سے پہلے میں انہیں لے کر ندوہ گیا۔ انہوں نے حضرت ناظم صاحب اطال اللہ بقاءہ سے ملاقات کی، اس کے بعد وہ نظامت کی عمارت کی طرف آئے، اور مجھ سے کہا کہ مولوی حمزہ کو گاڑی پہ بلا لاؤ میں ان کے دفتر نہیں جا سکوں گا، چنانچہ میں گیا اور جیسے ہی میں نے ان سے والد صاحب کے بارے میں بتایا کہ وہ باہر گاڑی میں بیٹھے ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں وہ فوراً اپنی کرسی سے اٹھے اور والد صاحب کے پاس تشریف لائے اور کافی دیر تک گاڑی میں بیٹھ کر ندوہ سے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔ پھر مولانا سے فرمایا: ان شاء اللہ میں نظامت سے متعلق ضروری کاغذات لے کر حاضرِ خدمت ہوں گا۔ لیکن کسی کو کیا معلوم کہ نوشتہ تقدیر نے اپنے سینہ میں کیا چھپا رکھا ہے۔ کل کس نے دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وما تدری نفس ماذا تکسب غدا.** اگلے ہی دن مولانا کی طبیعت خراب ہوئی اور تقریباً تین مہینہ صاحبِ فراش رہ کر مولانا نے دنیا کو الوداع کہہ دیا:

نہ جی بھر کے دیکھا نہ کچھ بات کی
بڑی آرزو تھی ملاقات کی

والدِ محترم کی وجہ سے مجھ ناچیز کا بھی اس خاندان کے ہر فرد سے ذاتی تعلق ہوگیا اور اس وقت جو تعلق ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق ان کے والدِ محترم کا ہمارے والد سے انتہائی تعلق کی بناء پر تھا۔ اور میرے دل میں تو یہ تعلق عقیدت کی حد تک تھا اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ ان کے والدِ ماجد حضرت مولانا سید محمد ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے والد صاحب سے بے تکلفی کی بناء پر ہم بھائیوں کے لئے ایک منظوم دعا کہی تھی جو دعائے اطہر کے نام سے موسوم ہے جس میں انہوں نے اپنے خلوص ومحبت کا دل سے اظہار کیا ہے۔

حضرت مولانا حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے ندوہ آنے سے پہلے ہی ان سے کبھی خاتون منزل، کبھی مکتبہ اسلام اور کبھی تکیہ پر ملاقات کا شرف حاصل ہوتا لیکن میں ابھی تک ان کی ذاتی خوبیوں سے واقف نہ ہوا

تھا۔ یہ تو ابھی دو تین سال قبل جب ندوہ میں ایک فتنہ اٹھایا بالفاظ دیگر سر اٹھانے کی کوشش کی تو اس میں خاص طور سے حضرت مولانا حمزہ حسنی صاحبؒ نے بہت حکمت اور خوش اسلوبی سے اس فتنہ کو فرو کرنے میں جو رول ادا کیا میں اس سے بہت زیادہ متا ثر ہوا۔ اور پھر ان کی محبت گویا میرے دل میں گھر کرگئی۔ نہ جانے کتنی بار میں نے ان سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی، وہ دیر تک مجھ سے باتیں کرتے رہتے اور مجھ ناچیز سے اس طرح پیش آتے اور ایسی عزت دیتے کہ میں خود شرمندہ ہو جاتا۔

وہ ندوۃ العلماء جیسے عظیم ادارہ کے نائب ناظم جیسے بڑے ہی ذمہ دار عہدہ پر فائز تھے لیکن میں جب بھی ان کے ساتھ ہوتا تو وہ تواضع وانکساری اور بے تکلفی سے ایسے پیش آتے کہ میں بھول جاتا کہ وہ نائب ناظم ہیں۔ مولانا کو جب پیٹ کی تکلیف کی وجہ سے قبض یا اسہال کی شکایت ہوتی اور ساتھ میں کھانا ہوتا تو کہتے کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا تم اور مسعود کھالو۔ میں ان خوشگوار لمحات کو یاد کرتا ہوں تو یہ سوچ کر آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اور کلیجہ منھ کو آجاتا ہے کہ اتنی عظیم اور بلند مرتبہ شخصیت نے مجھ جیسے ناچیز اور کمتر انسان کو اپنی جلو میں جگہ دی۔ جس رمضان میں مولانا کا انتقال ہوا اسی رمضان سے پہلے کی بات ہے، ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر تھا، زمین اور پلاٹ کی بات چل نکلی۔ کہنے لگے: الحمدللہ! میرا کوئی پلاٹ نہیں، تمہارے والد سے میں نے تمہاری کالونی میں پلاٹ کے لئے نام لکھوایا تھا لیکن مجھ کو اطہر صاحب نے پلاٹ نہیں دیا۔ میں نے کہا: قرعہ اندازی سے پلاٹ دیئے گئے تھے۔ جن کا نام نکلا ان کو مل گیا۔ ورنہ آپ کو کیوں نہ دیتے لیکن وہ بار بار یہی کہتے رہے: الحمدللہ! میرے نام کا کوئی پلاٹ نہیں، جو بھی ہیں وہ مولانا ثانی حسنی سوسائٹی کے ہیں۔

آج کے اس دور میں جس کے پاس پلاٹ ہو وہ خوش ہوتا ہے اور اپنی اولاد کیلئے (کل من مزید) کا ورد کرتا ہے، اور نہ ہونے پر افسوس کرتا ہے۔ لیکن مولانا کے دل میں دنیا سے جو استغناء تھا۔ یہ خوشی اسی کی دلیل تھی۔ سچ ہے:

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں، غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

ان ہی دو تین سالوں میں مولانا کی ایمانی حمیت وغیرت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ان کے شب وروز کو دیکھ کر جو بات مجھے ان میں سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز نظر آئی وہ ہے اللہ کے رسولؐ اور آپ کے جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے سچی محبت اور ان کے تئیں جذبۂ جاں نثاری وفداکاری۔

ایک بار حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب المرتضی کا تذکرہ کرنے لگے اور فرمایا کہ جب لکھنؤ میں اس کتاب کے خلاف رافضیوں نے احتجاج کیا اور یہ کہا کہ اس میں شیخین کا دفاع کیا گیا ہے، اس موقع پر مولانا نے کہا تھا: الحمدللہ! مجھ کو شیخین رضی اللہ عنہما کا دفاع کرنے والا سمجھا گیا، میرا حشر شیخین کے ساتھ ہو اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے! یہ واقعہ سناتے ہوئے حضرت مولانا حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھیں نم تھیں اور آنسوؤں سے بھری آنکھیں ان کے دل میں پیوست صحابہ کرام کی محبت کی غماز تھیں۔ حضرات صحابہ کرام اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت تو ایمان کا تقاضہ ہے۔ مولانا کے سامنے جب بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ آتا تو آبدیدہ ہو جاتے۔ مولانا نافع صاحب کی کتاب ''حضرت معاویہ'' دو ضخیم جلدوں میں ہے اسے منگوا کر بتایا کہ اس کتاب کو میں نے حرف حرف پڑھا ہے اور نم دیدہ ہو کر کہنے لگے کہ اس شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کا حق ادا کر دیا ہے۔ صحابہ کرام پر (خاکم بدہن) تبرا بکنے کے سلسلے میں فرماتے کہ جس طرح ان مقدس ہستیوں پر تبرا بکنا جائز نہیں اسی طرح کسی کے لئے اس کا سننا بھی جائز نہیں۔ دفاع صحابہ میں ان سے جو ہو سکا آخر دم کرتے رہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ آج ہم میں کچھ بے وقوف اور نادان لوگ ایسے بھی ہیں جو تبرا بازوں کے ساتھ نہ صرف یہ کہ نشست

رکھتے ہیں بلکہ ان کی ہاں میں ہاں ملاکر ان کی تائید کرتے ہیں۔ **اعاذ نااللّٰہ منہم۔**

ندوہ میں جب یہ فتنہ اٹھا تو مولانا خاص طور پر اہل لکھنؤ سے بہت شکوہ کناں رہتے کہ ایک زمانہ تھا جب کوئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کچھ کہہ دیتا تو ماحول کشیدہ ہوجاتا۔ اب لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ ان کے سروں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

آخر رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں جمعۃ الوداع کے دن عصر اور مغرب کے درمیان کی مبارک گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا یہ نیک بندہ جو ایک عظیم انسان اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی اور فداکارانہ محبت کرنے والا تھا اپنے رب کے حضور جاملا اور ہم سب کو اکیلا اور تنہا چھوڑ گیا:

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا

اور ساتھ ہی ساتھ ہم سب کو یہ پیغام دے گیا کہ اس دنیا میں انسانوں کے آنے جانے کا سلسلہ جاری رہے گا لیکن خوش نصیبی چاہتے ہو تو اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھامے رہنا، اس کے دین کی نشرواشاعت میں لگے رہنا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرام سے سچی محبت کو اپنا شعار بنائے رکھنا، ان کے نقش قدم پر چلتے رہنا، ان کا دفاع کرتے ہوئے اپنے مشن میں لگے رہنا، اور یہ یقین اپنے دل میں بسالینا کہ ہماری عبادت، ہماری قربانی اور ہمارا جینا مرنا سب کچھ صرف اور صرف اللہ کے لئے ہے۔ ان **صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لِلّٰہ رب العلمین۔**

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھردے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے صاحبزادوں عزیزم رشید احمد حسنی اور سعید احمد حسنی کو ان کا سچا جانشین بنائے۔ آمین

○○○

چند برسوں قبل تک ہماری مائیں اپنے گھروں کو تعلیم وتربیت کا ذریعہ بنائے ہوئے تھیں ہر مسلمان محلّہ میں کوئی نہ کوئی گھر ایسا ضرور ہوتا تھا جہاں محلّہ کے بچوں اور بچیوں کو قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی اور نماز اور اسلامی عقائد سکھائے جاتے تھے، اور بچیوں کو خاص طور پر خانہ داری، سلائی، کڑھائی سکھائی جاتی تھی، غرض کہ یہ گھریلو مدرسہ دین کی تمام بنیادی باتیں اور زندگی کو اچھی طرح گزارنے کا طریقہ سکھادیتا تھا۔ لیکن اب کیا حال ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے یہ گھریلو مدرسے ناپید ہوچکے ہیں۔ ہماری نئی نسل کے ہاتھوں میں قاعدہ بغدادی، یسرنا القرآن، نورانی قاعدہ کے بجائے رنگ برنگے موبائل ہیں۔ زبانوں پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے بجائے فلم اداکاروں کے نام اور کام ہیں۔ یہ صورت حال کیا ہمارے لئے خطرہ کا باعث نہیں ہے۔ اگر ایمان ہمارے بچوں اور بچیوں کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے دلوں میں پیوست نہیں ہوئی، تو بحیثیت ملت اسلامیہ ہمارا وجود باقی رہ پائے گا۔ یا جانوروں کے ریوڑ کی طرح کھانا پینا اور زندگی گزارنا ہمارا مقدر ہوجائے گا۔ اگر ہم نے اس طرف فکر نہیں کی۔ اور اس صورت حال کو بدلنے کی کوشش نہیں کی تو کچھ دنوں کے بعد کوشش کرنے کا موقع بھی نہیں رہ جائے گا۔ ہر مسلمان مرد وعورت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کے بزرگوں کے ذریعہ ایمان واسلام کی جو امانت اس کو ملی ہے اپنی آئندہ نسل تک پہنچائے، اور جس طرح اس کے والدین نے اس کو مسلمان اور صاحب ایمان بنایا ہے اسی طرح وہ اپنے بچوں اور بچیوں کو صاحب ایمان بنائے، تبھی اسلام کی یہ دولت محفوظ رہے گی اور آئندہ نسل تک بخیر وخوبی منتقل ہوگی۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

مولانا محمد نفیس خاں ندوی
رفیق دارِ عرفات، مرکز مولانا ابوالحسن رائے بریلی

پس مرگ زندہ

انسان کے سینہ میں دھڑکتا ہوا دل، اعضاء و جوارح میں گردش کرتا ہوا خون، اور جسم خاکی میں حس و حرکت کا سلسلہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان زندہ ہے، یہ سلسلہ ختم ہوتے ہی انسان زندگی کے سبھی اسرار و رموز سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی موت تسلیم کرلی جاتی ہے، یہی مادی زوایہ نگاہ کا فلسفہ ہے، لیکن اسلام کے نزدیک موت و حیات کا فلسفہ دنیاوی اور مادی زاویہ نگاہ سے بالکل مختلف ہے، بعض افراد ایسے ہیں جو طبیعاتی اعتبار سے تو زندہ ہیں مگر حقیقتاً ان کا شمار مردوں میں ہوتا ہے، اس کے برعکس کچھ ایسے بھی ہیں جو ظاہراً تو مردوں کی فہرست میں ہیں لیکن در حقیقت وہ زندہ و جاوید ہیں، ان کا نام نامی، شخصیت و کردار، اور امتیازات و خصوصیات بنی نوع بشر کے سطح ذہن پر ابھرتے رہتے ہیں، نہ صرف یہ کہ ان کی حیات کے نقوش بلکہ موت کی آغوش میں ابدی نیند کا طریقہ بھی قرطاس ذہن پر مرتسم رہتا ہے۔ یہ مادی اور معنوی دونوں زاویہ نگاہ کے اختلاف وافتراق کی ایک خاص وجہ ہے چونکہ مادی اعتبار سے صرف حرکت و جود کو حیات تسلیم کیا گیا ہے، چاہے اس میں ذرہ برابر اچھائی ہو یا نہ ہو لیکن معنوی اعتبار سے اسلام اور قوانین اسلام کا نظریہ اس سے مختلف ہے اس لیے کہ اس میں انسانی زندگی اور اس کی شخصیت روحانی اقدار پر منحصر ہے یعنی اگر وجود فائدہ مند ہے تو حیات ہے اور اگر بے فائدہ ہے تو عدم حیات یعنی موت ہے۔

مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ انہیں منتخب شخصیات میں سے تھے جنھوں نے ظاہر بین نگاہوں میں موت کی چادر اوڑھ کر اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا، لیکن ان کی کاوشیں، ملی و دینی خدمات اور ان کے اعلی اخلاق و کردار نے انھیں حیات جاوید عطا کردی، چنانچہ جب بھی اصحاب عزیمت کا تذکرہ ہوگا، اہل فضل کے کمالات شمار کیے جائیں گے، اصحاب دل کی مجلسیں سجیں گی اور جب تاریخ ندوۃ العلماء کے منتشر اوراق یکجا کیے جائیں گے تو مولانا حمزہ حسنی کی زندگی ایک مثال کی طرح پیش کی جائے گی۔

مولانا ایک معزز خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، آباء واجداد علمی برتری و تفوق میں نمایاں تھے، آپ کے والد محترم، آپ کے اعمام واجداد بلکہ پورا خاندان علم و فضل میں نمایاں اور صدیوں سے منصب رشد وہدایت پر فائز ہے، ان سب نعمتوں سے متمتع ہونے کے باوجود آپ کے اندر تعلی وتکبر کا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا، سادہ مزاجی و تواضع اور تذلل وخاکساری آپ کی شخصیت کے عناصر ترکیبی ہیں جن کا بلا شبہ تعصب سے پاک ہر شخص قائل و مداح ہے۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کا شمار جلیل القدر علماء و مصنفین یا دیگر ماہرین فن میں گرچہ نہ تھا لیکن اپنے شخصی احوال وکوائف، غیرت اسلامی، اخلاص وللّٰہیت اورحسن انتظام میں ان طویل القامت شخصیتوں میں نظر آتے ہیں جو معنوی لحاظ سے عظمت کی بلندیوں پر متمکن ہیں، تعصب اور جانب داری کی عینک ہٹا کر کوئی بھی دیدہ بینا اگر مولانا کی زندگی کا مطالعہ کرے تو اس اعتراف حقیقت سے گریزاں نہیں ہوگا کہ مولانا اعلی اخلاقی قدروں کے پاسباں اور ان کے عملی مبلغ تھے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی خصوصی توجہ، بیعت واسترشاد اور پھر حضرت مولانا سید

ابوالحسن علی ندویؒ کی صحبت کیمیا اثر نے مولانا کو اس بلندی پر پہنچا دیا تھا جہاں سے دنیا اور دنیا کے طلبگاروں کی حقارت واضح ہوجاتی ہے۔

بغیر کسی مبالغہ کے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ آپ سادگی و وضع داری کے پیکر، اخلاص وللّٰہیت کے سراپا مجسم تھے، شرافت و خوداری، تواضع ،انکساری اور ملنساری آپ کی خاص پہچان تھی، جب بھی ملتے 'خنداں پیشانی سے ملتے ، اپنائیت وخلوص اور محبت کا اظہار فرماتے ،آپ خوش مزاج اور کم گو انسان تھے، مہمان نواز، کرم گستر اور بلند اخلاق کے مالک تھے، ملت کے لیے تڑپنے اور امت کے غم میں گھلنے والا دل آپ کے اندر تھا، تمام اوصاف وخصوصیات میں اخلاص وللّٰہیت آپ کی زندگی کا بہترین زیور ہے۔

مولانا مرحوم اپنی وضع قطع اور لباس میں نہایت سادہ لیکن وجیہ نظر آتے تھے، چہرہ پر ایک رعب اور ہونٹوں پر تبسم کی غیر مرئی لہریں ہوتیں، دور دور رہنے اور دور سے دیکھنے والے مرعوب رہتے اور بسا اوقات خشک مزاج بھی سمجھتے لیکن جب وہ قریب ہوتے، گفتگو کرتے، صحبت اٹھاتے تو شفقت بے پایاں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ پاتے۔

یقیناً آپ کم گو تھے لیکن ہمیشہ سچ بولتے اور مقصد کے تحت بولتے تھے، آپ تنہائی پسند تھے لیکن آپ کی تنہائی نہایت پاکیزہ اور ذکر الٰہی کے زمزموں سے لبریز تھی۔ آپ جلسوں اور سیمیناروں کی زینت نہیں تھے لیکن آپ کے حسن انتظام و حسن تدبیر کے بغیر ان جلسوں اور سیمیناروں کی کامیابی کی کوئی ضمانت نہ تھی، آپ نے قرآن وحدیث کی مسندیں نہیں سجائیں لیکن ان مسندوں پر اہل فضل وکمال کو لاکر متمکن ضرور کیا۔ شرعی علوم اور بدلتے ہوئے حالات پر آپ کی گہری نظر تھی، اہل علم کی تعلیمی سطح اور اہل سیاست کی سیاسی بساط سے اچھی طرح واقف تھے، وہ ذاتی طور پر موبائل کے ضرورت سے زیادہ استعمال اور سوشل میڈیا سے بہت جڑے رہنے کے قائل نہیں تھے لیکن علماء کے لیے حالات سے بے خبری کو مضر سمجھتے تھے، چنانچہ دیگر ذرائع سے وہ دنیا کے حالات سے واقف رہتے اور مختلف مجلسوں میں اپنی جچی تلی رائے پیش کرتے۔

مولانا مرحوم ندوۃ العلماء کے ایک حساس اور اہم ترین عہدہ پر فائز تھے، یہ عہدہ جلب منفعت کا بھی ذریعہ بن سکتا تھا اور نام ونمود کے حصول کا وسیلہ بھی لیکن مولانا نے اس عہدہ سے ذاتی یا خاندانی فائدہ اٹھانا تو دور کی بات کبھی اپنی خدمات کے عوض تنخواہ تک نہ لی، اس پر مستزاد ماتحتوں کی کڑوی کسیلی باتیں اور سخت وتیکھے تبصرے بھی برداشت کیے۔ آپ ندوۃ العلماء کے ناظر عام تھے اور نائب ناظم بھی، تدریسی وغیر تدریسی سارا عملہ آپ کے ماتحت تھا، اور اس اہم عہدہ پر رہتے ہوئے ہر کسی کی کو خوش رکھنا ناممکن تھا، اس لیے آپ نے ماتحتوں کی خوشی پر اپنے پروردگار کی خوشنودی کو ترجیح دی، اور کسی بھی طرح کی طرفداری ،مخالفت یا مداہنت کے بجائے وہ فیصلے کیے جنھیں انھوں نے ندوہ کے حق میں مفید سمجھا۔ انھوں نے ندوہ کے انتظامی سانچہ کو ایسا مضبوط کردیا تھا کہ ندوہ برسوں تک کامیابی کے منازل طے کرتا رہے گا۔ ان شاء اللہ

صلہ رحمی اسلامی تعلیمات کا ایک اہم جزء ہے، مگر اس کے واجبات قدرے شدید ہیں، یہی وجہ ہے کہ مذہبی احکام کی مکمل بجاآوری کرنے والے حضرات بھی اس سلسلہ میں کوتاہ رہتے ہیں، مگر مولانا کے نزدیک دیگر عبادات کی طرح صلہ رحمی کو بھی خاص اہمیت حاصل تھی ، وہ خاندان کے تمام افراد کے ساتھ مسلسل حسن سلوک کا معاملہ کرتے ، ہر چھوٹے بڑے فرد کی ضروریات اور حالات سے آگاہ رہتے اور اس کی تکمیل میں معاونت کے لیے ہمیشہ تیار رہتے۔ ان کے اخلاص ، گہری علمیت اور مذہبیت نے انھیں اعزا واقارب میں ممتاز کردیا تھا۔

ایک کامیاب انسان کی زندگی کا راز وقت کی پابندی بھی ہے، ایک حساس وباشعور انسان اپنے اوقات کو ہمیشہ کارآمد بنانے کی کوشش کرتا ہے، مولانا مرحوم اس وصف سے پوری طرح متصف تھے،وقت کی پابندی کے ساتھ وقت کا صحیح استعمال

کرتے تھے، انھوں نے اپنے اوقات کو اپنی ذمہ داریوں کے تحت تقسیم کر رکھا تھا، اور ان ذمہ داریوں کو ان کے اوقات میں ہی انجام دینے کے داعی تھے، وہ اہل تعلق کو بھی ضیاعِ وقت پر سخت تنبیہ کرتے اور ہمیشہ ان کی صلاحیتوں کا خیال کرتے ہوئے ان کو مختلف علمی وانتظامی ذمہ داریاں دیتے۔

ذریعہ معاش کے لیے ان کا ایک مکتبہ تھا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ندوہ کی کرسی پر بیٹھ کر انھوں نے مکتبہ کا کوئی معاملہ کیا ہو اور نہ کبھی مکتبہ میں بیٹھ کر ندوہ کی کوئی انتظامی گفتگو کی ہو۔ ندوہ کی انتظامیہ نے بطور تنخواہ ایک خطیر رقم کی پیشکش بھی کی تھی لیکن مولانا نے یہ کہہ کر معذرت کردی کی میں یہ ذمہ داری اللہ کی خوشنودی اور اپنے والدین کے بلندی درجات کے لیے ادا کرنا چاہوں گا۔

صریح غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ اہل علم اپنی تحقیقات وکثرت معلومات کی وجہ سے ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں، یا مصلحین وقت اور قائدین ملت کی کامیابی کا دارومدار ان کی حکمت ودانائی، لسانی قوت، سیاسی لیاقت اور حکمت عملی پر موقوف ہوتی ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی سرفرازی وسربلندی کا مکمل انحصار ان کے اخلاص للّٰہیت اور تعلق مع اللہ پر ہے، اور اس کسوٹی پر مولانا مرحوم کی ذات اولین فہرست میں ہے۔

دنیا کو ہیچ سمجھنے والا انسان ہمیشہ لقائے رب کا مشتاق رہتا ہے، اس لیے اس کو موت سے کبھی گھبراہٹ نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کا منتظر رہتا ہے، وفات سے قبل مولانا مرحوم جس مرض میں وہ مبتلا ہوئے اس نے ان کے لقائے رب کے شوق میں مزید اضافہ کردیا تھا، مراقبہ اور ذکر واذکار کا معمول ہمیشہ سے تھا لیکن اس مرض نے اس میں اور زیادتی کردی تھی۔

توحید ورسالت کی باتیں، صحابہ کرام کی محبت اور ان کے تذکرے، لقائے رب کا شوق اور آخرت کی کامیابی کی دعائیں، ان کے توشۂ آخرت میں بھی سب سے نمایاں تھے۔

سرزمین شاہ علم اللہ کے خمیر سے اٹھے اس پیکر اخلاص وللّٰہیت نے جمعہ کے مبارک دن، رمضان کے مبارک مہینہ ۲۳ویں تاریخ کو اس ہیچ وبے توقیر دنیا کو الوداع کہہ دیا اور ہمیشہ کی کامیابی وسرخروئی سے ہمکنار ہوگیا۔

يغفر الله لنا ولكم أنتم سلفنا ونحن بالأثر.

○○○

حرام مال سے بچنے کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے کیونکہ لوگ آسانی سے اس میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی عبادتیں ضائع ہوجاتی ہیں۔ اور دعا قبول نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”وہ گوشت اور وہ جسم جنت میں نہ جاسکے گا جس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہے اور ہر ایسا گوشت اور جسم جو حرام مال سے پلا بڑھا ہے دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے۔“ (مسند احمد)

حرام مال سے کیا گیا صدقہ اللہ رب العزت کے یہاں قبول نہیں ہوتا۔ حرام مال سے کیا گیا حج وعمرہ بھی قبول نہیں ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے دس درہم میں کوئی کپڑا خریدا اور اگر اس میں ایک درہم بھی حرام مال کا ہے تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا اس کی کوئی نماز اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں ہوگی۔ ہماری بہنیں اس پر ضرور غور کریں کہ ان کے شوہر کی کمائی کیسی ہے اور مسلسل ان کو توجہ دلاتی رہیں کہ حرام سے اپنی اور اپنی اولاد کی حفاظت کریں۔ بہنوں کا یہ فرض ہے کہ شوہر کی کمائی پر وہ قناعت کریں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں اور اپنے شوہروں سے کبھی ایسی فرمائشیں نہ کریں جو ان پر بوجھ بنیں اور پھسل کر ایسا مال کمانے لگ جائیں جو دنیا اور آخرت میں وبال بن جائے۔ اور اولاد بھی تباہ وبرباد ہوجائے۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

Maulana Mohammad Sani Hasani
Memorial Educational Society
P. Box No.-48, Dairah Shah Alamullah
Takia Kalan, Raebareli (U.P.)

مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی
پوسٹ بکس نمبر ۴۸
دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں، رائے بریلی۔ ۲۲۹۰۰۱

Under Management of
Maulana Mohammad Sani Hasani Memorial Educational Society

Jamia Ummul Momeneen Aisha-Lil Banat
Affiliated : Darul Uloom Nadwatul Ulama, Lko
Bara Kuwan, Rae Bareli

Madarsa Syed Ahmad Shaheed
Affiliated : Darul Uloom Nadwatul Ulama, Lko
Takiya Kalan, Rae Bareli

Safia Bano Memorial Girls Junior High School
Takiya Kot, Rae Bareli

Maulana Ali Miyan Rifahi Hospital
Qila Bazar, Rae Bareli

Evan-e-Fareedi (Musafir Khana)
Alimyan Chowk,
(Kaharon Ka Adda), Rae Bareli

مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی

کا قیام ۹ر رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۰ر جون ۱۹۸۲ء کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اور سوسائٹی شروع ہی سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے زیر سرپرستی اپنی خدمات انجام دے رہی ہے۔

سوسائٹی کے اغراض و مقاصد: مسلمانوں میں دینی و عصری تعلیم کا فروغ، اسلامی افکار و نظریات کا فروغ اور اس کی اشاعت، دینی شعور کو بیدار کرنا اور ایسے تعلیمی ادارے قائم کرنا جو مسلمانوں کو دینی و دنیاوی میدانوں میں ترقی کرنے اور ان کو ایک مفید عام شہری بنانے میں مددگار ثابت ہوں۔

سوسائٹی کے زیر انتظام ادارے: (۱) جامعہ ام المومنین عائشۃ الاسلامیہ للبنات، رائے بریلی (۲) محمد ثانی حسنی لائبریری رائے بریلی (۳) مدرسہ سید احمد شہید تکیہ کلاں رائے بریلی (۴) ایوان فریدی (مسافر خانہ) رائے بریلی (۵) صفیہ بانو گرلس اسکول (۶) مولانا علی میاں رفاہی اسپتال۔ ان کے علاوہ سوسائٹی مختلف جگہوں پر رفاہی کام انجام دے رہی ہے۔

آئندہ کے منصوبے

ملت ہاسٹل: مسلمان طلباء اور نوجوانوں کی ذہنی و جسمانی تربیت تاکہ وہ صحیح اسلامی خطوط پر رہیں اور فاسد ماحول سے محفوظ رہ سکیں۔

اسلامک اسکولوں کا قیام: مختلف علاقوں میں ارتداد کی ایک لہر ہے جس کے تدارک کے لئے ضروری ہے کہ اسلامک اسکولوں کا قیام عمل میں لایا جائے تاکہ وہاں ہر مکتبہ فکر کے بچے اپنے اسلامی تشخص کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ باقی رکھ سکیں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سوسائٹی کے بارے میں فرماتے ہیں: "مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی ہمارے شہر رائے بریلی کی ایک معروف سوسائٹی ہے جو تعلیمی، ثقافتی اور دعوتی میدان میں ایک عرصے سے نمایاں خدمات انجام دے رہی ہے اس کے افراد صحیح عقیدہ کے حامل تعمیری ذہن کے مالک اور دعوت اسلامی کا جذبہ رکھنے والے ہیں، میں نے سوسائٹی کے کاموں کو قریب سے دیکھا اور پسند کیا ہے، سوسائٹی اس بات کی بخوبی مستحق ہے کہ اہل خیر اس کے ساتھ مالی تعاون کریں، مجھے امید ہے کہ سوسائٹی آئندہ اور مفید ثابت ہوگی اور اس کو استحکام اور قوت نصیب ہوگی۔"

Address :
Maulana Mohammad Sani Hasani
Memorial Educational Sosiety
P. Box No.-48, Dairah Shah Alamullah
Takia Kalan, Rae Bareli (U.P.)

مولانا سید جعفر مسعود حسنی صاحب
جنرل سکریٹری
موبائل: 9115317670

Email : sanihasanisociety@gmail.com

ندوہ کا مدبر اور منتظم چل بسا

مولانا محمد نصر اللہ ندوی
استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ان دنوں ملک ہندوستان میں ہر طرف صف ماتم ہے، صیاد اجل نے کتنے لعل وگہر ہم سے چھین لیے، ایک انتقال کے بعد تعزیت سے فرصت نہیں ملتی، کہ دوسرا غم چھا جاتا ہے، ابھی معتمد مالیات جناب اطہر حسین صاحب کی جدائیگی کا غم تازہ ہی تھا کہ مولانا سید محمد حمزہ حسنی نائب ناظم ندوۃ العلماء کی ناگہانی موت نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا، ان کا انتقال ایک ایسے مدبر کی موت ہے، جس نے اپنی مدبرانہ صلاحیتوں سے ندوہ کو فیضیاب کیا، اور اس کے انتظامی ڈھانچے کو نئی توانائی بخشی، انہوں نے اپنی زندگی کے زریں لمحات ندوہ کو سجانے، سنوارنے اور اس گلشن علم ودانش کی آبیاری میں گزار دی، ندوہ ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، ندوۃ العلماء کے تعمیراتی خاکوں میں رنگ بھرنے کے لیے آپ نے بڑی جد وجہد کی، ندوہ کی مسجد کی موجودہ توسیع آپ کی فکرمندی اور ہنرمندی کا بہترین مظہر ہے، اس توسیع نے مسجد کے حسن میں چار چاند لگا دیئے، اور بندگان خدا کو اپنے رب کے سامنے سجدہ ریزی میں بڑی سہولت پیدا ہوگئی، ندوہ کے کئی ہاسٹلوں کی تعمیر میں ان کی فکرمندی اور توجہ کو خاص دخل تھا، ندوہ کے انتظامی امور کا محور آپ ہی تھے، تمام انتظامی معاملات آپ کے ذریعہ طے پاتے، دن رات آپ ندوہ کی تعمیر وترقی کے بارے میں سوچتے، پلاننگ کرتے، اور اہل خیر سے رابطہ کرتے، گویا آپ ندوۃ العلماء کا دماغ تھے، جس کے ہر گوشہ میں ندوہ بستا تھا، تمام تمام چیزوں پر وہ گہری نظر رکھتے اور حتی الامکان ان کی اصلاح کی فکر کرتے، انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو ندوہ کی اٹھان اور ترقی کیلئے استعمال کیا اور آخری دم تک ندوہ کیلئے فکرمند رہے، لیکن کبھی بھی ندوہ سے معاوضہ نہیں لیا، انہوں نے جو کچھ بھی کیا محض اخلاص اور اللہ کی رضاجوئی کیلئے کیا، اب وہ اس کا اجر پانے کیلئے اپنے رب کے حضور پہنچ چکے ہیں، رب کریم انہیں اپنے شایان شان بدلہ عطا فرمائے۔

مولانا محمد حمزہ حسنی کی شخصیت میں غیر معمولی سنجیدگی اور متانت تھی، ان کی ذات میں انتھاہ گہرائی تھی، نہایت کم آمیز اور کم گو تھے، ہمہ وقت تدبر اور تفکر کی کیفیت میں رہتے، بڑی سنجیدگی سے مسائل کو سنتے اور ان کا حل پیش کرتے، طبیعت میں بے پناہ تواضع اور ایسی سادگی تھی کہ اس کی مثال نہیں تھی، میں نے اپنی زندگی میں مولانا واضح رشید صاحب کے علاوہ ایسی سادگی اور تواضع کا نمونہ نہیں دیکھا، نہایت کم آمیز تھے، اخلاق میں نرمی تھی، چھوٹوں پر بہت شفیق اور مہربان تھے، ذاتی طور پر ناچیز کو آپ کی بہت شفقتیں اور عنایتیں حاصل رہیں، جب بھی میں کوئی علمی کاوش آپ کی خدمت میں پیش کرتا، بہت خوش ہوتے اور دعاؤں سے نوازتے، ایک مرتبہ شادی کی ایک تقریب میں مولانا سے ملاقات ہوئی، ان کے ساتھ ایک سینئر ندوی مولانا محمود لکھنوی بھی تھے، مولانا نے میرا ان سے ایسے بلند الفاظ میں تعارف کرایا، کہ میں پانی پانی ہوگیا، دراصل یہ مولانا کی حوصلہ افزائی کا نرالہ انداز تھا، جو اب نایاب ہوتا جارہا ہے۔

مولانا کی اٹھان نہایت پاکیزہ ماحول میں ہوئی تھی، آپ کے والد مولانا محمد ثانی حسنی ولی صفت انسان تھے، آپ کی والدہ

ماجدہ نہایت پاکباز اور خداترس خاتون تھیں، ایسے قدسی صفات والدین کے آغوش میں آپ کی پرورش ہوئی، چناں چہ للّٰہیت اور تقوی وطہارت آپ کی گھٹی میں رچ بس گئی، پھر مفکر مولانا علی میاں کی صحبت آپ کو نصیب ہوئی، جس نے آپ کو مزید نکھار دیا، عم محترم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی نظر عنایت نے آپ کو انتظامی امور کے اسرار ورموز سکھائے، مولانا واضح رشید صاحب سے آپ نے خاموشی کے ساتھ کام کرنے کا ہنر سیکھا اور مولانا سعید الرحمان اعظمی مدظلہ سے یکسوئی اور پوری تندہی سے اپنی ذمہ داری کو انجام دینے کا سلیقہ سیکھا، آپ نے ہمیشہ خود کو بڑوں کے تابع رکھا اور ان کی خواہش کے مطابق انتظامی امور کو نافذ کیا، آپ نے ہمیشہ اصول کی پاسداری کی اور ضابطہ کے تحت کام کیا، ممکن ہے اس سے کچھ لوگوں کو شکایت ہو، لیکن جب اصول وضابطہ کی بات ہوگی تو، ایسا ہونا فطری بات ہے، آپ کی انتظامی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے مولانا علی میاں کے دور میں آپ کو ناظر عام بنایا گیا، اور پھر دو سال پہلے مجلس منتظمہ نے آپ کو نائب ناظم کے عہدہ پر فائز کیا، اس عظیم الشان ذمہ داری کو آپ نے اخیر عمر تک بحسن وخوبی انجام دیا اور پھر اپنے مالک حقیقی کے پاس پہنچ گئے۔

انتظامی امور کے علاوہ قلم وقرطاس سے بھی آپ کا رشتہ مضبوط تھا، چالیس سال تک آپ ماہنامہ رضوان کے ایڈیٹر رہے اور اپنے قلمی نگارشات سے قارئین کو مستفید کرتے رہے، اس کے علاوہ تعمیر حیات کے نگراں بھی تھے، جس میں وقتاً فوقتاً آپ کے مضامین شائع ہوتے تھے، آپ کی تحریروں میں بڑی سادگی اور روانی ہوتی تھی، آپ کے قلم گہربار سے سیرت امہات المومنین اور تذکرہ صحابیات جیسی کتابیں بھی منظر عام پر آئیں، ان کے علاوہ سینکڑوں مضامین ہیں جو منتشر اوراق کی تہوں میں پوشیدہ ہیں، اگر ان کو جمع کردیا جائے تو بہت مفید کام ہوگا، مفکر اسلام مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط ورسائل کی ترتیب کا کام بھی آپ کر رہے تھے، اب تک تین جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں اور دو جلدیں زیر طبع ہیں، خدا کرے کہ یہ کام بھی جلد تکمیل کو پہنچے۔

آپ کی ملی اور سماجی خدمات کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے، دس سالوں تک آپ وقف بورڈ کے ممبر رہے، اور اپنی صلاحیت سے فائدہ پہنچاتے رہے، متعدد مسلم سیاسی رہنماؤں سے آپ کے تعلقات تھے، جن کے ذریعہ ملی امور میں مدد حاصل کرتے اور ملت کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے، لکھنؤ شہر کی اہم شخصیات سے آپ کے روابط تھے، ان سب کو ندوہ سے جوڑنے میں آپ نے اہم کردار ادا کیا۔

آپ کی ایک بہت بڑی خوبی جو اخیر میں دیکھنے میں آئی، وہ یہ کہ آپ نوجوانوں کو آگے بڑھاتے اور ان کی صلاحیت کا صحیح استعمال کرنے کی کوشش کرتے، اور ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کرتے، اخیر کے ایک سال میں یہ محسوس ہوا کہ آپ ندوہ کے مختلف شعبوں میں نئی روح پھونکنا چاہتے ہیں، اس کے تحت مجلس تحقیقات شرعیہ کی آپ نے نشاۃ ثانیہ کی اور مولانا عتیق احمد بستوی مدظلہ کو اس کا سکریٹری مقرر کیا، کلیۃ الدعوۃ والاعلام کو فعال بنانے پر زور دیا، اس کے تحت کچھ پروگرام بھی ہوئے، افتتاحی پروگرام میں مولانا بہ نفس نفیس شریک ہوئے اور پروگرام سے بہت خوش ہوئے، اس کے علاوہ مجلس تحقیقات ونشریات کے اسسٹنٹ سکریٹری بننے کے بعد اس کو بھی متحرک کیا، الغرض آپ کی پوری زندگی، علمی، ملی، سماجی اور انتظامی خدمات کیلئے وقف تھی، آپ کے انتقال سے ندوہ میں ایسا خلا پیدا ہوگیا کہ بیاں نہیں کیا جاسکتا، رب کریم آپ کی خدمات کو قبول کرے اور بہترین بدلہ عطا کرے۔ آمین

مولانا محمد ارمغان بدایونی ندوی
(باحث مرکز الامام ابی الحسن علی الندوی، تکیہ کلاں، رائے بریلی)

ایک بلند مقام شخصیت

خانوادۂ علم الٰہی کے گل سرسبد، مشائخ عظام کے منظور نظر، اصحاب نظر وارباب حل وعقد کے مرجع، تاریخ ندوۃ العلماء کے گل رعنا' حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ وفات بلاشبہ دنیائے علم وادب کا ایک عظیم خسارہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ مولانا نرم دم گفتگو گرم دم جستجو کی اعلیٰ مثال تھے، حلم وبردباری کا پیکر اور عفو ودرگزر کی منھ بولتی تصویر تھے، صبر وسماحت ان کی زندگی کا جوہر تھا اور ان کی پوری حیات تقویٰ وللّٰہیت کا سراپا تھی، حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک گمنام مگر بلند مقام شخصیت تھے، جنہوں نے اپنی خاندانی روایات کی آخر دم تک پاس داری کی اور اپنے اسلاف کی عظمت رفتہ کوفروزاں کیا۔

ہرلحہ کتاب وسنت کا لحاظ، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا جذبہ، حب اہل بیت ومحبت صحابہ سے لیس، حلال وحرام کی تمیز میں غیر معمولی حساس، صبر وشکر کے جذبہ سے معمور، توکل علی اللہ، اخفائے حال، عبدیت وانابت، تواضع وانکسار، دنیا سے بے رغبتی، سادگی وبے تکلفی، خلق خدا سے بے نیازی، مادیت سے توحش، سنجیدگی ووقار، قوت فیصلہ اور آہنی عزم جیسی بلند پایہ صفات سے مولانا کی حیات عبارت تھی، مگر ان کے ظاہری حال سے ان کی باطنی بلندی کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

مولانا کی نشو ونما اکابر علمائے کرام کے زیر سایہ ہوئی، ان کی تعلیم وتربیت ماہرین فن تعلیم وتربیت کے ذریعہ ہوئی، تصوف وسلوک کے منازل انہوں نے چوٹی کے مشائخ کی صحبت میں رہ کر طے کیے، پھر ان کی نشست وبرخاست ہر طبقہ کے لوگوں میں رہی، ان کے معاملات ہر طبقہ اور ہر سطح کے لوگوں سے ہوئے اور انتظامی عہدوں پر وہ عرصہ دراز تک فائز رہے، مگر ان تمام مراحل میں ان کی سیرت وکردار ایک شفاف آئینہ کے مثل تاباں ودرخشاں ہے، جس میں نہ بدعنوانی کا داغ ہے اور نہ عز وجاہ کی ہوس کا دھبہ، نہ بے انصافی کی چھینٹ ہے اور نہ اقربا نوازی کا تیشہ، بلکہ ان کی شخصیت ایک ایسی متوازن طرز عمل کی جامع ہے جو بالخصوص زعماء ودانشوران اور بالعموم ہر صاحب ایمان کیلئے اسوہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو معاملہ فہمی کی خداداد صلاحیت عطا فرمائی تھی، وہ جوش وجذبہ سے دور ہوکر ہر چیز کو بنظر غائر دیکھتے، مستقبل میں اس کے دور رس نتائج پر بطور خاص غور وخوض کرتے اور پھر کوئی فیصلہ کن بات صادر فرماتے، مولانا کم گو تھے مگر ان کی بات متن کا درجہ رکھتی تھی، گوشہ پسند تھے مگر ان کی مجلس کا ہر ہم نشیں ان کی شیریں بیانی کا معترف تھا، ذکر ومراقبہ کے عادی تھے مگر قوم وملت کے تئیں درد وفکر بھی رکھتے تھے، لیکن وہ زمینی آدمی تھے اور مردم ساز شخصیت تھے، اسی لیے پیروپیگنڈے اور میڈیا کی دنیا سے وہ ہمیشہ دور رہے اور انہیں اس بات کی فکر کبھی دامن گیر نہ ہوئی کہ کسی فتح یا کامیابی کا سہرا ان کے سر پر باندھا جائے، جب کہ علمی، سماجی، اصلاحی اور تعمیری سطح پر ان کی بے شمار ایسی کامیاب کوششیں رہی ہیں جن سے سب کو فائدہ ہوا اور وہ کوششیں ثمر آور ثابت ہوئیں۔

مولانا کی بیماری کے ایام بڑے صبر آزما گذرے، مگر ان ایام میں بھی مولانا صبر ورضا کا پیکر بنے رہے، آئی سی یو میں ایڈمٹ تھے اور ڈاکٹروں نے بولنے سے منع کیا تھا، مگر پھر بھی فرض نمازوں کی مکمل

پابندی رہتی اور ہمہ وقت زبان ذکر الٰہی سے تر رہتی اور عبادت کے لیے آنے والے ہر شخص سے بقدر استطاعت بات کرنے کی بھی کوشش کرتے، مولانا کو ان ایام میں اپنی ذمہ داریوں کا جذبہ احتساب مزید بڑھ گیا تھا، بالخصوص ندوۃ العلماء کے لیے ان کی فکر مندی بیماری کے ایام میں بھی آخری وقت تک رہی، ندوہ کا جو ذمہ دار بھی ملنے آتا تو فوراً اس سے محو گفتگو ہونے کی کوشش کرتے اور ضروری باتوں کی طرف توجہ دلانے کی فکر کرتے، مگر افسوس کہ ندوۃ العلماء کا ایک حساس وغیور اور باشعور سپوت اس سے اچانک رخصت ہوگیا، جس کی کمی کو ہمیشہ محسوس کیا جاتا رہے گا۔

○○○

آج کے اس مادہ پرستی کے دور میں جس میں اخلاقیات ختم ہوتی نظر آرہی ہیں ہمدردی وغمخواری کا فقدان ہے، دوسرے کے احساسات کا خیال رکھنا، اس کے ساتھ الفت ومحبت سے پیش آنا، یہ ایک خواب وخیال بن گیا ہے۔

آج کا فلسفہ ہے کہ اپنا بھی لو اور دوسرے کا بھی لو۔ اس مادہ پرستی کے دور کو نیکی کے دور میں انسانی ہمدردی وغمخواری کے دور میں الفت ومحبت کے دور میں آپ ہی بدل سکتی ہیں کیونکہ آپ گھر کی نگہبان ہوتی ہیں۔ شوہر کی غیر موجودگی میں آپ ہی گھر کی مالکہ ہوتی ہیں پورا گھر آپ کے زیر اثر ہوتا ہے آپ ہی کا حکم صرف گھر میں چلتا ہے۔

ایک ماں ہونے کے ناطے اپنے بچے کی صحیح تربیت کرنے کی ذمہ داری باپ سے زیادہ آپ پر عائد ہوتی ہے، کیونکہ بچے کا وہ وقت جب اس کو صحیح تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ وقت ماں کے پاس گزرتا ہے اگر آپ نے اس وقت بچے کی صحیح تربیت کی۔ اس کو صحیح ذوق دے دیا اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ ہونے کا احساس جگا دیا جھوٹ کی نفرت اس کے اندر بٹھا دی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ بھی سچ بولیں۔ کیونکہ بچہ کمسنی میں جو سیکھے گا آپ سے سیکھے گا، اور بچوں کو صحابہؓ کے دینی قصے سنا کر ان کے اندر جہاد کا شوق پیدا کرایئے صحابہ کرام ائمہ سلف کے واقعات سنا کر ان کے اخلاق نکھاریئے بہت سے واقعات ایسے ہیں کہ عورتوں نے بچوں تو بچوں اپنے شوہروں تک کی پختہ عادات کو چھڑوا دیا پختہ عقل کے مالک کی پختہ عادت چھڑوانا بہت مشکل کام ہے جب عورتوں نے یہ کام کر لیا، تو بچوں کی کمسنی میں رہنمائی کرنا اور آسان کام ہے، اگر آپ نے یہ آسان کام کر لیا اور بچوں کی دینی، ایمانی، اخلاقی تربیت کر دی۔ تو پھر آپ دیکھیں گی کہ صالح معاشرہ کیسے وجود میں آتا ہے کیونکہ صالح افراد ہی سے صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے، فرد کی زندگی سے جماعت کی زندگی وابستہ ہوتی ہے، افراد ہی جماعت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسانوں کی زندگی باہم مربوط ہوتی ہے، اگر ماں اپنے بچے کی صحیح تربیت کرتی ہے تو صالح معاشرہ کو وجود میں لانے میں بڑا ہاتھ اسی کا ہوگا، اور دنیا کی نظر میں وہ ایک بہترین ماں ہوگی۔ آج ایسی ماں کی ضرورت ہے جو اپنے بچے کی دینی، ایمانی، اخلاقی تربیت ایسی کرے کہ وہ بچہ انسانی دھارے کو جو غلط رخ پر بہہ رہا ہے صحیح رخ پر ڈلوائے، اور دنیا کو مادہ پرستی کے خول سے باہر نکال لے اور ہمدردی وغمخواری انسانی محبت کی چنگاری کو ہوا دے، اور انسانی اقتدار کا حامل بنائے تا کہ ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے، یہ چیز ناممکن نہیں ہے لیکن اس کے لئے ہماری ماؤں اور بہنوں کو آگے آنا ہوگا ان کے بغیر یہ ناممکن ہے۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

جناب محمد کلام الدین ندوی

معاون انچارج مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

میرے مشفق ومربی

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ دیارِ رحمت میں

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ بہترین صلاح کار اور مشیر تھے، قدم قدم پر میری رہنمائی کرتے، مولانا ندوۃ العلماء کے تمام شعبوں کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی بھی دیکھ ریکھ کر رہے تھے، مجلس تحقیقات کی کارکردگی پر مکمل نظر رکھتے اور برابر اس کی فکر کرتے، اللہ تعالی نے مولانا مرحوم کو بے مثال انتظامی صلاحیت کے ساتھ ساتھ علمی صلاحیتوں سے بھی خوب نوازا تھا، مولانا موصوف بڑے کفایت شعار تھے، مولانا کم گو اور خاموش طبیعت کے مالک تھے، شروع شروع میں مولانا سے ملنے میں بڑا خوف محسوس ہوتا تھا، لیکن جب تعلق ہوا اور مولانا کے پاس آنے جانے کا سلسلہ بڑھا تو یہ خوف باقی نہ رہا، بارہ سال مولانا مرحوم کی شفقت میں رہا، کبھی زور سے مخاطب نہیں ہوئے، ہمیشہ سنجیدہ اور آہستہ آواز میں بات کرتے، کبھی کبھی تو دوبارہ جھک کر پوچھنا پڑتا، تب بات سمجھ میں آتی، مولانا مرحوم کے پاس یعنی ان کی مجلسوں میں ندوہ ہو یا مکتبہ اسلام یا پھر ماہنامہ ''رضوان'' کا دفتر جو مولانا مرحوم کی سادگی کی بے مثال گواہی دے رہا ہو، مجھے کئی بار بیٹھنے کا موقع ملا، جب کسی موضوع پر بات شروع کرتے تو اٹھنے کا جی نہیں چاہتا، جس موضوع پر بات کرتے بہت دلچسپ اور بے تکلف ہوکر کرتے، مولانا موصوف جید عالم دین اور ماہر صحافی کے ساتھ اعلی منتظم بھی تھے، ندوۃ العلماء کو ایسے منتظم اور با اخلاق انسان کی ہمیشہ ضرورت رہی ہے اور ان شاء اللہ رہے گی۔ حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت واوصاف وکمالات کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے استاد محترم مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی (چیف ایڈیٹر ''الرائد'' وسکریٹری مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کا ''تعمیر حیات'' نمبر میں لکھے ہوئے مضمون کو اچھی طرح پڑھ لیں آپ کے ذہن میں مولانا کا پورا خاکہ آجائے گا، آپ اس مضمون سے پوری کتاب مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ پر لکھ سکتے ہیں۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے اور خانوادہ حسنی کے عظیم فرد تھے، ان کے والد ماجد مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے ممتاز قلم کار، عمدہ شاعر اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے خلیفۂ اجل ومجاز بیعت تھے، والد ماجد کی وفات کے بعد سے ہی اپنے بزرگوں کے مشورہ سے اردو رسالہ ماہنامہ ''رضوان'' کے مدیر ہوئے، اس رسالہ میں آپ کے اصلاحی مضامین برابر شائع ہوتے تھے، قارئین کو اس سے بڑا فائدہ پہنچتا تھا، بلا مبالغہ آپ ندوۃ العلماء کی شان اور حسن انتظام تھے، موصوف کی ندوۃ العلماء کے تمام شعبوں اور اس کے ملازمین پر بڑی گہری نظر تھی، اور ہر شعبہ کے نظم ونسق کے بارے میں کوشاں رہتے اور اس سلسلے میں معلومات فراہم کرتے رہتے، خاص کر آخر کے تین سالوں میں شعبوں کو متحرک اور فعال بنانے میں پوری توجہ کی، تمام شعبوں میں مولانا موصوفؒ کا ملازمین اور کارکن پر بہت اثر اور رعب تھا، آپ کا زیادہ تر قیام ندوۃ العلماء ہی میں رہتا، بلا معاوضہ آپ نے ندوۃ العلماء کی پوری زندگی خدمت کی اور ندوۃ العلماء کے تعمیری کاموں کو بڑے حسن انتظام کے ساتھ کرانے میں اپنی خدمات پیش کیں، تین سال قبل اتفاق رائے سے ندوۃ العلماء کے نائب ناظم منتخب کئے گئے، اسی طرح مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے جنرل سکریٹری

کے عہدہ پر آپ کا انتخاب ہوا، بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ سادات خاندان، حسنی گھرانے کے چشم وچراغ خاموشی کے ساتھ اس دنیا سے رحلت کر گئے۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" موصوف اب ہمارے درمیان نہیں رہے، رہ رہ کر ان کی یاد آرہی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے، اتنی ہمہ جہت صفات وخصوصیات کے حامل عالم دین کی جدائی بلاشبہ مدارس اسلامیہ ہی کے لئے نہیں، بلکہ ملت اسلامیہ کے لئے بھی بہت بڑا خسارہ اور ناقابل فراموش ہے، اللہ تعالیٰ اس نیک انسان کا بہترین بدل عطا فرمائے آمین۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مولانا موصوفؒ ایک بڑے عالم باعمل نیک طبع، صاحب دل، صاحب نسبت، نرم مزاج، کم گو، عالی صفت، رحم دل، متواضع منکسر المزاج اور اپنی پوری زندگی اپنے بڑوں، بزرگوں کی رہنمائی میں گزارنے والے، زہد وتقویٰ، للہیت، خشیت الٰہی، عشق رسولؐ، محبت صحابہؓ تواضع، سادگی، اخلاص، وقت کی پابندی، نام ونمود سے اجتناب، بے نفسی، عالمانہ وقار، اشاعت علم، کار مفوضہ کی انجام دہی میں انہماک باوقار نورانی چہرہ، علمی وانتظامی صلاحیت کے ماہر فن، اس کے علاوہ وہ ایک اعلیٰ پایہ کے نیک انسان تھے، توکل، قناعت، فلاحی ورفاہی کاموں سے دلچسپی رکھنے والے بھی خواہ تھے، سنی سنٹرل وقف بورڈ سے بھی کئی سالوں تک وابستہ رہے اور ندوۃ العلما سے کئی ندویوں کو انہوں نے سنی سنٹرل وقف بورڈ میں خدمت کے لئے لگایا، اور سیاست میں بھی سرگرم رہے اور ان کے ذریعہ لوگوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔

سن ۲۰۱۱ء میں مالی خسارہ کی وجہ سے اچانک مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے نظم ونسق میں تبدیلی آئی اس وقت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ نے راقم الحروف پر بھروسہ کرکے دفتر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی ذمہ داری دی، مجلس کے کاموں کے سلسلہ میں پوری رہنمائی کی، مولاناؒ کو مجلس کی بڑی فکر رہتی، چونکہ مولانا انیس احمد ندوی کے جانے کے بعد مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کو بہت بڑے مالی بحران سے گزرنا پڑا، مجلس کی تقریبا دو سو کتابیں آؤٹ آف اسٹاک تھیں اور پریس وپیپر والوں کے قرض کا بوجھ مجلس کے اوپر تھا، اس دوران مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ نے اپنے خاص ملنے والوں، سرمایہ داروں، شہر کے معزز حضرات اور افراد خاندان کے ساتھ اعزازی لائف ممبر سازی کی ایک مہم شروع کی اور مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے لئے ہر ممبر سے دس دس ہزار روپے کی رقم مختص کی، دیکھتے دیکھتے مولانا موصوفؒ کی تائید میں اچھے خاصے لوگ ممبر سازی میں شریک ہوگئے اور دس ہزار روپے کا عطیہ برائے تعاون مجلس کو دینے لگے، اس طرح مجلس کی مطبوعات کی طباعت کا کام چل پڑا، دھیرے دھیرے آؤٹ آف اسٹاک کتابیں طبع ہونے لگیں اور مولانا موصوفؒ نے اس سلسلہ میں پوری دلچسپی وتوجہ اور لگن کے ساتھ مجلس کو دوبارہ ترقی دی اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مجلس تحقیقات کی مالی صورت حال بہتر ہونے لگی اور طباعت کا کام ہونے لگا اور جو قرض کا بوجھ مجلس تحقیقات پر تھا وہ بھی قسط وار ادا کیے جانے کی مجھے ہدایت کی اس طرح مجلس کی طباعت اور قرض کی ادائیگی دونوں ایک ساتھ ہونے لگی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے نظم ونسق پر مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کی بڑی محنت اور پوری توجہ تھی، مجلس کو مادی اور مالی اعتبار سے مضبوط اور مستحکم بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا، مولانا موصوفؒ کی بڑی خدمات اور اہم رول تھا، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کی خدمات ناقابل فراموش اور ان ہی کی رہین منت وکاوش کا نتیجہ ہے۔

مولانا موصوفؒ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے دفتری امور مجھے سمجھاتے کے لئے مکتبہ اسلام گوئن روڈ بلاتے اور وہ ہیں مجھے سمجھاتے، ایک مرتبہ مولانا مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ دیکھئے آپ کام کے میدان میں آئے ہیں اور کام کررہے ہیں بہت سی باتیں

سننے اور بہت سی رکاوٹیں آسکتیں ہیں لیکن ہمت نہ ہاریئے گا، جو بھی پریشانی لاحق ہو مجھے فوراً اطلاع کیجئے گا، اس بات سے مجھے بہت خوشی ہوئی اور خوف بھی، لیکن ہمت کرکے کام کرتا رہا، مولانا موصوفؒ مجھ پر پورا اعتماد کرنے لگے، جب بھی کوئی کتاب کا نیا ایڈیشن آپ کی خدمت میں پیش کرتا اس کو غور سے دیکھتے اور اس کے اندر جو کمی ہوتی یا جو خامی پائی جاتی اس کو درست کرانے کی ہدایت کرتے اور جو طباعت اچھی ہوتی ماشاء اللہ کہتے اور اس کی تعریف کرتے۔ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام سے طبع ہونے والی "تفسیر ماجدی" کی طباعت منزل کے اعتبار سے نہیں تھی جب مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ نے مجلس کا نظم ونسق سنبھالا تو یہ بات ان کے ذہن میں آئی کہ قرآن کریم سات منزل پر مشتمل ہے تو "تفسیر ماجدی" بھی منزل کے اعتبار سے شائع ہو تو بہت اچھا ہوگا، راقم سے مشورہ کرنے کے بعد مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ نے باقاعدہ مجھے مکتبہ اسلام بلایا اور ساتھ لے کر کاکوری آفسیٹ پریس گئے اور مولانا حسان نعمانی ندوی صاحب سے اس سلسلہ میں بات کی، چونکہ پہلی جلد سورہ مائدہ تک تھی اور ایک منزل سورہ نساء تک پوری ہو رہی تھی اس لیے پہلی جلد کے ٹائٹل سے مولاناؒ نے ایک منزل کو الگ کرایا اور سورہ مائدہ کو دوسری جلد میں صفحات درست کرا کر شامل کرایا، تفسیر کی پہلی جلد پر ایک نوٹ لکھا: وہ یہ ہے (تفسیر ماجدی کی نئی تقسیم ۱۴۳۲-۲۰۱۱) کہ ایڈیشن سے اس تفسیر کو قرآن مجید کی منزلوں کے اعتبار سے منقسم کرکے شائع کیا جارہا ہے، اس لیے اب ہر جلد ایک منزل پر مشتمل ہوگی اس طرح "تفسیر ماجدی" انشاءاللہ سات جلدوں میں مکمل ہوگی) "تفسیر ماجدی" کو منزل کے اعتبار سے شائع کرانے میں مولانا حسان نعمانی ندوی اور مولانا مرحوم کا اہم کردار ہے۔

مولاناؒ ہی کی سرپرستی میں "تفسیر ماجدی" منزل کے اعتبار سے شائع ہوئی، آپ ہی کی کوشش اور دلچسپی سے سات جلدوں پر مشتمل "تفسیر ماجدی" مکمل ہو کر (۹ رنو) سال قبل منظر عام پر آچکی ہے، اس اہم کام کا سہرا حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کے سر جاتا ہے، اس بڑے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں مولاناؒ نے جو فکر و توجہ سے کام کیا اس کا شاہد راقم الحروف ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

مولانا موصوفؒ نے مجھے ذمہ داری دیتے وقت فرمایا تھا کہ مجلس تحقیقات کی ساری کتابیں لیتھو مشین سے چھپی ہوئیں ہیں آپ دھیرے دھیرے ساری کتابوں کو کمپیوٹرائز کرا کر جدید ایڈیشن شائع کرائیے، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مولاناؒ کی ہدایت پر مکمل عمل کیا گیا الحمد للہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی زیادہ تر کتابیں کمپوز ہو کر طبع ہوئیں اور کئی کئی ایڈیشن نکلے اور یہ کام مسلسل جاری ساری ہے۔

مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ نے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی مطبوعات کی کمپوزنگ وطباعت دیکھ کر مولانا نے سن ۲۰۱۷ء میں مکتوبات جلد سوم کا مسودہ بذریعہ مولانا محمود حسن حسنی ندوی کمپوز کے لئے راقم کے حوالہ کیا، مولانا محمود حسن حسنی ندوی اصل خطوط سے فوٹو کرا کے مولانا موصوفؒ کو دیتے اور آپ نظر ثانی تاریخ وغیرہ ملا کر کمپوز کے لئے مجھے دیتے، خطوط کمپوزنگ کے بعد پروف پڑھ کر مولانا محمود حسن حسنی ندوی کو دیتے، مولانا محمود حسن حسنی ندوی ایک نظر دیکھتے پھر مولانا موصوفؒ کی خدمت میں فائنل دیکھنے کے لیے پیش کرتا، مولانا موصوف بڑی دلچسپی اور لگن سے دیکھ کر جلد دے دیتے، مولانا موصوفؒ کی خطوط سے دلچسپی کا یہ حال تھا کہ آپ کے دفتر میں کئی لوگ سامنے بیٹھے ہوتے اور آپس میں باتیں کرتے رہتے لیکن مولانا کا دل و دماغ خطوط کے مسودہ پر اور قلم ہاتھ میں ہوتا اور نیچی نگاہ کرکے مسودہ دیکھتے رہتے اور تصحیح کا کام کرتے رہتے اور کبھی کبھی لوگوں کی طرف متوجہ بھی ہوجاتے اور جگہ جگہ اشخاص کے ناموں پر حاشیہ چڑھاتے اور مکمل کرکے دے دیتے، اس طرح مولانا موصوفؒ نے مکتوبات جلد سوم مکمل کرکے مجھ سے فرمایا کہ کتاب فائنل

نکال کر جناب مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی صاحب کے حوالہ کردو تاکہ دارعرفات سے طبع ہوجائے، میں حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مہمان خانہ میں مسودہ جناب مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی صاحب کے حوالہ کیا، مکتوبات حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی (جلد سوم) دارعرفات سے طبع ہوئی۔

مکتوبات تیسری جلد پوری ہونے کے بعد مولاناؒ نے چوتھی اور پانچویں جلدوں کا مسودہ پڑھ کر ترتیب لگا کر مجھے دونوں ایک ساتھ دیے اور فرمایا اسی ترتیب سے فہرست بنانی ہے چوتھی جلد کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور مولانا محمود حسن حسنی ندوی کو دکھانے کے بعد فائنل دیکھنے کے لئے مولاناؒ کی خدمت میں پیش کی، آپ نے چوتھی جلد بھی کچھ ہی دنوں میں پڑھ کر فائنل کردی اس کے بعد لاک ڈاؤن ہوگیا کتاب پریس نہیں جاسکی مسلسل تین ماہ پریس کا کام نہیں ہوا، اسی تین ماہ کے درمیان پانچویں جلد بھی ماشاء اللہ تیار ہوگئی اور پروف پڑھ کر فائنل کرکے جب مولاناؒ کی خدمت میں پانچویں جلد کا مسودہ پیش کیا تو تعجب کرنے لگے کہ ابھی تو چوتھی جلد مکمل ہوئی چھپی بھی نہیں ہے کہ پانچویں تیار ہے میں نے کہا جی! اب ان شاء اللہ دونوں آگے پیچھے ایک ساتھ طبع ہوگی۔

مکتوبات پنجم کے تیار ہونے پر مولانا موصوف نے مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی کو رائے بریلی ٹیلی فون کرکے خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اس لاک ڈاؤن میں بھی مکتوبات کا کام چلتا رہا، پھر مولانا موصوفؒ نے ہنگامی طور پر چھٹی اور ساتویں جلد کے اصل خطوط کی فوٹو کاپی کرواکر مسودہ کی ترتیب اور تاریخ وغیرہ ملاکر مجھے کمپوز کے لئے دی، کمپوزنگ کا کام شروع کرادیا گیا، چھٹی جلد کے خطوط کی ترتیب میں مولانا موصوفؒ نے مجھ کو ندوۃ العلماء میں اپنی قیام گاہ پر بلایا اور بتایا کہ چھٹی جلد کی ترتیب اس طرح لگانا ہے میں نے ترتیب لگا کر مولانا کو دکھایا تو آپ نے فرمایا بہتر ہے چھٹی جلد مکمل کمپوزنگ کراکر پروف وغیرہ دیکھ کر مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی کو ایک نظر دکھا کر مولانا موصوفؒ کو دیا، اور مولانا موصوفؒ نے چھٹی جلد کو ایک بار فائنل دیکھ کر مولانا وثیق ندوی کو دی کہ ایک بار دیکھ لیں، مولانا وثیق ندوی نے دیکھ کر مجھے طبع کے لئے دی، پھر مولانا موصوف کی طبیعت خراب ہوگئی اور مرض میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ سحر نرسنگ ہوم میں داخل ہونا پڑا، افاقہ نہ ہونے کی صورت میں ڈاکٹر کے مشورہ سے ہوپ ویل ہاسپٹل میں داخل کرایا گیا، راقم الحروف اور مولانا جاوید اختر ندوی مولانا موصوفؒ کی عیادت کے لئے ہوپ ویل ہاسپٹل گئے تو مولانا موصوفؒ تقریباً ۲۵/۲۰ منٹ تک مکتوبات چھٹی جلد کے بارے پوچھتے رہے اور بقیہ جلدوں کے بارے میں بتاتے رہے کہ بہت سارے خطوط ہیں امید ہے کہ دس جلدوں میں مکتوبات مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مکمل ہوگی، اس طرح مولانا موصوف کی مکتوبات کے اندر لگن اور دلچسپی کو ظاہر کرتا ہے۔

الحمد للہ مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اول تا سوم کا پہلا ایڈیشن حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی صاحب کی نگرانی میں دارعرفات رائے بریلی سے طبع ہوا، دوسرا ایڈیشن مجلس تحقیقات ونشریات اسلام سے، تین سال کے اندر مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا نیا ایڈیشن اول تا ششم مجلس تحقیقات ونشریات اسلام سے طبع ہوکر منظر عام پر آچکا ہے۔

اس مبارک اور نیک کام میں مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی، راقم الحروف، مولانا جاوید اختر ندوی، مولانا اسحاق ندوی، مولانا وثیق ندوی کا بھی تعاون حاصل رہا، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ مولانا موصوفؒ کی اس مبارک اور نیک خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے علاوہ جن جن حضرات کا بھی اس میں کسی طرح کا بھی تعاون رہا اس کو جزائے خیر عطا فرمائے مزید بقیہ جلدوں کو اسی طرح دلچسپی اور لگن سے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مولانا محمد اسحاق ندوی، سیتاپوری
دفتر نظامت ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کے دور انتظام کا ایک سرسری جائزہ

محرم الحرام ۱۴۲۳ھ کی کوئی تاریخ تھی، دفتر نظامت ندوۃ العلماء میں مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ سے پہلی ملاقات کا شرف حاصل ہوا، واقعہ یہ ہے کہ میں نے ندوہ میں ملازمت کی درخواست پیش کی تھی، جس میں لکھا تھا کہ فدوی دین کی خدمت کرنا چاہتا ہے، اس لیے ندوہ میں ملازمت کرنا چاہتا ہے، مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ سے سفارش کروائی تھی، حضرت ناظم ندوۃ العلماء دامت برکاتہم نے جناب ناظرعام ندوۃ العلماء مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کے پاس جانے کا حکم فرمایا، میں ناظرعام صاحب کے دفتر پہنچا اور درخواست پیش کی، درخواست دیکھنے کے بعد فرمایا کہ واقعی دین کی خدمت کرنا چاہتے ہو؟ میں کہا: جی ہاں! انھوں نے فرمایا کہ: دین کی خدمت تو کہیں بھی ہوسکتی ہے، پھر ندوہ کا انتخاب کیوں کیا؟ میں نے کہا بس یہ خواہش ہے کہ آپ حضرات کے زیرسایہ دین کی خدمت انجام دوں، فرمایا تو پھر جا کر مولانا سید بلال حسنی ندوی سے مل لو اوران کی ہدایت ونگرانی میں کام کرو، اور تقرر نامہ کی ایک تحریر دی جس میں پیارے پور رائے بریلی روڈ میں بطور مبلغ کام کرنے اور مکتب قائم کرنے کی ہدایت تھی۔

میں حسب ہدایت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر دکھائی، تو مولانا نے مجھے پیارے پور بھجوادیا، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ یہ تو پورا پورا گاؤں رضاخانی ہے، صرف ایک وکیل صاحب تھے جو شہر رائے بریلی میں پریکٹس کرتے تھے جن کی وجہ سے حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور تکیہ ومیدان پور کے حالات سے باخبر تھے، اور اسی بنیاد پر کسی موقع پر مولوی شرافت حسین سے انھوں نے اپنے گاؤں پیارے پور میں مدرسہ قائم کرنے کی بات کہی تھی، لیکن جب میں وہاں پہنچا، ان سے ملاقات کی، اپنے آنے کا مقصد بتایا تو وہ فوراً اپنی بات سے مکر گئے اور کہنے لگے کہ وہ پرانی بات تھی، اب اگر یہاں کام کرنا ہی ہے تو میری اس زمین پر پہلے مدرسہ کی عمارت بنوایئے پھر کام شروع کیجیے، ورنہ یہاں کے لوگ تمھیں ایک دن بھی نہیں رکنے دیں گے، جایئے اور جاکر اپنے مولانا سے یہ بات بتادیجیے، بالآخر اس نے مجھے اسی دن رخصت کردیا، میں بھی کیا کرتا، صبح کا نکلا تھا، شام کو تکیہ پہنچا اور مولانا کو اپنی روداد سنائی، مولانا نے تسلی دی اور فرمایا کہ مدرسہ ضیاء العلوم میں قیام کرو اور شہر رائے بریلی کے اطراف کا خاص کر مہاراج گنج کے علاقہ اور لکھنؤ روڈ کے دیہاتوں کا دورہ کرکے مسلم آبادیوں کا سروے کرو، حسب الحکم میں نے اپنا کام شروع کردیا۔

تقریباً چھ یا سات ماہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا، عیدالفطر کی چھٹی کے بعد میں جب رائے بریلی پہنچا تو مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی نے فرمایا کہ ندوہ جاؤ، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ نے طلب فرمایا ہے، میں لکھنؤ واپس آیا، مولانا سے ملاقات کی، مولانا نے فرمایا کہ رائے بریلی روڈ پر نگوہاں سے آگے موضع کنکہا میں قادیانی آگیا ہے، معلوم کرو کہ وہاں کوئی صحیح العقیدہ امام ہے یا نہیں، دوسرے دن میں کنکہا گیا، ظہر کی نماز کا وقت تھا لیکن ایک شخص بھی مسجد نہ آیا، کافی انتظار کے بعد خود ہی اذان کہی اور تنہا

نماز پڑھی، جب مسجد سے نکلا تو ایک صاحب سے ملاقات ہوئی، گاؤں کے حالات معلوم کیے، قادیانی کے بارے میں معلوم کیا، اس نے بتایا کہ وہ اسی گاؤں کا رہنے والا ہے، یہیں امامت کرتا تھا، قادیانیوں نے پیسے کا لالچ دیا تو اس نے امامت چھوڑ دی اور قادیانیوں سے مل گیا ہے، اندازہ ہوا کہ گاؤں میں دینی ماحول کی کمی ہے۔

میں واپس ندوہ آیا اور ناظر عام صاحب کو رپورٹ دی، مولانا نے فرمایا: اب شعبۂ دعوت وارشاد کے دفتر میں بیٹھو اور یہیں سے لکھنؤ رائے بریلی روڈ کے اطراف کے دیہاتوں کا دورہ کرو، میں نے حسب الحکم کام کرنا شروع کر دیا، الحمدللہ کئی جگہ مسجدیں بھی تعمیر ہوئیں اور کئی جگہ مکتب بھی قائم ہوئے، ائمہ ومدرسین کا انتظام کیا گیا۔

مولانا ناچیز پر خاص شفقت وعنایت فرماتے، کافی اعتماد فرماتے، کسی غلطی پر کبھی کوئی سزا نہیں دی، نہ ڈانٹ ڈپٹ یا سرزنش کی، بیٹے کی طرح سمجھاتے، دفتری کاموں کا طریقہ سکھاتے، یہاں تک کہ ناچیز کو اپنی خدمت کے لائق سمجھا اور دفتر نظامت میں بیٹھنے کا حکم دیا، کچھ عرصہ کی خدمت کے بعد ناچیز کو حضرت ناظم صاحب کا پرائیویٹ سکریٹری مقرر فرمایا اور تاکید فرمائی کہ تمام دفتری کاغذات تمہارے ذریعہ ہی حضرت ناظم صاحب کے پاس منظوری کے لیے جانے چاہئیں۔

اس تفصیل کے تذکرہ کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو مسلمانوں میں دینی بیداری کی کتنی فکر تھی، اس کام میں تیزی لانے کے لیے انھوں نے شعبۂ دعوت وارشاد کے لیے ایک گاڑی مختص کر دی تھی، اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ ایک ساتھ کئی لوگ جا سکتے تھے اور کہیں بھی آسانی سے پروگرام ہو جاتا تھا، اس کے علاوہ جمعہ کے دن کئی اساتذہ بھی ساتھ ہو جاتے تھے اور الگ الگ جگہوں پر ایک ایک استاذ رک جاتا، جمعہ میں تقریر کرتا تھا، پھر سب کو لیتے ہوئے گاڑی واپس آجاتی تھی، یہ سب کام ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں ہوتا، جس سے کافی فائدہ ہوتا تھا۔

اس کے علاوہ شعبۂ دعوت وارشاد کی طرف سے کافی تعداد میں چھوٹے چھوٹے رسالے شائع کرنے کا حکم دیا جن میں اصلاحی، اخلاقی اور دعوتی مضامین ہوتے تھے، جو لاکھوں کی تعداد میں لوگوں میں تقسیم کروائے گئے اور ہو رہے ہیں۔

شعبۂ دعوت وارشاد کی طرف سے تقریباً ہر سال ایک دو روزہ یا سہ روزہ تربیتی پروگرام ندوہ میں منعقد کیا جاتا جس میں ملحقہ مدارس سے ایک ایک استاذ کو دعوت دی جاتی تھی، پروگرام میں حضرت ناظم صاحب اور مہتمم صاحب کے علاوہ ندوہ کے سینئر اساتذہ کے خطابات ہوتے اور شرکاء کو عملی میدان میں کام کرنے کا طریقہ سمجھایا جاتا تھا، اس سے ندوہ اور مدارس ملحقہ کا ربط بھی مضبوط ہوتا تھا اور دعوتی کام بھی انجام پاتا تھا۔

مدارس ملحقہ کے شعبہ کو فعال بنایا، ملحقہ مدارس جو اب تک معمولی تعداد میں تھے، مولانا کی فکرمندی سے ملحقہ مدارس کی تعداد چار سو سے متجاوز ہو گئی، ملحقہ مدارس کا آپسی ربط بڑھانے کے لیے متعدد مدارس میں دیگر مدارس کے اساتذہ کا پروگرام رکھا گیا، جس کا خاطر خواہ فائدہ ہوا، اس کے علاوہ شہر لکھنؤ میں مکاتب کا سلسلہ قائم فرمایا، شہر کے اطراف میں شعبۂ دعوت و ارشاد کے تحت مکاتب قائم کرائے۔

ادھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں طلباء کی تعداد روز افزوں ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ ہاسٹلوں میں گنجائش ختم ہو گئی، سب سے پہلے معہد کو سکروری منتقل کیا گیا اور سکروری میں ایک وسیع ہاسٹل رواق مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے تعمیر کیا گیا، اس کے بعد ثانویہ کے تمام درجات کو بھی سکروری منتقل کیا گیا اور ٹی عبدالواحد ہال کی دوسری منزل کی تکمیل کی گئی۔

احاطہ دارالعلوم میں مولانا کے دور انتظام میں پہلا ہاسٹل رواق عبدالحی تعمیر ہوا

جو اطہر ہاسٹل کے مغربی جانب واقع ہے، اس کے بعد بھی رہائش کی جگہ کی قلت کو دیکھتے ہوئے رواق سلیمانی کے شمال کی طرف سے دومنزلہ کمروں سے احاطہ کرکے اس ہاسٹل کو مکمل کیا گیا، مزید گنجائش کی خاطر رواق شبلی ونعمانی میں جنوبی سمت سے دومنزلہ کمروں سے احاطہ کرکے رواق حبیب تعمیر کیا گیا۔

طلباء کی تعداد کے اضافہ سے جہاں ہاسٹلوں میں گنجائش نہیں رہی وہیں درس گاہیں بھی ناکافی ہوگئیں، اس کمی کو پورا کرنے کے لیے جدید درسگاہ کی تعمیر کا کام مکمل کیا گیا، یہاں تک کہ دارالعلوم کی مرکزی عمارت کے علاوہ دارالقضاء کی عمارت، کلیۃ اللغۃ کی عمارت، المعہد العالی کی عمارت اور جدید درس گاہ یعنی کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی تک ساری عمارتیں بطور درس گاہ استعمال ہونے لگیں، اس کے علاوہ متعدد تعلیمی شعبے قائم کیے۔

اسی طرح کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی کی عمارت جو اب تک تین منزل ہی بن سکی تھی، نقشہ کے مطابق مزید دومنزل بننا باقی تھا، اس بڑے اور نازک کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم کیا اور توفیق الٰہی سے کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی کی پانچ منزلہ عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچی اور ندوہ کی خوبصورتی میں چارچاند لگادیے۔

شفاخانہ کی قدیم عمارت تو مہمان خانہ کے قریب پہلے سے موجود ہے، اسپتال کا باقاعدہ نظام قائم کرنے کے لیے ایک نئی دومنزلہ عمارت مع بیسمنٹ تعمیر کروائی تاکہ طلباء کو مزید طبی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔

الحمد للہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی اور جناب ناظر عام ونائب ناظم مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کاوشوں سے تعلیمی وتربیتی وتعمیری وانتظامی میدان میں ندوۃ العلماء نے خوب ترقی کی اور برابر ترقی کی راہ پر گامزن ہے، طلباء کی تعداد میں اضافہ سے ہاسٹلوں میں رہائش کی تنگی پھر ہونے لگی تو رواق سید ابوالحسن علی رحمۃ اللہ علیہ کی عالیشان تین منزلہ عمارت کی بنیاد رکھی گئی، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ فارغین ندوہ کو خطوط بھیجو اور ان کو اس رواق کی تعمیر میں حصہ لینے کو لکھو، میں نے حسب الحکم کئی برسوں کے فارغین ندوہ کی ڈائریاں تلاش کرکے کئی ہزار کی تعداد میں خطوط ارسال کیے، الحمد للہ فارغین ندوہ اور دیگر اہل خیر حضرات کی کاوشوں سے یہ رواق بھی پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

اب احاطہ دارالعلوم میں مزید چار نئے ہاسٹل میں وجود میں آچکے تھے، اس لیے مسجد کی توسیع کرانا لازمی تھا، اس سے قبل بھی کئی بار مسجد کی توسیع ہوچکی تھی، پھر بھی مسجد اپنی کافی وسعت کے باوجود تنگ ہوچکی تھی، صحن میں اکثر دھوپ میں اور کبھی کبھی بارش میں طلبہ کو نماز پڑھنی پڑتی تھی، اس کے لیے مولانا رحمہ اللہ کافی فکرمند رہتے تھے، بالآخر حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم سے منظوری لے کر مسجد کی آخری توسیع کا ارادہ فرمایا، اس لیے نیا نقشہ تیار کرایا گیا اور صحن سے قدیم وضوخانہ تک بیسمنٹ کے ساتھ دومنزلہ توسیعی کام کا آغاز کیا گیا، مولانا نے فرمایا کہ مسجد کی یہ توسیع کافی بڑی ہوگی، نقشہ کے لحاظ سے اس کا بجٹ بھی بڑا ہے، اس لیے اہل خیر حضرات کے لیے ایک اپیل شائع کرو، چنانچہ ندوہ کے سبھی (ہندی، اردو، انگریزی، عربی) رسالوں کے علاوہ ندوہ کی ویب سائٹ پر یہ اپیل شائع کی گئی اور مولانا بذات خود تن من سے اس کام میں لگ گئے، ہر تعلق والے کو اس کام کی طرف متوجہ فرماتے، خاص خاص حضرات کو خطوط بھی ارسال کیے، محصلین کے علاوہ متعدد اساتذہ واسٹاف کو اس کام پر لگادیا گیا، الحمد للہ دیکھتے ہی دیکھتے مسجد کی عالیشان عمارت بھی مکمل ہوئی اور ندوہ کی شان دوبالا ہوگئی۔

الحمد للہ ندوہ کی مقبولیت اور طلباء کی تعداد میں ترقی اب بھی جاری ہے اور ان شاء اللہ جاری رہے گی، اس لیے حضرت ناظم صاحب کے ایماء پر مولانا نے مجلس انتظامی میں مزید ایک سہ منزلہ ہاسٹل تعمیر

کرنے اور اگر مزید ضرورت پڑے تو دومنزلہ ہاسٹلوں کی تیسری منزل کی تعمیر کی منظوری بھی لی، اور ارکان مجلس کے ہاتھوں ہی جدید ہاسٹل رواق مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے سنگ بنیاد رکھا گیا اور الحمد للہ پایہ تکمیل کو پہنچا، فالحمد للہ علی ذلک۔ یہ مولانا کے دور انتظام کا آخری تعمیری کام تھا جو مولانا کی زندگی ہی میں بحسن وخوبی سے انجام پایا اور اس کا افتتاح بھی فرمایا۔

ایک ایسا شخص جس نے ندوہ کی تعمیر و ترقی کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا، تقریباً پچیس سال بلا معاوضہ ندوہ کی خدمت کی، اپنے اکابر واسلاف کے طرز پر ندوہ کی بے لوث خدمت کی، اگر کسی وقت ندوہ میں کھانا کھانے کی نوبت آجاتی تو مطبخ کو اس کھانے کے پیسے بھی ادا کرتے، خانوادۂ حسنی کے تمام نظمائے ندوہ کی طرح مولانا بھی ندوہ کی خدمت کو حصول رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھتے رہے، کوئی ذاتی فائدہ اٹھانے کی کوشش تو درکنار خیال بھی نہیں آیا ہوگا، ان کے اسی جوہر کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے پہچان لیا تھا اور بقول مولانا مرحوم کے کئی سال تک حضرت مولانا علیہ الرحمہ مجھ سے ندوہ کی یہ خدمت انجام دینے پر زور دیتے رہے، مولانا علیہ الرحمہ کے اصرار پر بالآخر مجھے ندوہ آنا پڑا، ندوہ کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔

اسی کا نتیجہ ہے کمیت وکیفیت کے لحاظ سے ندوہ کو مولانا مرحوم کے دور میں بڑی ترقیاں ملیں، مولانا مرحوم کی کاوشوں و کوششوں سے ندوہ کا نوے سال کا پٹہ رنیول ہوا، متعدد جائیدادیں اور نئے اوقاف ندوہ کو ملے، معہد سکروری کے علاوہ معہد سیدنا ابی بکر الصدیق مہیت مئو اور مدرسہ مظہر الاسلام بلوچپورہ کو دار العلوم ندوۃ العلماء کی مستقل شاخ بنایا اور ان کا پورا انتظام و انصرام ندوہ کے ذمہ کیا، معہد سکروری جو اب تک کھلے باغ میں واقع تھا، چاروں طرف سے اس کی باؤنڈری کا کام مکمل کرایا، معہد سیدنا ابی بکر الصدیق مہیت مئو میں اسٹاف کوارٹرس کے علاوہ ایک وسیع وعریض سہ منزلہ ہاسٹل مولانا کے دور میں تعمیر ہوا، اسی طرح بلوچپورہ میں ایک عالیشان مسجد کی تعمیر کا آغاز کیا اور ایک منزل مکمل بھی ہوگئی۔

اتنی کم مدت میں اتنے بڑے بڑے کارنامے انجام دینا محض اللہ کی توفیق اور قبولیت عند اللہ کی دلیل ہے، اس سے جہاں اہل علم واہل اللہ خوش ہوتے ہیں، ان کاموں کو سراہتے ہیں، ایسے شخص سے محبت کرتے ہیں، وہیں دنیادار لوگ بغض وعناد، کینہ وحسد کا شکار ہوکر ایسے شخص سے اپنی عداوت کا اعلان کر دیتے ہیں، اس کے خلاف ماحول تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں، چونکہ مولانا خاموش طبیعت کے حامل تھے، اپنے کاموں میں مگن رہتے تھے، لوگوں کے تبصروں کی پرواہ نہیں کرتے تھے، پھر شروع سے ہی ندوہ کے انتظامی امور سپرد کیے گئے تھے، اس لیے تدریسی لائن میں جانے کا موقع ہی نہیں ملا اور نہ ہی کبھی تدریس کی خدمت انجام دی، اسی طرح نہ میدان خطابت کے شہسوار بنے اور نہ جلسے جلوس اور خود نمائی کے عادی ہوئے، اکثر فرمایا کرتے کہ مقرر لوگ کسی کام کے نہیں ہوتے، صرف باتیں کرنا جانتے ہیں: ''خوب کہنا اور ہے، خوب ہونا اور ہے''۔

کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہر عالم دین بیک وقت مفسر ومحدث، فقیہ ومفتی، مدرس و مقرر ہو، ہر شخص میں اپنا اپنا ہنر ہوتا ہے، اور ہر شخص کا ہر فن میں ماہر ہونا لازمی نہیں ہوتا، مولانا مرحوم اپنے فن کے ماہر تھے، انتظامی امور کے ماہر تھے، اس کے ساتھ ساتھ لکھنے پڑھنے والے بھی تھے، کئی کتابیں تصنیف کیں، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے مکتوبات کو ۷؍ جلدوں میں مرتب فرمایا، جس کی ۵؍ جلدیں چھپ چکی ہیں اور مزید تیار ہیں، مجھے بھی اس کام میں شرکت کا شرف حاصل ہوا، کبھی کسی مشغولیت کی وجہ سے مسودہ دینے میں تاخیر ہوتی تو فوراً طلب کرتے اور فرماتے کہ: ''کام جلدی ختم کرو، وقت بہت کم ہے''۔

گزشتہ سال مجلس انتظامیہ کا جلسہ

لاک ڈاؤن کی وجہ سے کینسل ہو گیا تھا، اس سال جلسہ انتظامیہ کی تیاری چل رہی تھی، خطوط روانہ کیے جا چکے تھے، دفتری کاروائیاں مکمل ہو چکی تھیں، لیکن یہ میٹنگ بھی ہو پانا مقدر نہیں تھا، مولانا کی طبیعت بگڑی اور اسپتال میں داخل کیے گئے، بے ہوشی کی کیفیت تھی، جب ہوش آتا، ناچیز کا نام پکارتے، میٹنگ کی تیاریوں کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے، بالآخر مولانا کی علالت کے پیش نظر میٹنگ کینسل کی گئی اور حضرت ناظم ندوۃ العلماء نے ضروری احکام جاری فرما دیے۔

رمضان المبارک سے چند روز قبل میری طبیعت بھی خراب ہوئی، میں اپنے وطن چلا گیا، اور پورا رمضان وہیں گزرا، عید سے ایک ہفتہ قبل ندوہ آیا اور مولانا سے بھی ملاقات کی، میں نے سلام کیا، مولانا آنکھیں بند کیے ہوئے تھے، سلام کا جواب دیا، کسی نے کہا مولانا آنکھیں کھولیے، دیکھئے کون آیا ہے؟ مولانا نے پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا: مولانا محمد اسحٰق ہیں؟ فرمایا کہ میں بھی تو مولانا ہوں، ندوہ میں ہر شخص مجھ سے ہی آنکھیں کھولنے کو کہتا ہے، اور لوگ بھی تو ہیں ان کو بھی اپنی آنکھیں کھولنا چاہیے۔ مولانا کی ذو معنی بات سن کر میں آبدیدہ ہو گیا، میں نے کہا آپ کو جس طرح آرام ہو ویسے رہیے، واپس ہوتے وقت میں نے مولانا سے اپنے لیے دعا کی درخواست کی اور کہا کہ عید الفطر کی چھٹی ہو رہی ہے، گاؤں جا رہا ہوں ہوں، آپ بھی جلدی سے صحت یاب ہو جائیں، ان شاء اللہ عید کے بعد دفتر میں ملاقات ہوگی، مولانا نے خوب دعائیں دیں، میں واپس وطن پہنچ گیا، دوسرے دن شام کو پروفیسر اطہر حسین معتمد مال ندوۃ العلماء کے انتقال پر ملال کی خبر ملی اور تیسرے دن یہ حادثہ فاجعہ پیش آ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ مولانا کی مغفرت فرمائے، ان کے کارناموں کو قبول فرمائے، ان کے کاموں کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور رضائے الٰہی کا ذریعہ بنائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مولانا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

○○○

اس شمارہ کے آپ کے ہاتھوں میں پہنچتے پہنچتے رجب کا مہینہ ختم ہو رہا ہوگا، اور شعبان المعظم کا مہینہ آ رہا ہوگا۔ اس کے بعد رمضان المبارک کا برکتوں اور رحمتوں والا مہینہ ہم کو انشاء اللہ نصیب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینہ سے رمضان المبارک کی تیاریاں شروع فرماتے تھے اور شعبان میں روزوں کی کثرت فرماتے تھے اور یہی حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی تھا کیونکہ صحابہ کرامؓ اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ اسی وجہ سے جو بلند مقام صحابہ کرامؓ کو حاصل ہوا وہ دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے بعد کسی کو بھی حاصل نہیں ہوا۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ سے محبت کرنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا اور ان سے بغض رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا ہے۔ اس لئے یہ جان لینا چاہئے کہ صحابہ کرامؓ سے محبت باعث نجات ہے اور صحابہؓ کی تنقید کرنا یا بغض رکھنا باعث تباہی و بربادی ہے اور دنیا و آخرت دونوں کا نقصان ہے اور اسلام دشمنی پر مبنی ہے۔ ہم کو اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ صحابہؓ کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ ہم کو اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور سیرت نبوی اور اس کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا مطالعہ کرنا چاہئے اس سے ہمارے دلوں کا زنگ دور ہوگا اور ایمان کی باد بہاری ہم کو نصیب ہوگی، جو دنیا میں ہم کو کامیابی عطا کرے گی اور آخرت میں ہم سرخرو ہوں گے۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

محمد جاوید اختر ندوی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

قابلِ فخر شخصیت اور لائقِ رشک کارنامے

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے ان نیک بندوں میں تھے جنہیں ہمہ وقت آخرت کا استحضار نصیب ہوتا ہے، ان کی زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے گزرتی ہے، وہ یہ خوب یاد رکھتے ہیں کہ اس دنیاوی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں' یہ زندگی ایک امانت ہے اور اسے اُن اعمال میں صرف کرنا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور روز قیامت اس کی سرخروئی حاصل کی جاسکتی ہے، ایک انسان کیسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو زندگی کے ایک ایک گوشہ میں داخل کر کے محبوب و مقبول بندوں میں شامل ہوسکتا ہے، اس کے لیے کتاب وسنت میں بھرپور رہنمائی موجود ہے، اولین شے خدا کا خوف و لحاظ اور احکام و تعلیمات نبویؐ کی پابندی ہے، اتباع شریعت اور پیرویٔ سنت کے بغیر کوئی بھی انسان روز محشر کامیاب ہو ہی نہیں ہوسکتا، قابل تقلید و تعریف ہیں وہ مبارک ہستیاں جنہیں رب رحیم و کریم کی طرف سے زندگی کو اسی کی مرضی کے مواقف گزارنے کی خاص توفیق ملتی ہے اور وہ دونوں جہاں میں کامیاب و کامران رہتے ہیں۔

ان ہی محمود و مسعود ہستیوں میں ہمارے مشفق و کرم فرما مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی ذات گرامی بھی ہے، ان کی شخصیت ہمارے لیے قابل فخر ہے کہ انہوں نے اس پُرفتن دنیا میں ایسی زندگی گزاری جیسے وہ اس دنیا میں نہیں بلکہ کسی اور دنیا میں زندگی گزار رہے ہوں، اللہ تعالیٰ نے جس خانوادہ میں انہیں پیدا کیا اور ان کے اسلاف نے دعوت و عزیمت کے جو نقوش واثرات تاریخ میں ثبت کیے ہیں، ان ہی خطوط پر عمل گامزن رہتے ہوئے اپنے دامن کو دنیا کی آلائشوں سے پاک وصاف رکھا اور خود ایک ایسا نمونہ چھوڑ گئے جو قابل فخر ولائق تقلید ہے۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ کی نظارت عامہ کی ذمہ داری جب انہیں سپرد کی گئی تو پہلے پہل وہ اپنے آپ کو بچاتے رہے مگر بزرگوں کا اصرار غالب رہا اور انہوں نے یہ نازک ذمہ داری قبول کی مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ خدمت بلا معاوضہ ہوگی، یہ اس خانوادہ کی تعلیم وتزکیہ کی برکت اور بزرگوں کا فیض ہے کہ انہوں نے بیس سال سے زائد مدت اپنی عمر عزیز کا گراں مایہ حصہ ندوہ کے لیے وقف کردیا اور کبھی ایک پیسہ تک نہیں لیا بلکہ اپنے یا اپنے عزیزوں کے لیے ندوہ کی دیگر چیزوں سے بھی استفادہ کے کبھی روادار نہیں رہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ۲۰۰۶ء میں فراغت کے بعد مجھے بفضل اللہ ایک سال کے لیے شعبۂ تدریب علمی میں بطور معاون مدرس تدریسی خدمت انجام دینے کا موقع ملا، پھر ۲۰۰۸ء میں الحمد للہ بطور مدرس تقرری ہوگئی اور اگلے سال سے 'تعمیر حیات' میں بھی بطور معاون مدیر تاحال خدمت کا موقع میسر ہے، معمول کے مطابق کمپوزنگ کے بعد جملہ مضامین پہلے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاح وترمیم سے گزرتے تھے، پھر شمارہ فائنل ہوکر پریس جانے سے قبل ایک بار ان کی سرسری نظر بھی ضرور پڑتی، اس دوران ہر ایک دو روز کے بعد مولانا کی خدمت میں حاضری کا موقع ملتا، دوران تعلیم ان کے دفتر نظامت میں یا کبھی شام کے وقت ان کے 'مکتبہ اسلام' گوئن روڈ میں اور کبھی ندوہ کے مہمان خانہ میں، اس بارہ سال کی مدت میں مجھے مولانا مرحوم سے بہت سیکھنے، اردو صحافت، اردو زبان و ادب، مضمون نویسی اور املاء کے امور میں خاص طور پر استفادہ کا موقع ملا

جو یہاں بیان کرنے کا موقع نہیں۔

ہمارے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی خصوصیت جو میں نے اس مدت میں دیکھی وہ رجوع الی اللہ اوراذکار واوراد کی پابندی ہے، وہ دفتر میں ہوں یا مکتبہ میں ،مہمان خانہ میں ہوں یا کہیں سفر میں، جب بھی اپنے ضروری امور سے فارغ ہوتے تو ذکر الٰہی میں ان کی زبان مشغول ہوجاتی، سامنے کچھ حضرات باتیں کررہے ہوں، یا کوئی ملاقات کے لیے آئے اور ضروری بات ہوگئی، اب وہ یا تو کسی کتاب کے مطالعہ، یا 'مکتوبات مفکر اسلام علیہ الرحمۃ' کی ترتیب میں مشغول ہیں، ورنہ ان کی زبان زیر لب ذکر سے معمور ہے، انہیں اپنے وقت کے کئی بزرگوں کی خلافت واجازت حاصل تھی، وہ لاحاصل وغیرضروری باتوں کی جگہ اپنے آپ کو کسی اور دنیا میں لے کر چلے جاتے اور اپنے رب سے قریب ہوکر اس کی یاد میں مگن ہوجاتے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور اہم صفت سادگی و بے نفسی ہے، انہوں نے عظیم عہدوں پر رہتے ہوئے ایک ایسی زندگی گزاری کہ ایک اجنبی شخص ان کے لباس، نشست وبرخاست یا گفتگو سے اندازہ ہی نہیں کرسکتا تھا کہ وہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نائب ناظم اور ناظر عام ہیں، ان کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں لباس یا انسان کے عہدہ کی کوئی حیثیت نہیں ،اگر اس کے پاس اچھے اعمال اور حسن اخلاق نہیں تو اس کی کوئی قدر وقیمت نہیں۔

انہوں نے خاموشی کے ساتھ ندوہ کی خدمت کی اور مختلف شعبہ جات کو ترقی دی اور کئی نئے شعبہ جات کا اضافہ ہوا، ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی رہنمائی میں ندوۃ العلماء کے جملہ شعبہ جات وکارکنان کو ایسا منظم ومربوط کردیا کہ ان مخلصانہ خدمات کا درست اندازہ واقف کار ہی لگا سکتے ہیں، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی اسٹیج پر یا کسی معاملہ میں نمایاں نہیں ہوتے تھے، پس پردہ ان کا دماغ ندوہ، دارالعلوم اور کارکنان وطلباء کے انتظامات کو انجام دینے میں کام کرتا رہتا، وہ ان کو حل کرتے اور مناسب طریقہ کار بتاتے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خانوادۂ علم اللہی عقیدۂ توحید کی صلابت، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت واتباع میں ممتاز ہے، مولانا کے اندر یہ صفات بخوبی پائی جاتی تھیں، جب بھی کسی مضمون میں کوئی ایسا جملہ نظر آتا فوراً متنبہ کرتے اور اس کی اصلاح فرماتے، حتی کہ وہ صرف 'اللہ' نہیں بلکہ 'اللہ تعالیٰ' لکھتے، محض 'قرآن' نہیں بلکہ 'قرآن مجید' یا 'قرآن کریم' لکھتے اور حضرت 'محمد صلی اللہ علیہ وسلم' کے نام مبارک کے ساتھ صرف نام یا اشارہ میں 'ص' پسند نہیں کرتے بلکہ مکمل 'صلی اللہ علیہ وسلم' لکھنے کو کہتے اور وہ خود اپنے مضامین میں ان چیزوں کا اہتمام کرتے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے دوسال قبل جو واقعہ سامنے آیا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور محدثین کرام رحمہم اللہ کی خدمات واحسانات کا بالواسطہ یا بلاواسطہ انکار کیا جانے لگا، بلکہ ایک طرح سے اس قدسی جماعت کو ہدف تنقید وملامت بنایا گیا، تو ان کی رگ حمیت وغیرت پھڑک اٹھی، میں عینی شاہد ہوں کہ انہیں اس معاملہ میں بے چین ومضطرب دیکھتا اور ان کی باتوں سے اندازہ ہوتا کہ وہ کسی لچک یا نرمی ورواداری کے قائل نہیں' خواہ کہنے والا کوئی بھی شخص ہو، ایک بار مولانا فرمانے لگے کہ: میرے سامنے صحابۂ کرامؓ کے تئیں نازیبا الفاظ استعمال کیے جائیں، ان کی شان میں گستاخیاں کی جائیں، لمبی لمبی تحریریں لکھی جائیں اور گھنٹوں تقریریں ہوں، اور لاشعوری طور پر ان طلباء علوم نبوت کے ذہنوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعلق سے شکوک وشبہات کے بیج بوئے جائیں اور ایک طرح سے انہیں شیعیت کی طرف ڈھکیلا جائے، میں کیسے برداشت کرسکتا ہوں؟

اللہ تعالیٰ نے ان سے دارالعلوم ندوۃ العلماء اور اس کے مختلف شعبہ جات وملحقہ مدارس کی تنظیم وترتیب اور تعمیر وترقی کا جو کام لیا اور انہوں نے بفضلہ تعالیٰ جو کارنامے انجام دیے وہ لائق رشک ہیں،

خدا کی ذات پر ان کو ایسا بھروسہ تھا کہ صاف محسوس ہوتا کہ ان کا ایمان کس قدر راسخ ہے، وسائل کے انتظامات سے پہلے وہ خدا کی طرف رجوع کرتے اور پھر ابتدائی انتظامات کے بعد کام شروع کرادیتے اور ایسا محسوس ہوتا کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہے اور وہ اپنے بندوں کے ایمان وعقیدہ کے مطابق اس کے کام کو آسان کردیتا ہے، دارالعلوم کی مسجد طلباء کی روز افزوں تعداد کے پیش نظر تنگ ہوتی گئی ،سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ اس میں خاطر خواہ اضافہ کیا جائے، گویا ایک مستقل مسجد کے برابر اضافہ ہونا طے پایا، ابتدائی کام میں وسائل کم تھے لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے بھروسہ کام شروع کرادیا، اور ندوہ کے کارکنان و ملازمین سے بھی انہوں نے اس مبارک عمل میں حسب وسعت شرکت کے لیے کہا، اپنے اہل خانہ کو بھی متوجہ کیا، اور 'تعمیر حیات' میں اپنے قلم سے تعاون کی ایک اپیل جاری کروائی، شروع شروع میں کام سست رہا اور تعاون کا سلسلہ بھی کچھ مدھم ہی رہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کے بھروسہ ویقین کی لاج رکھ لی اور ایسی رکھی کہ تعاون ہوتا رہا اور وہ وقت آیا کہ انہوں نے ایک روز کہا کہ اب 'تعمیر حیات' میں اپیل بند کردیجیے، الحمد للہ ہمارے بجٹ کے مطابق بلکہ اس سے زائد تعاون موصول ہوگیا ہے، یہی صورت حال دارالعلوم کی دوسری عمارتوں اور تعمیری کاموں کے ساتھ رہی۔

۲۲؍مارچ ۲۰۲۱ء کو آخری بار مولانا سے ان کے دفتر میں ملاقات ہوئی، ۲۵؍مارچ کا شمارہ دکھایا اور اگلے ہی روز پیٹ کی تکلیف میں اضافہ ہوا، اور داخل ہسپتال ہوگئے، دوبار ہسپتال میں بھی تفصیلی ملاقات ہوئی، تقریباً آدھے گھنٹہ تک مختلف امور پر باتیں کرتے رہے، بالخصوص 'مکتوبات مفکر اسلام علیہ الرحمۃ' کی ترتیب واشاعت کا تذکرہ، یہاں تک کہ ہسپتال میں بھی 'مکتوبات' کی ایک جلد پر انہوں نے نظر ثانی کی، لیکن کسے پتہ تھا کہ وہ ہم سے اس قدر جلد رخصت ہوجائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے مولانا کی مغفرت فرمائے، انہیں ان کے اعمال وحسنات کا شایان شان صلہ عطا کرے، اور انہیں فردوس بریں کا مکیں بنائے، ان کی وفات کا دن اور وقت ان کے اعمال کی قبولیت اور قابل رشک موت کا پتہ دیتے ہیں جس کے لیے احادیث مبارکہ میں بشارت کے الفاظ آئے ہیں، رمضان المبارک کا مہینہ، آخری جمعہ، افطار سے پہلے کا وقت وہ اپنے مالک حقیقی کا ذکر کرتے ہوئے اس سے جاملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

> دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ۲۰۰۶ء میں فراغت کے بعد مجھے بفضل اللہ ایک سال کے لیے شعبۂ تدریب علمی میں بطور معاون مدرس تدریسی خدمت انجام دینے کا موقع ملا، پھر ۲۰۰۸ء میں الحمد للہ بطور مدرس تقرری ہوگئی اور اگلے سال سے 'تعمیر حیات' میں بھی بطور معاون مدیر تا حال خدمت کا موقع میسر ہے، معمول کے مطابق کمپوزنگ کے بعد جملہ مضامین پہلے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاح وترمیم سے گزرتے تھے، پھر شمارہ فائنل ہوکر پریس جانے سے قبل ایک باران کی سرسری نظر بھی ضرور پڑتی، اس دوران ہر ایک دو روز کے بعد مولانا کی خدمت میں حاضری کا موقع ملتا، دورانِ تعلیم ان کے دفتر نظامت میں یا کبھی شام کے وقت ان کے 'مکتبہ اسلام' گوئن روڈ میں اور کبھی ندوہ کے مہمان خانہ میں، اس بارہ سال کی مدت میں مجھے مولانا مرحوم سے بہت سیکھنے، اردو صحافت، اردو زبان وادب، مضمون نویسی اور املاء کے امور میں خاص طور پر استفادہ کا موقع ملا جو یہاں بیان کرنے کا موقع نہیں۔

☆☆☆

مولانا محی الدین ندوی

فن صحافت کا ایک روشن چراغ بجھ گیا

مولانا سید محمد حمزہ حسنیؒ ۱۰ ردسمبر ۱۹۵۰ء کو خانوادہ حسنی میں پیدا ہوئے، یہ قطبی سادات کا خاندان ۱۲۱۰ء میں ہندوستان آیا، اور کڑا مانک پور میں سکونت اختیار کی، پھر وہاں سے نصیر آباد رائے بریلی اور وہاں سے خاندان کے ایک بزرگ حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ رائے بریلی میں ''سی ندی'' کے کنارے آ کر آباد ہوئے بعد میں یہ جگہ تکیہ کلاں یا دائرہ شاہ علم اللہؒ کے نام سے موسوم ہوئی، اس خاندان میں بڑے بڑے بزرگ شیخ وقطب پیدا ہوئے جنہوں نے اطراف و اکناف میں پھیلی ہوئی تاریکی کو ختم کیا اور نور نبوت کو پھیلایا، اسی کڑی میں مجاہد آزادی سید احمد شہیدؒ جیسے لوگ پیدا ہوئے۔

میرا مولانا سے تعلق ۱۹۸۳ء کے بعد ندوہ سے فراغت کے بعد پیدا ہوا، ہوا یوں کہ میرے ایک ندوے کے دوست مولانا عبدالحسیب ندوی (جو کہ اس وقت ایک مدرسے کے مہتمم اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز ہیں) بحیثیت منیجر ماہنامہ ''رضوان'' میں کام کر رہے تھے تقریباً ایک سال انہوں نے ماہنامہ رضوان میں کام کیا پھر اچانک پھلت مظفر نگر بحیثیت مدرس مولانا کلیم صدیقی کے مدرسہ میں چلے گئے اور ماہنامہ ''رضوان'' میں جگہ خالی ہوگئی، مولاناؒ کو ایک آدمی کی ضرورت تھی، چونکہ میں مولانا عبدالحسیب ندوی کے ساتھ ۵-۶ ماہ رہ چکا تھا اور ماہنامہ رضوان کے کام کو سمجھ چکا تھا، تو مولانا نے اُن کی جگہ مجھے مامور کر دیا اس طرح مولاناؒ سے میرا تعلق شروع ہوا اور تقریباً ۳۰ ر سال مولانا کا اور ہمارا ساتھ رہا، ان ۳۰ ر سالوں میں مولانا سے کبھی کوئی بات ایسی نہیں ہوئی جو ناگوار گزرتی اور دل شکنی پیدا کرتی مولاناؒ بھی اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔

مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ مختلف خصوصیات کا مجموعہ تھے اُن میں سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت صبر اور تحمل تھی مولانا کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے تھے خواہ وہ سیاسی ہوں، عالم دین ہوں، مدارس کے ذمہ داران ہوں تاجر ہوں، مولانا کا رویہ سب کے ساتھ یکساں رہتا تھا ہر ایک سے خنداں پیشانی سے گفتگو کرنا، اگر کوئی اپنا ذاتی مسئلہ پیش کر رہا ہے تو اُس کو خوش اُسلوبی سے حل کرنا اور اس کو مطمئن کرنا یہ مولانا کا خاص وصف تھا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ بہت آہستہ گفتگو فرماتے، بعض اوقات کان لگا کر سننا پڑتا یا دوبارہ پوچھنا پڑتا، مولانا کے پاس بعض اوقات وہ لوگ بھی آتے جو بہت تلخ گفتگو کرتے اور مولانا بہت سکون سے اُن کی بات سنتے اور کوشش کرتے کہ اُن کو بھی مطمئن کر دیں اور عموماً ایسا ہی ہوتا تھا۔

مولانا سخت گرمی میں بغیر کولر کے رہتے تھے۔ کافی سالوں کے بعد کولر لگوایا، میرے کمرے میں بھی کولر نہیں تھا مولانا نے فرمایا کہ کولر لگوا لو گرمی بہت سخت ہو رہی ہے، میں ٹال دیتا تھا۔ ذہن میں یہ بھی رہتا تھا کہ مجھے دو تین گھنٹے بیٹھنا رہتا ہے کیا فائدہ ماہنامہ رضوان کے چار پانچ ہزار روپیہ خرچ ہو جائیں گے۔ رضوان میں اکثر پیسوں کی کمی رہتی ہے۔ ایک دن مولانا حسنی فارمیسی میں عصر کے بعد بیٹھے ہوئے تھے میں سامنے سے گزرا تو بلایا اور پوچھا کہ کولر لائے میں نے کہا نہیں کسی دن لے آؤں گا۔ مولانا نے محبت میں فرمایا ابھی جاؤ اور فوراً لے کے آؤ۔ دل میں سوچا کہ اب تو لانا ہی پڑے گا، میں فوراً لاٹوش روڈ گیا اور کولر لے کر آ گیا۔ یہ تھا مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا دوسروں کی تکلیف اور پریشانی کا خیال۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک اچھے منتظم کار تھے رائے بریلی میں ندوے کی جتنی شاخیں ہیں وہ مولانا کے والد ماجد حضرت محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ ہیں، اُن کے انتقال کے بعد مولانا ہی اُن کے ناظم اور سرپرست تھے اور بڑی خوش اُسلوبی سے اُن کو چلا رہے تھے اور دن بدن ترقی کررہی ہیں۔

مولانا کو مردم شناسی کا بڑا تجربہ تھا کسی آدمی کو ایک مرتبہ دیکھ لیتے فوراً سمجھ جاتے کہ اس سے کیا کام لیا جاسکتا ہے۔ یہ جوہر بہت کم لوگوں کو عطا ہوتا ہے، لیکن مولانا کے اندر یہ جوہر بدرجہ اتم موجود تھا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک بہترین مصنف، صحافی، انشاء پرداز تھے جس کی گواہی اُن کی تصنیفات ہیں۔ اُن میں جو سب سے اہم کام مولانا نے کیا وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ کے خطوط ہیں، جو انہوں نے جمع کئے یہ ایک دشوار کن کام تھا لیکن مولانا نے اس کو بہت خوش اسلوبی سے انجام دیا اور پانچ جلدیں منظر عام پر اُن کی زندگی میں ہی آگئی تھیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جو اداریہ ماہنامہ رضوان میں لکھے وہ فن صحافت کے شاہکار ہیں۔ کم سے کم الفاظ میں معانی کا سمندر سمودیتے تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اندر فن صحافت کا جوہر بدرجہ اتم موجود تھا، بے حیائی اور بے غیرتی پر ایک اداریہ میں لکھتے ہیں:

"اس وقت ہمارے ملک کے جو حالات ہیں وہ بہت ناگفتہ بہ ہیں، لہو ولعب، بے غیرتی اور بے حیائی کا سیلاب ہے جس میں لوگ ڈوبتے چلے جارہے ہیں آپ کسی سڑک پر نکل جائیں، کسی پارک کے سامنے سے گذر جائیں ایسے ایسے مناظر آپ کو دیکھنے کو ملیں گے جس نے غیرت اور شرم کا جنازہ نکال دیا ہے، اس کو تہذیب وتمدن کی علامت سمجھا جانے لگا ہے وہ گناہ جورات کے اندھیرے میں کئے جاتے تھے وہ دن کے اُجالے میں کئے جارہے ہیں۔ تو تباہی اور بربادی سے تمہیں کون روک سکتا ہے۔

"فاعتبرو یا اولی الابصار"

حُسن اخلاق کی تعلیم کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"تعلیم وتربیت کے باب میں سب سے مؤثر چیز اسوۂ حسنہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اس کی سب سے بڑی اور جامع مکمل مثال ہے۔ قرآن کریم نے ایک طرف آپ کے حُسن اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے **"انك لعلى خلق عظيم"** اور دوسری طرف آپ کے اسوۂ کی اتباع اور دعوت دیتے ہوئے کہا ہے، **"لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة"** مولانا اسوۂ نبوی کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی مثالی تھی زہد وتقویٰ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا شعار تھا تواضع و انکساری آپ کی صفت تھی کم گوئی وکم آمیزی طبیعت ثانیہ تھی عیب جوئی سے پاک، ریاکاری اور نام ونمود سے کوسوں دور ہے۔ اخلاق حسنہ کا پیکر، حلم ومروت کا نمونہ تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ندوے میں بہت ترقی ہوئی، خصوصاً ندوے کی مسجد کی توسیع اُن کی زندگی کا بڑا کارنامہ ہے طلبہ کے کئی ہاسٹل تعمیر ہوئے جس سے طلبہ کے رہنے کی دشواری دور ہوگئی، اور ایک بڑا ہاسپٹل ڈاکٹر عبدالعلی کے نام سے تعمیر ہوا جس سے طلبہ کو بہت فائدہ ہوا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے آخری دور میں ندوے کے کاموں میں اپنے آپ کو بالکل کھپا دیا تھا مکتبہ الاسلام اور ماہنامہ رضوان سے بالکل جزوی سا تعلق رہ گیا تھا۔ مولانا کا پہلے یہ معمول تھا کہ آپ ندوے سے دوپہر میں ماہنامہ رضوان کے دفتر واپس آجاتے تھے اور دوپہر کا کھانا یہیں تناول فرماتے تھے اور آرام کرتے تھے، لیکن آہستہ آہستہ یہ معمول بدل گیا کہ سارا دن ندوے میں گزارتے اور بعد عصر تشریف لاتے اور نماز عشاء تک مکتبہ اسلام میں بیٹھتے اور جب لاک ڈاؤن لگا تو تقریباً ہر چیز بدل گئی، مہینوں ملاقات نہیں ہوتی تھی بہت کوشش کے بعد ملاقات ہو پاتی جو ضروری بات کرنی ہوتی وہ ہوجاتی اس ڈر سے کہ معلوم نہیں پھر کب ملاقات ہو۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دو بیٹے ہیں۔ دونوں ماشاء اللہ ندوہ سے فاضل ہیں ایک کا

نام سید رشید حسنی ندوی جو مدرسہ مظہر الاسلام بلوچ پورہ میں تدریس کے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ اور ماہنامہ رضوان کے مدیر بھی ہیں۔ اور دوسرے بیٹے سید سعید احمد حسنی ندوی عموماً رائے بریلی میں مولانا ثانی سوسائٹی وغیرہ کے امور کو انجام دیتے ہیں۔ اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کاموں کو بڑی خوش اسلوبی سے آگے بڑھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے آخری دو سالوں میں ندوے میں کافی انتشار رہا جبکہ یہ انتشار کی چنگاری کافی عرصے سے سلگ رہی تھی آخر میں لاوا پھوٹ پڑا اور یہ انتشار اپنوں کی جانب سے تھا نہ کہ غیر کی طرف سے غیروں سے مقابلہ کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ اپنوں کے مقابلے، مولاناؒ نے اس فتنہ کو اپنے صبر و تحمل سے زیادہ آگے بڑھنے نہیں دیا۔ مولاناؒ پر بڑے رکیک حملے کئے جا رہے تھے لیکن مولاناؒ اس کو برداشت کرتے رہے اور کوئی جواب نہ دیتے۔ آخر کار مولاناؒ نے اس فتنہ کو بڑی دانشمندی اور سمجھداری سے ختم کر دیا اور ندوے کو محفوظ کر دیا، یہ مولاناؒ کا بڑا کارنامہ ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولاناؒ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور اُن کی سیات کو حسنات سے مبدل فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔ ○○

آج کل صحافت کے ذریعہ جو نظریات اور خیالات پھیلائے جا رہے ہیں اور جس طرح کی بدخدمتی معاشرہ کی کی جارہی ہے وہ ہم سب کے سامنے ہے اور اس کے جو برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں اس کی وجہ سے پورا معاشرہ اخلاقی بگاڑ اور خاندانی انارکی میں مبتلا ہوتا جارہا ہے اخلاقی قدریں، ایثار و قربانی صلۂ رحمی ایک دوسرے کی مدد کرنا دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہونا یہ سب باتیں اب قصہ پارینہ ہوتی جارہی ہیں ان کا تذکرہ اب قصے کہانیوں کی طرح کتابوں میں رہ گیا ہے جس کو لوگ دل خوش کرنے کے لئے پڑھ لیتے ہیں۔

یہ صورت حال ایک مسلمان کے لئے جس کے لئے دنیا ہی سب کچھ نہیں ہے بڑی تشویش اور فکر کی بات ہے اور اس کو اس پر غور کرنا ضروری ہے جس طرح ہم بیماری سے فکرمند ہوتے ہیں اور اپنے مریض کے علاج کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کیا اسی طرح ہم اخلاقی بیماریوں اور اپنے گھرانہ کے لئے تباہ کن رسالوں اخباروں اور ٹیلی ویژن کے اخلاق سوز نشریات کے لئے فکرمند ہوتے ہیں؟

بداخلاقی، بے حیائی اور خدا بیزار تہذیب کا ایک سیلاب تند و تیز آیا ہوا ہے اگر اس کا رخ نہ موڑا گیا تو یہ سیلاب سب کچھ بہا لے جائے گا اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے اور اس وقت کچھ نہ ہو سکے گا۔ گھر کے گر جانے کے بعد اگر اس کو گرنے سے بچانے کی کوشش کی جائے تو یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہوگی۔

اس وقت ہمارا فرض ہے کہ ہم دینی کتابوں رسالوں کو ایک مہم کی طرح گھر گھر پہنچانے کی کوشش کریں اور اپنے تعلق والوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو اس پر آمادہ کریں کہ وہ اپنے گھر میں پاکیزہ اسلامی تہذیب و ثقافت کو زندہ کریں اور دینی کتابوں اور رسالوں کو اپنے گھر کی زینت بنائیں اور مخرب اخلاق لٹریچر کو گھروں میں داخل نہ ہونے دیں اور اس سے اس طرح بچیں جس طرح بیماریوں سے بچتے ہیں، تبھی ہمارا معاشرہ اور ہمارا خاندان محفوظ رہ سکے گا۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب اشہر بستوی

”وہ ماہتاب تھا: نہ رہا“

آہ! حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ

موت سے کس کو رستگاری ہے
پھر بھی ہم سب کو بیقراری ہے
عالم خوف سب پہ طاری ہے
کہ ابھی سلسلہ یہ جاری ہے

کرونا مہاماری کے طوفان نے حالیہ دنوں میں ایسا قہر برپا کیا کہ تنکوں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے سفینوں کو بھی بہالے گیا، ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں اساطین امت اس کی نذر ہوگئے، موت کا وقت تو مقرر ہے، پھر بھی کچھ لوگوں کی وفات سے دل کی بستی ویران سے لگنے لگتی ہے، دل کی کلی مرجھا سی جاتی ہے، آشیانۂ روح سنگ سا جاتا ہے۔

انہیں شخصیات میں سے ایک عظیم القدر ہستی حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نوراللہ مرقدہٗ کی بھی ہے، ان کی رحلت سے صرف حسنی خانوادے کو دھچکا نہیں لگا، بلکہ ندوۃ العلماء سمیت پورے ملک بلکہ پوری امت مسلمہ کے لئے ایک جانکاہ عظیم حادثہ ہے۔

مولانا موصوف کے سر بہت سے اداروں کی سرپرستی سمیت سلسلۂ درس و تدریس، ندوے کے مختلف شعبہ جات کی نگرانی و ذمہ داری، علمی و تحقیقی کدوکاوش، دعوتی وتبلیغی اسفار اور اس سے بڑھ کر ندوۃ العلماء کے نائب ناظم ہونے کی ذمہ داری تھی، بحمداللہ مولانا موصوف بڑی تندہی اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ ساری ذمہ داریاں نبھاتے رہے اور بالآخر ۲۳؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ کو اپنی تمام تر مصروفیات سے سبکدوش ہوگئے، شاید اللہ رب العزت کو ان کی گوناگوں اور تھکا دینے والی ذمہ داریوں سے چھٹکارا دینا تھا کہ اے میرے بندۂ ناتواں! تو نے اتنے سارے بار گراں اپنے اوپر لاد رکھے ہیں۔ چل میرے پاس آجا، تجھے اپنے کمزور اعصاب پر ترس نہیں آتا؟ چل اب بس کر، تیرے جذبات وخدمات دین کو میں نے بسروچشم قبول فرمایا، تجھے نہیں، مگر مجھے تجھ پر ترس آرہا ہے! دنیا کی کلفتوں اور مشقتوں کو خیرباد کہہ کر آجا میرے بہشت میں، پھر کیا تھا۔ "**الموت جسر يوصل الحبيب الى الحبيب**"۔ **انا لله و انا اليه راجعون۔**

آپ حسنی خانوادے کے مشہور و معروف عالم دین صاحب طرز ممتاز ادیب و شاعر اسلام حضرت مولانا محمد ثانی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے اور سونے پر سہاگہ یہ کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہٗ کے زیر تربیت پروان چڑھے اور ان کے افکار و خیالات سے حصہ وافر حاصل کیا، آپ حسنی خانوادے کی تمام امتیازی خصوصیات سے مالا مال تھے، تواضع و انکساری ہو، سادگی و متانت ہو، یا زہد وقناعت ہو، علمی وتحقیقی نگارشات ہوں یا فکر وغم امت کے موجزن جذبات ہوں یا اشاعت دین وفروغ اسلام کے لئے عالمی سطح پر محنت کشی و افراد سازی ہو۔ "**صل من قطعك واعف عمن ظلمك**" کا عنصر بھی اس خانوادے کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ **جزاهم الله خير الجزاء في الدارين۔** (آمین)

اب آخر میں مولانا موصوف کا ایک اداریہ جسے بحیثیت مدیر "ماہنامہ رضوان" لکھنؤ کے لئے تحریر فرمایا تھا، اسے پیش کرنا ضرور سمجھتا ہوں، کیونکہ مولانا کی حیات مبارک کا آخری اداریہ ہے، اس سے مولانا کی اسلوب نگارش کے ساتھ پوری امت مسلمہ کے لئے بے تاب جذبات اور مسلمانوں کی بے بسی پر شدید کڑھن کا بھی احساس ہوگا، خدا کرے ہم میں سے کسی کا خفتہ ضمیر بیدار ہوجائے اور مولانا موصوف کے خلاء کو پُر کرنے کے لئے کمربستہ ہوجائے اور فکر امت میں آسائش وراحت کو چھوڑ کر خدمت دین واسلام کے واسطے اٹھ کھڑا ہو۔ یہ رہی وہ تحریر:

"اپنی بہنوں سے"

اس وقت مدارس اسلامیہ پر دشمنان اسلام کی یلغار ہے۔ حیرت کی بات یہ نہیں ہے کہ امریکہ اور اس کے حواریوں کا حملہ مدارس پر ہو، وہ تو ہوگا ہی، کیونکہ مدارس دین کے قلعے ہیں اور یہودی وعیسائی اس بات کو بخوبی سمجھ گئے ہیں کہ جب تک علم دین کے یہ چشمے جاری رہیں گے وہ اسلام کو نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے، اس لئے انہوں نے بڑی تیاری کے بعد اپنے حملوں کا رخ مدارس کی طرف کیا ہے اور اپنی پوری توانائی وطاقت اس میں جھونک دی ہے۔

لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمارے وہ مسلمان جو اپنے کو ترقی یافتہ سمجھتے اور کہتے ہیں وہ بھی دانستہ یا نادانستہ دشمنان اسلام کی اس مہم میں شریک ہو گئے ہیں۔ کچھ تو مغربی ملکوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہو کر اور کچھ ذہنی طور اس قدر مغربیت زدہ ہیں کہ ہر وہ چیز جو یورپ کی طرف سے آئی ہو، یا یورپ کی ہوا اسے لگ گئی ہو، اسے تریاق سمجھتے ہیں اور اسی کو موجودہ دور کے لئے بہترین نمونۂ زندگی جانتے ہیں، وہ اس پر ذرا غور نہیں کرتے کہ یورپ ان کا ہمدرد کیسے ہو سکتا ہے، جس نے صدیوں سے اسلام دشمنی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے علاوہ کوئی اور خدمت نہیں انجام دی...... ایسے دشمنوں جو دوست سمجھنا ناعاقبت اندیشی ہے، جس کا نتیجہ سوائے تباہی وبربادی کے کچھ اور نہیں ہے۔

جو لوگ عصری تعلیم کو ضروری سمجھتے ہیں ان کے لئے میدان عمل کھلا ہوا ہے وہ جدید ادارے کھولیں اور جو اس میں پڑھنا چاہتے ہیں ان کو پڑھائیں لیکن مدارس اسلامیہ کو ان کی راہ سے ہٹا کر جدید علوم کا مرکز بنانا سوائے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے کوئی اور مقصد نہیں ہے۔

اداریہ "ماہنامہ رضوان" مئی ۲۰۲۱ء

(ماہنامہ برائے خواتین)

اللہ رب العزت حضرت مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے، خدمات دین اور جذبات فروغ اسلام کو قبول فرما کر اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل اور امت کو جانشین مرحمت فرمائے۔

(آمین ثم آمین)

□□□

آج کل ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ صرف انہیں مسائل کی طرف ہماری توجہ رہتی ہے جن کا تعلق ہماری معاش سے ہے، کسی جگہ بھی چاہے مجلس غم ہو یا محفل شادی یہی موضوع گفتگو ہوتا ہے، اگر ملازم ہیں تو تنخواہ کی کمی کی شکایت اور اگر تجارت پیشہ ہیں تو اس راہ کی دشواریوں اور ٹیکسوں کی شکایت ہمارے خاص اور محبوب موضوع گفتگو ہوتے ہیں اور اگر موضوع پر گفتگو کرتے کرتے تھک جاتے ہیں تو اپنے عزیزوں رشتہ داروں اور دوست احباب پر تنقید وتبصرہ کرنا ہمارا فرض ہو جاتا ہے۔ کسی وقت دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ کسی قوم کی ترقی اور پنپنے کا کیا یہی طریقہ ہے، کیا ہمارے اسلاف کرام نے اسی طریقہ پر زندگی گزار کر دنیا کا اکثر حصہ فتح کیا تھا اور ویس بدیس اسلام کا پیغام پہنچایا تھا، علم وتمدن کو نئی زندگی اور تابندگی عطا کی تھی۔ وہی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھا تھا۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے اپنا مقصد زندگی صرف دولت کمانا اور عیش وآرام کے ساتھ زندگی گزارنا بنا رکھا ہے، ہماری نگاہ اس سے بلند ہوتی ہی نہیں آج ہر جگہ یہ حالت ہے مسلمان ہر میدان میں پیچھے ہوتے جا رہے ہیں، تعلیم کا میدان ہو صنعت وحرفت کا میدان ہو یا سیاست ہو کہیں بھی ہمارا کردار قائدانہ نہیں بلکہ ہر جگہ ہماری حیثیت ایک ایسی بھیڑ کی ہے جس کو دوسری قومیں ہنکا رہی ہیں، اور ہم چیختے چلاتے ان کے پیچھے دوڑے جا رہے ہیں۔ جس قوم وملت کی ایسی خطرناک صورت حال ہو اور وہ قوم عیش وآرام کی جستجو میں مگن ہو، آپسی دشمنیوں میں دیوانی ہو رہی ہو، بجائے اتحاد وملت کے اختلاف وانتشار کو جس نے اپنا شیوہ بنا رکھا ہو، ایک دوسرے کا گلا کاٹنا جس کا محبوب مشغلہ ہو اپنے بھائی کو ترقی کرتے نہ دیکھ سکنا جس کا مزاج بن چکا ہو اس قوم کا انجام کیا ہوگا۔ خود غور کیجئے اور جنگی پیمانہ پر ان حالات سے نپٹنے کے لئے میدان میں آیئے سمجھ لیجئے آپ کی ہماری ذرا سی سستی ہم کو ایسے گڈھے میں ڈھکیل دے گی جس سے نجات ممکن نہ ہوگی۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

مولانا ذکی نور عظیم ندوی، لکھنؤ

مولانا حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل مشن

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نائب ناظم اور ناظر عام حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے صرف دارالعلوم ندوۃ العلماء یا مولانا کا خاندان ہی متاثر نہیں، بلکہ یہ عمومی تعلیمی ودعوتی مشن کے لئے بھی ایک بڑا دھچکا ہے۔ لوگوں کی نظر میں مولانا سید محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ انتظامی امور کے ماہر، مالیات کا بہترین بندوبست کرنے والے اور رابطہ عامہ کی خصوصی صلاحیت رکھنے والے ایک عظیم فرد تھے۔

مولانا کی سب سے بڑی انفرادیت ان کی کم گوئی تھی جس کی وجہ سے ان کے بہت سے امتیازات لوگوں سے اوجھل تھے۔ ان میں ایک اہم پہلو جس سے بیشتر لوگ شاید واقف نہیں اور جس کے سلسلے میں انہوں نے اپنی وفات سے ۴، ۵ ماہ قبل کافی منظم کوششیں شروع کی تھیں اور وہ ہے ''اسلام میں مساجد کا حقیقی کردار۔''

مولانا سید محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر ہندوستانی سماج میں مساجد کی حقیقت اور اس کا عظیم و وسیع کردار لوگوں کے سامنے لاکر، اس سے اسلام کا صحیح تعارف اور اس کے فوائد کو عملی شکل میں عام کرنے کے لئے بھی کافی فکرمند تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے لکھنؤ کے چنندہ نوجوان علماء اور ائمہ مساجد کے ساتھ ایک مشاورتی نشست بھی رکھی جس میں دوسرے بڑے علماء کے ساتھ خود بھی شریک رہے۔ اور ایک کمیٹی تشکیل دی جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ دعوت وتبلیغ اور کلیۃ الدعوۃ کی مشترکہ نگرانی میں اس سلسلے میں غور و خوض کرکے مناسب لائحۂ عمل طے کرے اور مساجد کے کام کو وسیع اور عام کرنے کے لئے سنجیدہ منصوبہ بنائے۔

اس سلسلے میں رمضان سے قبل شہر کے منتخب ائمہ ومتولیان مساجد کی ایک نشست دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اور دوسری نشست کے کے پیلس خرم نگر میں منعقد کی گئی۔ جب کہ تفصیلی تبادلہ خیال کے لئے متعینہ کمیٹی کی کئی نشستیں کلیۃ الدعوہ میں ہوئیں اور یہ طے کیا گیا کہ رمضان اور بقرعید کے درمیان اس کو منظم طور پر ابتدائی مرحلے میں لکھنؤ میں عملی شکل دینے کی کوشش کی جائے۔ اس کے بعد دوسری جگہوں پر اس کی توسیع کے بارے میں سنجیدہ غور وخوض اور منظم کوششیں شروع ہوں۔ اس مشن کے ذریعہ یہ کوشش کی جائے کہ مسجد صرف نمازگاہ ہی نہ ہو، بلکہ وہ ایک ایسا تعلیمی ادارہ بھی ہو جس میں درس قرآن، درس حدیث، دینی معلومات کے حلقے، عصری اداروں کے طلبہ کے لئے قرآن کی تعلیم اور دینی معلومات، بڑی عمر کے افراد کے لئے تصحیح قرآن اور عبادتوں میں دعاؤں کی تفہیم، اس طرح دیگر رفاہی وخیراتی ومشاورتی تمام امور مساجد سے ہی انجام دیئے جائیں۔

لوگوں کو مسجد سے رسمی تعلق کے بجائے حقیقی اور صحیح معنی میں جوڑ دیا جائے جس میں تمام افراد ایک دوسرے کی ضرورتوں، صلاحیتوں اور پیش آنے والے حالات سے نہ صرف واقف ہوں بلکہ حقیقی اسلامی بھائی چارہ کو سمجھتے ہوئے ایک دوسرے کے دکھ درد میں ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ عملی طور پر اختیار کریں۔

مولانا حمزہ حسنی صاحب کی کم گوئی کی بنیاد پر ان کی بہت سی امتیازی خصوصیات لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں لیکن حقیقت میں وہ جس عظیم اور وسیع کردار کی بنیاد پر اسلامی معاشرہ کی تشکیل چاہتے تھے اس کو سمجھنے کے لئے یہ مثال بہت حد تک مفید ہوسکتی ہے۔

مولانا حمزہ حسنی صاحب کی ایک اور خصوصیت ہر طرح کے مسائل کو خاموشی سے حل کرنا ہے۔ وہ ادارہ میں مختلف شعبوں

اور ان کے ذمہ داروں اور ان کے کاموں کو بغیر کسی بدمزگی کے باہمی افہام وتفہیم سے کرنے کا سلیقہ بھی خوب جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ میری ذاتی معلومات کے مطابق ندوہ کے بعض بڑے اساتذہ اپنے گھریلو اور خاندانی مسائل میں بھی ان سے مدد لیتے رہے اور انہوں نے کسی کو مایوس نہیں کیا۔

اللہ سے دعا ہے مولانا کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند کرے۔ ان کی وفات سے پیدا ہونے والی خلاء کی بھرپائی کرے اور ان کے شروع کئے گئے کاموں کو مکمل کرنے کا مناسب انتظام فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ خاص طور پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو ہمیشہ کی طرح ہمت و حوصلہ عطا فرما کر صحت وعافیت کے ساتھ ملک وملت کی خدمت کی توفیق دیتا رہے۔

○○○

ہمارے ملک کے حالات جو اس وقت ہوگئے ہیں وہ کسی بھی شخص سے پوشیدہ نہیں ہیں جو ملک ایک مدت سے امن و امان کا گہوارہ تھا وہ فساد وانتشار اور نفرت کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ اور اب یہ حال ہوگیا ہے کہ کوئی بھی شخص اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتا کہ اگر وہ گھر سے نکلتا ہے تو خیریت سے واپس بھی آسکتا ہے، جنگل میں وحشی درندوں کے درمیان انسان تو محفوظ رہ سکتا ہے، لیکن شہروں میں آبادیوں میں اس کی جان ومال محفوظ رہے اس کی کوئی ضمانت نہیں۔

ان حالات میں ہمارا کیا کردار ہونا چاہئے اور اس مشکل اور مسائل سے پُر دور سے کس طرح عہدہ برآ ہونا چاہئے یہ بہت غور وفکر کی بات ہے، جذبات سے الگ ہوکر وقتی جوش اور گرمی کو دماغ سے نکال کر اس سنگین صورت حال کی عقدہ کشائی کرنا ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ہم کو دنیا کے دیگر ممالک کے حالات کا گہرائی سے جائزہ لینا چاہئے۔ ان ممالک کے مسلمان جن مسائل اور حالات سے دوچار ہیں ان کو سامنے رکھنا چاہئے، قوموں کی زندگی میں ایک معمولی قدم بھی غیر معمولی اثر رکھتا ہے اور اس کے دوررس اور تاریخی اثرات ہوتے ہیں وہ قوم ہرگز ترقی نہیں کرسکتی جو عقل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے، اس سلسلہ میں ہمارے لئے روشن مثال ہمارے اسلاف کی ہے، جنہوں نے اس سے زیادہ مشکل حالات میں زندگی گزاری ہے اور مصائب وتاریکیوں میں قندیل رہبانی بن کر نہ صرف خود کے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی روشن مینار ثابت ہوئے۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ سب سے بڑی ذمہ داری ہماری ہے ہم اس صورت حال کو بدلیں اپنی زندگیوں کو بدلیں اور اس کو اسلام کے سانچہ میں ڈھال کر سراپا محبت بن جائیں اور اسلام کا پیغام ہر ہر فرد کو پہنچائیں اور یہ ثابت کریں کہ اسلام ہی ایک ایسا تریاق ہے جو ہر قسم کے زہر کو ختم کرسکتا ہے اور اسی کے سایہ تلے انسانیت زندہ رہ سکتی ہے، رحمت للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کا نمونہ ہمارے سامنے ہے، اگر ہم اس نمونے کو اپنے سامنے رکھ کر اپنی زندگی نہیں گزاریں گے تو چاہے ہم جتنے بڑے مظاہرے کریں، بند منائیں، جلوس نکالیں، ہم کو قطعی کامیابی نہیں ملے گی، کیونکہ مسلمان اسلام کی زنجیر سے بندھی ہوئی قوم ہے۔ جس کا سرا نبی عربی سرور کائنات رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں میں ہے۔ جو اس مبارک زنجیر سے منسلک رہے گا وہ کامیاب ہوگا، اور جو اس زنجیر سے الگ ہوگا اور نیا راستہ اختیار کرے گا وہ رسوا اور برباد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سیدھے راستے پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

سید رشید احمد حسنی ندوی
استاد مدرسہ مظہر الاسلام بلوچپورہ لکھنؤ و ایڈیٹر ماہنامہ رضوان لکھنؤ

والد ماجد علیہ الرحمہ
نقوش و یادیں

حسنیوں کے لئے خلیفہ منصور عباسی کا دور حکومت سخت آزمائش اور ابتلاء کا دور تھا خانوادہ حسنی کے گل سرسبد اور خانوادہ علم اللّٰہی و قطبی کے مورث اعلیٰ حضرت محمد ذو النفس الزکیہ بن عبداللہ المحض شہید ہوئے اور ان کی اولاد کو وطن چھوڑنا پڑا وہ خاندان مدینہ منورہ سے ہندوستان پہنچا پھر واپس مدینہ منورہ پہنچا وہاں سے بغداد و غزنی پہنچا پھر شیخ الاسلام امیر کبیر حضرت سید قطب الدین محمد المدنی نے تاتاریوں کے ہنگامہ کے بعد بغداد سے اس وقت کوچ کیا جب والد ماجد کی شہادت ہو چکی تھی غزنی آئے اور وہاں کچھ مدت رہے پھر ہندوستان تشریف لائے۔ یہ زمانہ غالباً قطب الدین ایبک کا تھا۔ ان کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کیا کڑا مانک پور ہنسوہ کے علاقے ان کے زیر قیادت فتح ہوئے سلطان شمس الدین التمش آپ کا نہایت اکرام کرتا تھا۔ شیخ السلام قطب الدین محمد المدنی کی اولاد بڑی باکمال تھی تین صاحب زادے ہوئے سب سے بڑے نظام الدین اپنے والد کے قدم بقدم تھے مگر والد کی زندگی ہی میں وفات پاگئے ان کے دوسرے صاحب زادے رکن الدین کڑا کے قاضی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے قاضی رکن الدین بن نظام الدین بن قطب الدین محمد المدنی کی اولاد میں بڑی برکت عطا فرمائی۔ جس میں سید العارفین حضرت الشاہ علم اللہ حسنی نقشبندی اور پھر ان کی ذریت میں امیر المومنین حضرت سید احمد شہید حسنی رحمۃ اللہ علیہ کو اصحاب اہل دل و مشائخ میں جو عزت و مقام ملا وہ محتاج تعارف نہیں۔

حضرت شاہ علم اللہ حسنی

حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ اپنے عہد کے عالی مرتب متبع السنت شیخ طریقت تھے آپ کے والد حضرت سید محمد فضیل نصیر آباد سے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تھے پھر واپس نہیں آئے اور وہیں اسی سرزمین پر انتقال فرمایا جس سنہ میں ان کے فرزند نصیر آباد رائے بریلی میں پیدا ہوئے حضرت شاہ علم اللہ حسنی 12 ربیع الاول 1033ھ میں پیدا ہوئے حضرت شاہ علم اللہ حسنی کو پہلے دیوان سید خواجہ احمد نصیر آبادی کی صحبت ملی پھر 15 سال کی عمر میں حضرت سید آدم بنوری کی صحبت میں پہنچے اور تھوڑی مدت میں حضرت سید آدم بنوری نے اجازت و خلافت عطا فرمادی اور وطن جانے کو کہا رخصت ہونے کے وقت حضرت شاہ علم اللہ حسنی نے بھی ہجرت کی اجازت مانگی حضرت سید آدم بنوری نے فرمایا ہجرت کر سکتے ہو مگر کوئی مرد خدا تم کو روکے تو رک جانا۔ حضرت شاہ علم اللہ حسنی پر ہجرت مدینہ کا جذبہ بہت طاری تھا اپنے وطن نصیر آباد پہنچ کر اپنے اہل وعیال کو لے کر رائے بریلی شہر آئے اور چند دن قیام کیا ایک دن صبح کو ایک مجذوب بزرگ شخصیت شاہ عبدالشکور صاحبؒ سے ملاقات کی شاہ عبدالشکور صاحبؒ نے ان کو ٹھہرنے کو کہا تو حضرت شاہ علم اللہ حسنی نے قیام پر آمادگی ظاہر کردی۔

حضرت شاہ آیت اللہ حسنی

حضرت شاہ علم اللہ حسنی کے چار صاحب زادے ہوئے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ حضرت شاہ آیت اللہ حسنی فرزند اکبر تھے اور وہی اپنے والد کے جانشین

ہوئے حضرت شاہ آیت اللہ حسنی 1053ھ کو دائرہ شاہ علم اللہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید بہت اچھا یاد تھا اپنے والد کے بڑے مطیع و فرمانبردار اور معاون و مساعد تھے۔ 1083ھ میں اپنے والد ماجد حضرت شاہ علم اللہ حسنی کے ساتھ جب انہوں نے مسجد تعمیر کی تو یہ پوری تعمیر میں شریک رہے۔ 1096ھ میں اپنے والد کی جگہ مسند تربیت وارشاد پر بیٹھے پھر 1116ھ کے شروع میں جنوب ہند تشریف لے گئے۔ اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کے لشکر میں شمولیت اور جہاد پیش نظر تھا راستہ میں وقت موعود آپہنچا اور اس طرح فی سبیل اللہ وفات پائی پانچ صاحب زادے ہوئے سید محمد احسن، سید محمد ضیاء، سید عظیم الدین، سید محمد فیاض، سید محمد صابر۔

مولانا سید محمد صابر

حضرت شاہ آیت اللہ حسنی کے صاحب زادے اور حضرت سید محمد ضیاء کے جانشین تھے اپنی والدہ ماجدہ کے اشارے پر دہلی جاکر حضرت شیخ محمد صدیق فرزند خواجہ محمد معصوم پسر حضرت مجدد الف ثانی سے سلوک طے کیا اور خلافت پائی اور خاندانی نسب سے اپنے بھائی حضرت سید محمد ضیاء سے حاصل کی جس میں حضرت شاہ علم اللہ کی نسبت خاص حاصل تھی بڑے خوش الحان قاری تھے حسن اخلاق سخاوت و فیاضی و عبادت و ریاضت زہد و ورع کی دولت بھی حاصل تھی۔ 1163ھ میں دائرہ حضرت شاہ علم اللہ حسنی تکیہ کلاں میں وفات پائی اور مسجد کے غرب وشمال کے حصہ میں سپرد خاک ہوئے۔

مولانا سید محمد واضح حسنی

مولانا سید محمد صابر حسنی کے صاحب زادے ہیں اپنے والد کے جانشین ہوئے درسیات اپنے والد ماجد اور ملا عبداللہ امیٹھوی سے پڑھیں اور ملا نظام الدین فرنگی محلی کی خدمت میں حاضری دیتے رہے اور استفادہ کرتے رہے۔ تکمیل علوم ظاہری کے بعد طریقہ نقشبندیہ حسنیہ اپنے والد سے حاصل کیا اور ان کے ارشاد کے مطابق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحاح کی سند خاص طور سے صحیح بخاری کی سند حاصل کی والد کے انتقال کے بعد تکیہ کلاں رائے بریلی میں تربیت مریدین اور تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے اور مولانا سید محمد واضح حسنی کے کئی صاحب زادگان ہوئے مولانا سید محمد جامع، مولانا سید غلام جیلانی، مولانا سید قطب الہدیٰ محدث، سید معصوم احمد، مولانا سید غلام جیلانی، یہ سب حضرت مولانا سید محمد واضح محدث حسنی کے صاحب زادے ہیں۔ آپ 1175ھ میں دائرہ شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلی میں پیدا ہوئے درسیات کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی پھر علماء لکھنؤ سے پڑھا اور دہلی جاکر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی خدمت میں رہے۔ عمر بھر تدریس کو مشغلہ بنائے رکھا۔ حضرت سید احمد شہید حسنی سے بیعت ہوئے۔ بڑے عبادت گذار صابر و متوکل زاہد وقانع تھے۔ اسی سال کی عمر میں 1254ھ یا 1255ھ کو انتقال کیا۔ آپ کے دو صاحب زادے ہوئے۔ مولانا سید سعید الدین اور مولانا سید محمد ظاہر۔

مولانا سید سعید الدین صابر

مولانا سید سعید الدین صابر دینی علم و صلاح اور صاحب رشد و فلاح تھے مولانا سید سعید الدین حسنی 1213ھ میں دائرہ حضرت شاہ علم اللہ حسنی میں پیدا ہوئے۔ مولانا سید سعید الدین حسنی مولانا شاہ اسماعیل دہلوی شہید کی علمی مجلسوں میں برابر شریک ہوئے اور علمی استفادہ کرتے تھے۔ مولانا سید سعید الدین نے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کیمیا اثر نظر اور اہل کمال کی صحبت سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ حضرت سید احمد شہید کی شہادت کے بعد حیدرآباد۔ کلکتہ۔ فقیہ صالح دیندار کریم النفس تھے مولانا سید سعید الدین حسنی نے بروز جمعہ بعد غروب آفتاب 23 جمادی الاول 1293ھ کو اسی (80) سال کی عمر میں وفات پائی۔ مولانا سید سعید الدین حسنی

کے دو صاحب زادے ہوئے مولانا سید رشیدالدین حسنی۔ مولانا سید وحیدالدین (شاہ ضیاء النبی حسنی) تھے۔

مولانا سید رشیدالدین حسنی

مولانا سید رشیدالدین حسنی 1239ھ میں دائرہ حضرت شاہ علم اللہ حسنی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی درسیات اپنے جدامجد مولانا سید غلام جیلانی حسنی سے پڑھیں اس طرح بیک واسطہ حضرت عبدالعزیز دہلوی کے شاگرد بھی ہوئے بقیہ تعلیم مولانا انواراحمد خاں شاگرد مولانا سید غلام جیلانی سے اور پھر لکھنؤ جاکر مولانا عبدالرزاق فرنگی محلی سے صرف ونحو اور علوم عالیہ کی تعلیم حاصل کی مولانا سید رشیدالدین حسنی تلاوت قرآن کے بڑے پابند تھے اور خلاف شرع کوئی بات برداشت نہ کرتے اور سخی وفیاض تھے مولانا سید رشیدالدین حسنی کے پانچ صاحب زادے ہوئے اور چار صاحب زادیاں ہوئیں۔ سید ظہیرالدین، سید کبیرالدین، سید ضیاءالدین، سید خلیل الدین احمد، سید امین الدین احمد۔

مولانا سید خلیل الدین احمد حسنی

مولانا سید رشیدالدین حسنی کے فرزند مولانا سید خلیل الدین احمد حسنی، مولانا حکیم عبدالحئی حسنی کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ مولانا سید خلیل الدین حسنی کو اللہ نے گوناگوں صفات وخصوصیات سے نوازا تھا۔ حضرت مولانا سید محمد حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دادا مولانا سید خلیل الدین حسنی کا تعارف اس طرح کیا ہے۔ 1272ھ کو دائرہ حضرت شاہ علم اللہ حسنی تکیہ کلاں رائے بریلی میں پیدا ہوئے اپنے عم مکرم مولانا شاہ ضیاء النبیؒ کے ساتھ حج وزیارت سے مشرف ہوئے نہایت متین وحلیم اور منتظم تھے اوائل عمری سے علم کا شوق اور اہل علم ودین کی مجلسوں میں بیٹھنے کا شوق تھا مولانا سید خلیل الدین حسنی کی وفات چھہتر (76) سال کی عمر میں شعبان 1352ھ کو دائرہ شاہ علم اللہ حسنی میں ہوئی اور مسجد کے شمال مغربی کونے کے متصل مدفون ہوئے۔ مولانا سید خلیل الدین حسنی کے ایک فرزند سید رشید احمد حسنی ہوئے اور ایک صاحبزادی بتول بی بی ہوئیں۔

سید رشید احمد حسنی

سید رشید احمد حسنی حضرت شاہ علم اللہ حسنی کی اولاد میں ان کی نسل کے ایک علمی خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے، مولانا سید سعیدالدین حسنی کے پڑپوتے اور مولانا سید رشیدالدین حسنی کے پوتے تھے۔ سید رشید احمد حسنی کی پیدائش 20 صفر المظفر 1310ھ 13 ستمبر 1892ء بروز منگل کو ہوئی مولانا سید خلیل الدین حسنی کے صاحب زادے تھے۔ سید رشید احمد کا نام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے نام پر رکھا گیا۔ سید رشید احمد پیدائشی طور پر قوت سماعت اور قوت گویائی سے محروم تھے لیکن والد ماجد نے ان کے لیے ایک مستقل استاد رکھا جس نے ان کو اردو وانگریزی اور قرآن مجید کی تعلیم دی۔ ابتدائی تعلیم دینے میں مولانا فخرالدین خیالی نے بھی اہتمام کیا اور ان کو خود پڑھایا۔

مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی مظاہری

بزرگ عالم دین، فرائض ومیراث، قادرالکلام، اسلامی شاعر، مبلغ دین، داعی الی اللہ، مصنف، مورخ (سحبانی صاحب اوصاف ربانیہ) خادم دین وملت، رائے بریلی میں ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۵ء کو پیدا ہوئے۔ اور لکھنؤ میں ۱۶ر فروری ۱۹۸۲ء کو وفات پائی۔ تدفین آبائی وطن میں روضہ شاہ علم اللہ میں مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کے پہلو میں ہوئی اور اب وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کے سرہانے مدفون ہیں۔

ایک صاحبزادی سیدہ امامہ حسنی مرحومہ اور ایک صاحبزادے حضرت والد ماجد نوراللہ یادگار چھوڑے۔

اور اہلیہ مرحومہ سیدہ خدیجہ حسنی جنہوں نے ۳ر اگست ۱۹۹۹ء کو وفات پائی۔

رحمهم الله اجمعين.

تذکرہ والد محترم

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں آباد خاندان حسنی علم اللہی میں پیدا

ہوئے، اس خانوادۂ علم اللّٰہی میں متعدد بڑی شخصیات پیدا ہوئیں، حضرت شاہ آیت اللہ حسنی، حضرت شاہ محمد ہدی حسنی، مولانا سید محمد صابر حسنی، حضرت مولانا سید محمد واضح محدث حسنی، امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید حسنی، حضرت مولانا سید غلام جیلانی حسنی، حضرت مولانا سید محمد ظاہر حسنی، حضرت مولانا شاہ ضیاء النبی حسنی رحمہم اللہ کا تذکرہ اور ان کی دینی، دعوتی اور ربانی زندگیوں کا تذکرہ ملتا ہے، ان مذکورہ بالا شخصیتوں کے تسلسل کے طور پر آخر میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ، اور پھر مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ نمایاں ہوئے، وہ محض اپنی ذات سے ہی بلند دینی اور دعوتی مقام پر فائز نہ تھے بلکہ انہوں نے اپنے عزیزوں کو بھی اس راہ پر لگایا۔

ولادت، نشوونما

حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی نور اللہ مرقدہ کی دو اولاد ہوئیں، ایک صاحبزادی سیدہ امامہ حسنیؒ ہوئیں، پھر ان کے بعد ایک صاحبزادے حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ ہوئے، مولانا ۱۵ر دسمبر ۱۹۵۰ء کو اپنے آبائی مکان دائرہ شاہ علم اللہ حسنی تکیہ کلاں رائے بریلی میں پیدا ہوئے، والدہ کا نام سیدہ خدیجہ حسنیؒ تھا، وہ حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی نور اللہ مرقدہ کی صاحبزادی تھیں، والد ماجد کی پرورش و ابتدائی تعلیم و تربیت خاندان حسنی کی عظیم شخصیت کے زیر سایہ ہوئی، ابتدائی تعلیم مرکز والی مسجد کچہری روڈ میں ماہر اساتذہ سے حاصل کی پھر معہد دار العلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی، وہیں سے ثانوی، عالی اور علیا تعلیم بھی حاصل کی اور حدیث شریف میں تخصص کیا، ۱۹۶۹ء میں فارغ ہوئے۔

عقد مسنون

تعلیم کی تکمیل کے بعد عقد مسنون کا مرحلہ انجام پانا تھا، والد ماجد کا نکاح ان کے والد مرحوم حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے محبوب بھائی مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ کی بڑی صاحبزادی سیدہ میمونہ حسنی سے کیا، جو ۴ر ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کو جمعہ کو بعد نماز عصر منعقد ہوا تھا۔

والد ماجد

حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ اپنے آبائی وطن دائرہ شاہ علم اللہ حسنی تکیہ کلاں رائے بریلی میں بروز جمعہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۵ء ۹ر جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ میں پیدا ہوئے، بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھے، اس لیے محمد ثانی کہلائے، اپنی نانی مخدومہ سیدہ خیر النساء بہتر اور والدہ ماجدہ امۃ اللہ العزیز اور خالہ محترمہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم اور پھوپھی سیدہ بتول بی بی رحمہم اللہ کے زیر سایہ و شفقت اور ماموؤں (مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ) اور خاندانی اصحاب علم و فضل بزرگوں مولانا سید طلحہ حسنی، مولانا عزیز الرحمٰن حسنی، مولانا سید ابو الخیر حسنی اور مولانا حبیب الرحمٰن حسنی کی فکر و توجہ اور رہنمائی میں حاصل کی، مکتب کی تعلیم رائے بریلی میں مولانا عزیز الرحمٰن حسنی وغیرہ سے حاصل کی پھر دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے جہاں تک عربی زبان و ادب کی تعلیم کا تعلق ہے، وہ اپنے ماموں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی نور اللہ مرقدہٗ سے حاصل کی اور دار العلوم ندوۃ العلماء میں ماہر اساتذہ سے حاصل کی پھر جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا اور دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے اور حضرت شیخ سے بیعت بھی ہوئے اور خلافت حاصل کی، رائے بریلی میں مدرسہ فلاح المسلمین قائم کیا اور ماہنامہ "رضوان" کا لکھنؤ سے اجراء کیا، ۱۶ر فروری ۱۹۸۲ء کو ۱۱ر بجے دن انتقال ہوا، پہلی نماز جنازہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے پڑھائی دوسری نماز حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی نے پڑھائی اور تکیہ کلاں کے خاندانی قبرستان میں تدفین ہوئی۔

والدہ ماجدہ

والدہ سیدہ خدیجہ رحمہا اللہ بڑی ستودہ صفات، عبادت گزار، صابر و شاکر، منتظم اور فرمانبردار خاتون تھیں، ۱۹۲۹ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئیں، والدہ سید خدیجہ حسنی رحمہا اللہ حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی نور اللہ مرقدہ (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کی صاحبزادی اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کی بھتیجی تھیں اور ان کے ہی زیر تربیت پروان چڑھی تھیں، ستر سال کی عمر میں رائے بریلی میں مختصر علالت کے بعد وفات پائی۔

ماہنامہ رضوان کی ادارت

حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے ماہنامہ ''رضوان'' میں امۃ اللہ تسنیم رحمہا اللہ کی وفات کے بعد اپنے صاحبزادہ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کو شریک ادارت کر لیا اور ۱۹۶۹ء/۱۹۷۰ء سے ہی ماہنامہ 'رضوان' میں اپنے والد کی معاونت کرنے لگے اور مولانا مرحوم اس کی ذمے داریاں اپنے لائق فرزند کے سپرد کرنے لگے۔

ماہنامہ ''رضوان'' پہلے چھوٹے سائز میں چھپتا رہا پھر اس کے سائز میں اضافہ کیا گیا اور بڑے سائز میں چھپنے لگا اور دنیا کے مختلف ملکوں میں لوگ اس کے خریدار بنے لگے اور اس کے قارئین میں بڑے ذی علم لوگ اور اعلیٰ طبقہ کے افراد سے لے کر عام حیثیت کے لوگ اور بڑی تعداد میں خواتین ہیں۔

والد ماجد کے زیر ادارت ماہنامہ 'رضوان' کی اشاعت میں بڑی ترقی ہوئی، انہوں نے اس کے شاندار نمبرات اور خصوصی اشاعتیں پیش کیں جو بہت مقبول ہوئیں، خاص طور پر ''ماں نمبر'' جس کی بہت ہی مانگ تھی، ''امۃ اللہ تسنیم نمبر'' اور ''صحابیات نمبر''، ''امہات المؤمنین نمبر''، ''خلفائے راشدین نمبر'' اور ''حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی نمبر'' کا تحفہ قارئین کو پیش کیا اور ماہنامہ ''رضوان'' کے چالیس سال سے زیادہ ایڈیٹر رہے، اداریے لکھتے رہے اور شروع میں کتاب ہدایت کے نام سے قرآنی دروس لکھتے رہے اور کچھ حدیث شریف کے افاضات لکھے اور مختلف دینی و علمی واصلاحی مضامین لکھے۔

دینی و تعلیمی خدمات

والد ماجد دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد قلمی و دعوتی میدان میں آگئے، ماہنامہ ''رضوان'' ان کی ادارت میں ترقی کرنے لگا، انہوں نے ہسپتال قائم کیے، اپنے والد کی وفات کے بعد ان کے نام سے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن لکھنؤ میں قائم کیا جس کے زیر انتظام ماہنامہ ''رضوان'' شائع ہو رہا ہے، لکھنؤ کے بہت سے گاؤں اور شہر لکھنؤ میں دینی مکاتب قائم کیے اور ضرورت اس بات کی تھی کہ اپنے وطن رائے بریلی میں تعلیمی اور رفاہی کام کریں، رائے بریلی جو تیرہویں صدی ہجری کا سب سے بڑا دینی و دعوتی مرکز رہا اور ایک عظیم الشان تربیت گاہ رہا، ۱۹۸۲ء میں ضلع رائے بریلی میں مولانا سید محمد ثانی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی کے نام سے ایک رفاہی و تعلیمی ادارہ قائم کیا جس کے تحت لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ایک بڑا ادارہ جامعہ ام المؤمنین عائشہ للبنات قائم کیا، اور لڑکوں کے لیے حفظ و تجوید کا ایک اہم مدرسہ امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر مدرسہ سید احمد شہید لتحفیظ القرآن الکریم قائم کیا، سدھونہ ضلع رائے بریلی میں حضرت شاہ سید بدر علی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر مدرسہ بدرالعلوم سدھونہ قائم کیا اور لڑکیوں کے لیے صفیہ بانو اسکول قائم کیا اور امیر المؤمنین حضرت سیدنا عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ کے نام پر ایک اہم دینی تعلیمی ادارہ مدرسہ امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ قائم کیا، مسافروں کے لیے ایوان فریدی قائم کیا اور اپنے وطن رائے بریلی کے قصبات

والطراف میں اصلاحی و دعوتی دورے بھی کیے، رائے بریلی میں مطالعہ کے لیے مولانا محمد ثانی حسنی لائبریری قائم کی اور علی میاں ہسپتال بھی قائم کیا۔

مشائخ عصر و مصلح شخصیات سے ملاقات

حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے، اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے مدینہ شریف میں شرف نیاز حاصل ہوا اور حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھیؒ سے فیض یاب ہوئے اور حضرت مولانا قاری صدیق باندویؒ سے شرف نیاز حاصل کیا۔

اوصاف وامتیازات

والد ماجد کے اندر اللہ نے وہ دل رکھا تھا جو محبت سے معمور، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابہؓ کی سچی محبت سے معمور تھا، یہی وہ چیز تھی جس نے ان کو با ادب بنایا، اسی سے نرمی، رقت، تواضع، حلم و بردباری، چھوٹوں پر شفقت اور معاملات میں دوسروں کا اپنے سے زیادہ خیال رکھنے اور انتظامی امور میں صلاحیت اور حکمت و ہوشمندی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ اپنے والد ماجد اور اپنے دونوں چچا مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم و حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ بنایا، وہ اعلی اسلامی محاسن و اوصاف سے متصف تھے، امانت و دیانت اور اوصاف حسنہ کے حامل تھے، وہ اپنی رائے میں اصابت وصلاحیت رکھتے تھے لیکن اپنے بڑوں کی رائے کے سامنے اپنی رائے دبا لیتے تھے، اصول پسند تھے، نظم و انضباط کے پابند تھے۔

افراد خاندان واولاد کی تربیت اور صلہ رحمی

ہم اللہ تعالی کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہم کو ایسا شفیق اور محبت کرنے والا باپ دیا جس نے ہمیشہ ہمارے لیے دنیا کے مقابلہ میں دین کو پسند کیا اور فکر کی کہ میں کسی مدرسہ میں تدریسی کام میں لگ جاؤں اور میرے ایمان وعقیدہ کی فکر رکھی اور اللہ کی محبت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور صحابہ کرامؓ سے محبت میرے اندر آجائے، ہمارے لیے اور ہمارے چھوٹے بھائی سعید احمد حسنی ندوی کے لیے ایسی دعائیں مانگیں جو میرے لیے سرمایہ دنیا و آخرت ہیں، ہر چیز اللہ کی ہے جو چاہے عطا کرے اور جو چاہے واپس لے لے، ہم سب اسی کے لیے ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے باپ کو توفیق بخشی کہ انہوں نے پوری زندگی اس کی فرماں برداری اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں گذاری اور اس کے دین کی تبلیغ واشاعت میں اپنی زندگی کا ہر لمحہ صرف کرنے کی کوشش کی۔

والد ماجد ہم دونوں بھائیوں پر توجہ دیتے تھے، ہم میں سے کوئی سخت الفاظ بولتا یا کسی کو برا کہتا تو منع کرتے اور ہم دونوں کے لیے بہت فکر مند رہتے اور نظر رکھتے اور ہم سے کہتے کہ درود شریف کی کثرت کیا کرو اور کتابیں پڑھا کرو، وقت کو مت ضائع کرو، ہم سے حدیث شریف کی کتاب ''زاد سفر'' سنا کرتے تھے، ہم سب کو بے کار باتوں سے روکتے تھے، ایک دوسرے کے ساتھ حسن ظن رکھنے کو کہتے، بدگمانی سے روکتے تھے، جب والد ماجد کو صحابہؓ کے خلاف برا بھلا بولنے والے برا بھلا کہتے اور ہم میں سے کوئی جواب دینے کا ارادہ کرتا تو والد ماجد ہم کو منع کرتے، فجر کی نماز کے لیے ہم کو آدھا گھنٹہ پہلے جگاتے تھے، مسجد میں نماز فجر کے بعد رکتے تھے اور دعا و مناجات وتسبیح میں اور تلاوت قرآن میں وقت گزارتے پھر واپس تشریف لے آتے، کچھ دیر آرام فرماتے، پھر ناشتہ کرتے، ہم گھر سے تین بجے تک کھانا لے کر دفتر ''رضوان'' پہنچتے اور آپ کھانا کھاتے، پھر کچھ دیر کسی کتاب کو پڑھتے، اس کے بعد کچھ دیر کے لیے آرام فرماتے پھر عصر کی نماز کے بعد مکتبہ اسلام تشریف لاتے وہاں ایک دو گھنٹہ سے زیادہ تشریف رکھتے پھر گھر

تشریف لاتے، صبح نو بجے تک گھر میں رکتے پھر ندوۃ العلماء تشریف لے جاتے، پھر عمر کے آخری دو سال میں ندوۃ العلماء میں ہی رات کا قیام کرنے لگے تھے، ہم دونوں بھائیوں کی نگرانی کرتے تھے اور فجر کی نماز کے لیے جگاتے اور وقت پر مسجد جانے کو کہتے تھے اور ہم سے اکثر کہتے کہ سورہ یٰسین پڑھا کرو، درود شریف پڑھا کرو، وہ خود کثرت سے درود شریف پڑھتے تھے، قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، چلتے پھرتے ذکر سری کیا کرتے تھے، زبان مبارک اللہ کے نام سے ہروقت معمور رہتی تھی، ہمارے بھائی اور خالہ زاد بھائیوں اور پھوپھی زاد بھائیوں کو بھی نصیحتیں کرتے اور شفقت و محبت ہم دونوں بھائیوں پر بے پناہ فرماتے، جب تک ان کے سایۂ شفقت میں زندگی گزر رہی تھی تو ہم بڑے بے فکر تھے لیکن آپ کے چلے جانے کے بعد اب محسوس ہو رہا ہے کہ والد کا سایہ، ان کی دعائیں اور ان کا وجود انسان کے لیے اللہ پاک کی کتنی بڑی نعمت ہوتی ہے، شفقت ومحبت ان کا خاص وصف تھا جو ہم سبھی چھوٹے محسوس کیا کرتے اور مرض وفات میں اس کا جس طرح اظہار ہوا جو مخفی اور مستور تھی، خود راقم کو اس کا غیر معمولی تجربہ ہوا اور ان کے بھانجوں اور بھانجیوں اور ہمارے خالہ زاد بھائیوں نے نہ صرف مشاہدہ کیا، ہم دونوں بھائی ہر رات کو جب والد ماجد کے پاس جاتے تو سب لوگوں کا نام لیتے، کبھی کہتے: منصور منصور! ہم کہتے: گھر پر ہیں، تو مسعود مسعود پکارتے اور بلاتے، ہم کہتے: وہ بھی گھر پر ہیں، اسی طرح ماموں جی کا نام لیتے، کہتے: جعفر کہاں ہیں؟ ہم کہتے تکیہ میں ہیں، انہیں ابا جی مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے ایسا تعلق تھا کہ ان سے ملنے جاتے تو رونے لگتے اور دعا کی درخواست کرتے، حضرت نانا جان دامت برکاتہم حوصلہ دیتے اور صبر کے فضائل بتاتے، حضرت ابا جی بھی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو والد ماجد کی طبیعت بحال ہو جاتی، ایسے ہی ماموں جان مولانا بلال عبد الحی حسنی ندوی والد ماجد سے ملتے تو ان سے مل کر بہت خوش ہوتے، ان سے باتیں کرتے، اسی طرح تمام خاندان کے افراد حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے ملتے تو خوشی کا اظہار کرتے، نام لے کر سب کی خیریت پوچھتے، ان کی محبت اور شفقت ہم سب کے دل ودماغ پر ایسی نقش ہوتی کہ وفات کے کئی مہینے بعد آج بھی اس کے نقوش تازہ ہیں، آپ خوب یاد آتے ہیں۔

> والد ماجد کے اندر اللہ نے وہ دل رکھا تھا جو محبت سے معمور، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابہؓ کی سچی محبت سے معمور تھا، یہی وہ چیز تھی جس نے ان کو باادب بنایا، اسی سے نرمی، رقت، تواضع حلم و بردباری، چھوٹوں پر شفقت اور معاملات میں دوسروں کا اپنے سے زیادہ خیال رکھنے اور انتظامی امور میں صلاحیت اور حکمت و ہوشمندی کی صورت میں ظاہر ہوئی، اپنے والد ماجد اور اپنے دونوں چچا مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم و حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ بنایا، وہ اعلیٰ اسلامی محاسن و اوصاف سے متصف تھے، امانت و دیانت اور اوصاف حسنہ کے حامل تھے، وہ اپنی رائے میں اصابت وصلاحیت رکھتے تھے لیکن اپنے بڑوں کی رائے کے سامنے اپنی رائے دبا لیتے تھے، اصول پسند تھے، نظم وانضباط کے پابند تھے۔

حج وعمرے کے اسفار اور دعوتی اسفار

حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کے بعض سفروں میں رہے، جن میں ایک سفر ملک کا تھا جو عرب امارات، ریاض

اور حجاز مقدس کا تھا، اس سفر میں بھی ساتھ تھا اور عزیز مرحوم کی سعادت مندی اور بعض دوسری خوبیوں کا مشاہدہ ہوا جہاں مدینہ منورہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے شرف نیاز حاصل ہوا تھا، وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اندرون ملک بھی چند سفروں میں ساتھ رہے، ان میں ایک اہم مبارک سفر بھوپال کا ہے جوان کے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تکمیل تعلیم کے بعد کا ہے جہاں وہ حضرت شاہ یعقوب مجددی بھوپالی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔

والد ماجد نے دو حج کیے، ایک اپنا حج کیا دوسرا حج بدل کیا، پہلا حج تنہا کیا، دوسرا حج بدل کیا، اس سفر میں آپ کے ساتھ میں راقم کی والدہ ماجدہ اور مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی اور ان کی پھوپھی رحمہا اللہ ہم سفر تھے، والدہ ماجدہ کا حج فرض تھا، ماشاء اللہ ادا ہوا اور مولانا محمود حسن حسنی ندوی کا حج بدل تھا اور اور کئی عمرے کیے، پہلے سفر حج میں اس طرح رہے کہ اپنے ساتھ ایک سادہ بیگ اور حج کا احرام تھا، سادگی سے رہے، رائے بریلی میں بہت سے دیہاتوں کا دعوتی دورہ کیا اور مدارس قائم کیے اور رفاہی کام کیے، ان کے معاون مولانا صدیق احمد ندوی اور مولانا امتیاز احمد ندوی نے رائے بریلی میں ایسے ایسے گاؤں میں رفاہی کام کیے جہاں لوگ بہت کم جاتے تھے، یہ سب اللہ کی توفیق سے والد ماجد نے اپنے مخلص رفقاء کے ساتھ انجام دیے۔

تصنیفی خدمات وعلمی ذوق

والد ماجد کو تاریخی اور ادبی ذوق ورثہ میں اپنے والد حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ سے ملا تھا، انہوں نے جب دسمبر ۱۹۵۶ء میں ماہنامہ ''رضوان'' نکالا اس وقت والد ماجد کی عمر صرف ۶ رسال کی تھی، لیکن کم عمری سے ان میں سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا، اس شوق نے ان کو رسالہ میں دلچسپی کا ذریعہ بنایا پھر کچھ مدت کے بعد شریک ادارت رہے، اور اپنے والد کا قائم کردہ دارالاشاعت مکتبہ اسلام کی ذمہ داری بھی سنبھالی، آسان طرز و آسان زبان میں تحریریں لکھتے تھے جن کے اندر جاذبیت اور دل کشی تھی اور سلاست وفصاحت کے ساتھ لکھتے تھے، مجھ سے اداریے اور مضامین لکھواتے تھے اور میری تحریر میں جو خامی اور غلطی ہوتی اس کو درست کرتے اور ہمت افزائی کرتے تھے، انہوں نے بہت قیمتی مضامین لکھے ہیں جن کو عنقریب کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا ان شاء اللہ، اور چالیس سال وہ مسلسل اداریے لکھے ان کو بھی کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا، سب سے قیمتی کام بیس سال سے کئی جلدوں میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہبی، دعوتی، علمی، تاریخی اور ادبی خطوط ''مکتوبات مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ'' مرتب کر کے شائع کیا ۶۰ رجلدیں شائع ہو چکی ہیں، بقیہ حصے جلد شائع ہوں گے جو انہوں نے مرتب کر کے شائع ہونے کے لیے تیار کر دیے تھے۔

ندوۃ العلماء کے لیے خدمات

والد ماجد کی خدمت و دعوت دین کا دائرہ ندوۃ العلماء سے انتظامی وابستگی کے بعد وسیع ہوا جب ۱۹۹۹ء میں ناظر عام منتخب ہوئے اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کی وفات کے بعد مجلس انتظامی نے ان کے دائرہ کو وسیع کیا جس پر تا حیات فائز رہے اور وفات سے چار سال پہلے ان کو مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کی تجویز پر نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ مقرر کیا گیا جس کی ارکان نظامت نے تائید اور پھر مجلس انتظامی نے توثیق کی، وہ انتظامی امور میں اصابت و صلاحیت رکھتے تھے، آپ نے اپنی انتظامی مشغولیتوں کو تجارتی مشغولیت پر غالب رکھا اور ندوۃ العلماء کی خدمت بلا معاوضہ کر رہے تھے، اور ان کو جو مشاہرہ کی پیش کش ندوہ کی طرف سے ہوئی تھی، اس کو آپ نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے معذرت کر لی تھی کہ ہمارے خرچ کا انتظام ہے، ہم ندوہ کی

خدمت کا معاوضہ نہیں لیں گے، یہ خدمت والدین مرحومین کے لیے ایصال ثواب ہے ،الحمد للہ تا حیات اپنے اس فیصلہ پر قائم رہے، ۱۹۹۰ء کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس انتظامیہ کے رکن منتخب ہوئے اور ۱۹۹۹ء میں ناظر عام ہوئے اور ۲۰۰۰ء میں امین عام ہوئے اور مارچ ۲۰۱۸ء میں مجلس انتظامی نے نائب ناظم منتخب کیا اور مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کے جنرل سکریٹری بھی مقرر ہوئے ،سب سے عظیم کارنامہ دارالعلوم کی وسیع و عریض مسجد کی توسیع وتزئین وتعمیر جدید ہے جس میں ایک بڑا وسیع وعریض تہہ خانہ ہے، اسی کے ساتھ لکھنؤ اور اس کے مضافات میں مکاتب شعبۂ دعوت و ارشاد کے زیر اہتمام قائم کروائے۔

اصلاح وتربیت، اجازت وخلافت

حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نوراللہ مرقدہٗ سے بیعت کا تعلق قائم کیا اور ان کی وفات کے کچھ عرصے کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ سے تجدید بیعت کی، اوراد و وظائف، اذکار و اشغال کے پابند تھے، ذکر قلبی کا اہتمام کرتے تھے، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے خلیفہ و مجاز بیعت حضرت صوفی انعام اللہ لکھنوی نوراللہ مرقدہ نے ۱۴۳۰ھ/۱۹۹۹ء میں اپنی وفات سے دو یا تین دن پہلے اجازت بیعت سے سرفراز فرمایا، مفکر اسلام نوراللہ مرقدہ کو یہ معلوم ہوا تو آپ سے فرمایا کہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرو، وہ ہمارے حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہ کے خلیفہ و مجاز بیعت ہیں اور اس پر رقعہ تہنیت تحریر فرمایا، ۱۰ ررمضان المبارک ۱۴۴۰ھ میں مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنے تمام سلسلوں سلاسل اربعہ قادریہ نقشبندیہ، چشتیہ، سہرودویہ، مجددیہ، و سلسلہ محمدیہ امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ میں آپ کو اجازت بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا اور والد ماجد نے صرف دو لوگوں کو اجازت دی، مولانا نثار الحق ندوی سیوانی مرحوم اور انتقال سے کچھ عرصے پہلے مولانا عبدالحسیب ندوی سیتاپوری کو تحریراً اجازت دی۔

زندگی کے آخری ایام، علالت ووفات

والد ماجد نے زندگی کا اکثر حصہ صحت وعافیت کے ساتھ گزارا، کئی سال قبل سے شوگر کی شکایت تھی، گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور پیٹ کی تکلیف تھی، رمضان سے پندرہ دن پہلے پیٹ میں درد ہوا تو آپ کو فوراً سحر نرسنگ ہوم میں بھرتی کیا گیا، وہاں پر اچانک طبیعت بگڑ گئی تو آپ کو آئی سی یو میں بھرتی کیا گیا تو صبح تک کچھ افاقہ ہوا، تکلیف میں کچھ کمی محسوس ہوئی، ایک دو ہفتے وہیں رہے پھر گھر منتقل کیے گئے، کچھ دن بعد ہوپ ویل ہسپتال دکھانے لے گئے، وہاں کچھ طبیعت بہتر ہوئی، لیکن مکمل ٹھیک نہیں ہوئے، طبیعت بہتر نہ ہونے کی وجہ سے ندوہ کے مہمان خانہ میں رہے مگر طبیعت بگڑتی چلی گئی، رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے خیر الایام جمعۃ الوداع کے آخری لحات میں عصر ومغرب کے درمیان ۲۴ رویں رمضان کو داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے پھر ۲۵ رویں شب میں ان کی پہلی نماز جنازہ احاطہ دارالعلوم میں نماز عشاء وتراویح کے بعد مہتمم دارالعلوم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہٗ العالی نے بڑے مجمع کو پڑھائی، دوسری نماز جنازہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں فجر کی نماز کے بعد مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم العالیہ نے پڑھائی اور مسجد شاہ علم اللہ کے شمالی جانب اپنے چچا حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نوراللہ مرقدہٗ کے پہلو میں مدفون ہوئے، **رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔**

مولانا خلیل احمد حسنی ندوی
استاد مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی

چچا ابوؒ

موت ایک اٹل حقیقت ہے جس کا سامنا ہم میں سے ہر ایک کو کرنا ہے، ارشاد خداوندی ہے: **کل من علیھا فان و یبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام**، (روئے زمین پر جو بھی ہے اس کو مرنا ہے، بقا، صرف خداوند قدوس کو ہے) لیکن خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کی پاکیزہ گزری ہوئی زندگی کا عکس موت کے وقت ان کے چہرے پر نظر آجاتا ہے، اور یہ عکس ان کے دیکھنے والوں کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "**من أحب لقاء الله أحب الله لقائه**" (جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کی چاہت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند کرتے ہیں) کی یاد دلا دیتا ہے، اور موت درحقیقت اس کے لئے محبوب سے ملاقات کا ذریعہ اختیار کر جاتی ہے، ایسے ہی لوگ ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ اپنی ولایت ثبت کرتا ہے، جنت میں ایک پرسکون اور پرتعیش زندگی کا وعدہ کرتا ہے، اور ان کے حق میں اپنی ضیافت کا اعلان کرتا ہے، ارشاد خداوندی ہے، **ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکة اِلّا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون. نحن اولیاؤکم فی الحیلة الدنیا و فی الآخرة ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم و لکم فیھا ماتدعون نزلا من غفور رحیم.** (آیت:31) (بلاشبہ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر جمے رہے ان پر فرشتے (یہ کہتے) اتریں گے کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو، اور اس جنت کی بشارت قبول کرو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے حامی تھے، اور آخرت میں بھی اور یہاں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہے جو تمہارا جی چاہے گا، اور تم جو مانگو گے وہ تم کو ملے گا) انعامات کا یہ سلسلہ دنیاوی زندگی سے ہی شروع ہوجائے گا، پہلا انعام خدا کی طرف سے یہ ملے گا کہ خوف اور رنج وغم سے ان کو نجات دے دی جائے گی، ارشاد خداوندی ہے، **الا ان أولیاء الله لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون، الذین آمنوا وکانوا یتقون.** (سن لو، جو اللہ کے ولی ہیں ان کو (آئندہ کے لئے) نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی (اپنے ماضی) پر کوئی غم، جو ایمان لائے اور تقویٰ کی زندگی جیتے ہیں) انتقال کے وقت جنت کی بشارت دے دی جائے گی، ارشاد خداوندی ہے، **یا أیتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی**، (اے اطمینان والی جان، اپنے رب کی طرف اس حال میں واپس آ کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی، پھر میرے خاص بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا)

پھر جنت میں ان کے لئے کیا کیا نعمتیں ہوں گی، قرآن پڑھتے جایئے اور ان کی قسمت پر رشک کرتے جایئے۔

جنتی پاکیزہ زندگی چچا ابو (مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ) نے گزاری ہے، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ مبارک مہینہ اور مبارک مہینہ کا مبارک دن اور مبارک دن کے ساتھ مبارک ساعت یعنی آخری عشرہ کی طاق رات اور وقت افطار کا چنا، یقین ہے اللہ کی شان رحیمی اور

صفت کریں ہے کہ چچا ابو کا شمار بھی صدیقین اور شہداء میں ہوگا، اور وہ تمام نعمتیں جن کا وعدہ قرآن کریم میں جگہ جگہ صدیقین وشہداء سے کیا گیا ہے، چچا ابو کو بھی حاصل ہوں گی، حدیث شریف میں ہے، پیٹ کے درد میں جس کا انتقال ہوتا ہے وہ شہید ہوتا ہے، چچا ابو مسلسل ایک سال سے پیٹ کی سخت تکلیف میں مبتلا تھے، اور درد اتنا سخت ہوتا تھا کہ برداشت سے باہر تھا، مگر زبان پر نہ کبھی کوئی حرف شکایت آیا اور نہ ہی اپنے معمولات میں ادنیٰ کوتاہی برتی، عمر کے آخری پڑاؤ تک مسجد میں ہی نماز ادا کی، جب درد ناقابل برداشت ہوجاتا تو اپنی قیام گاہ پر نماز ادا کرتے تھے، مگر دیگر معمولات میں کمی تب بھی نہیں کی، اس موقع پر میں ایک واقعہ سناتا چلوں جس میں ہم جیسوں کے لئے غیر معمولی سبق ہے، انتقال سے چند دن قبل جب آپ سحر نرسنگ ہوم میں ایڈمٹ تھے، اور غنودگی کی کیفیت تھی، میں آپ کے سرہانے کھڑا تھا، اچانک آپ نے آنکھ کھولی، بولنے میں پریشانی تھی، مگر مجھ سے کہا قریب ہو، میں قریب ہوا تو کہا مسعود سے کہنا میری نمازوں کا فدیہ دے دے، بلوغت سے لے کر آج تک کبھی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، حتی المقدور جماعت سے ادائیگی کی کوشش رہی، مگر قضا الحمدللہ کبھی نہیں ہوئی، اور اب نماز ہی نہیں پڑھ پا رہے ہیں، پتا نہیں آخرت میں کیا حال ہوگا، یہ کہہ کر ہچکیوں سے رونے لگے، میں ان کو تسلی دیتا رہا، مگر میری حالت بھی قابو میں نہیں تھی، اسپتال کا عملہ آگیا، اور مجھ سے باہر جانے کو کہا اور میں باہر آگیا، آپ کو سلسل البول کی شکایت تھی، جس کی وجہ سے نماز کی تیاری بہت پہلے سے شروع کردیتے تھے، میں نے خود تکیہ میں دیکھا کہ سخت ٹھنڈ میں آدھی رات کو اٹھ گئے میں نے پوچھا تو کہا کہ پیشاب میں وقت لگتا ہے اور عین تہجد کے وقت اگر اُٹھے تو تہجد کی ادائیگی نہیں ہوسکے گی، فجر کی نماز کے لئے ہم لوگوں کو آپ ہی جگاتے تھے، آپ کا انداز بھی بڑا پیارا تھا۔ اپنے کمرے سے نکل کر ہر ایک کے کمرے کو کھٹکھٹاتے ہوئے اور نماز کے لئے آواز لگاتے ہوئے مسجد کے لئے نکل جاتے تھے، آپ میں نرمی کا پہلو غالب تھا، بہت کم غصہ ہوتے تھے، مگر دینی معاملات میں خاص کر نماز کے معاملہ میں بہت سخت تھے، نہ اٹھ پانے پر سخت باز پرس کرتے تھے، اور غصہ ہوتے تھے، آپ چغل خوری کو سخت ناپسند کرتے تھے، اگر آپ کے سامنے کسی کی چغل خوری ہورہی ہو تو آپ یا تو چغل خوری کرنے والے کو روک دیتے تھے، یا اپنے لب سی لیتے تھے، اسی لئے آپ کی مجلس غیبت سے پاک ہوتی تھی۔

دوسری آپ کی نمایاں خوبی آپ کی سادگی تھی۔ **کن فی الدنیا کانک غریب او سابو سبیل** کا آپ عکس جمیل تھے، سادگی کا جو نمونہ آپ نے پیش کیا آج کے دور میں وہ عنقا ہے، بلکہ تصور سے پرے ہے، رائے بریلی اور لکھنؤ میں آپ کی قیام گاہ کا کل ساز وسامان صرف ایک چارپائی، ایک مسہری اور کتابوں پر مشتمل تھا، جن میں زیادہ تر کتابیں تصوف اور موت کے بعد کی زندگی کے موضوع پر مشتمل تھیں، موت سے آپ کو خاص انسیت بھی تھی، آپ اس حدیث شریف "**اکثروا ذکر ھادم اللذات یعنی الموت**" پر عمل پیرا تھے، اکثر اپنی مجلس میں موت کا ذکر کرتے تھے، گھر کی عورتیں اگر اس موضوع سے کتراتیں تو کہتے موت تو ایک اٹل حقیقت ہے، اس کو یاد رکھنے کا حکم ہے، مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی موت سے ڈر نہیں لگتا، اور اسی وجہ سے آپ کی زندگی میں لذات کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی، یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں موت کی یاد ہوگی وہاں قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت بھی ہوگی، موت کی یاد اور تلاوت قرآن کریم کا آپس میں گہرا ربط ہے، اس ربط کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے: **ان ھذہ القلوب قصدأ کما یصدأ الحدید اذا أصابه الما، قیل : یا رسول اللّٰہ و ما جلاؤھا؟ قال : کثرۃ ذکر الموت و تلاوۃ القرآن۔** چچا ابو کو بھی قرآن کریم سے گہرا شغف تھا،

تلاوت میں ناغہ کسی بھی حالت میں گوارا نہیں تھا، چاہے کتنی بھی تھکاوٹ ہو، نیند کا غلبہ ہو، فجر کے بعد تلاوت کا معمول تھا، کچھ سورتیں، سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں، آیت الکرسی اور سورہ حشر کی آخری آیت پڑھنے کا مسلسل معمول تھا، میں آپ کے ساتھ ندوہ جاتا تھا تو گاڑی میں بیٹھتے ہی ان سورتوں کی تلاوت شروع کردیتے تھے اور ندوہ پہنچنے تک ان کو ہی پڑھتے رہتے تھے، اس دوران بات چیت سے مکمل اجتناب ہوتا تھا، آپ کی ایک خوبی اور تھی، آپ اپنے چھوٹوں کی بات بھی توجہ سے سنتے تھے، گھریلو معاملات میں ہم جیسوں کو بھی نہ صرف مشورہ میں شریک کرتے تھے بلکہ مناسب مشوروں کو قبول بھی کرتے تھے، اور اس پر شاباشی بھی دیتے تھے، اسی لئے آپ کے چھوٹے ہر وقت آپ کے ساتھ رہنا پسند کرتے تھے، جب آپ نے ندوہ میں مسلسل رہنا شروع کردیا تھا تو آپ سے وہاں بھی ملنے جاتے تھے، اور آپ کے ساتھ بڑا وقت گزارنا پسند کرتے تھے، آپ کے ہاں ڈانٹ ڈپٹ نہیں تھی، آپ کی تربیت کا انداز ہی نرالا تھا، نرمی سے بات کہتے تھے، نصیحت کرنے کا انداز ایسا ہوتا تھا کہ سامنے والا قبول کئے بغیر رہ نہیں پاتا تھا، آپ کا ایک اور امتیاز یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "**قد افلح من اسلم و رزق کفافا و قنعہ اللہ بما آتاہ**" (جو اسلام لے آیا اور اس کو بقدر ضرورت رزق ملا اور اللہ تعالی نے اس کو جو دیا اس میں قناعت پسندی دے دی ایسا شخص نجات پا گیا) آپ کے اندر قناعت پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، آپ ایک مکتبہ کے ذمہ دار تھے، اور اس مکتبہ سے زیادہ تر درسی کتابوں کی طباعت کا کام ہوتا تھا، لیکن جب دوسرے مکتبہ کے ذمہ داران نے آپ کی محفوظہ کتابوں کی طباعت کا کام بغیر اجازت لئے شروع کیا جس سے آپ کے مکتبہ کی سیل (Sell) پر اثر پڑا، لیکن آپ نے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا، ہم لوگوں نے بارہا کہا مگر آپ اس کا تذکرہ کرنا پسند نہیں کرتے تھے، زیادہ کہنے پر کہتے "ان کا عمل ان کے ساتھ میرا عمل میرے ساتھ"

آپ ندوہ کے ناظر عام تھے، اور کچھ سال قبل نائب ناظم کا عہدہ بھی بڑے اصرار سے آپ کو دے دیا گیا تھا، مگر آپ ہمیشہ اپنے کو ناظر عام لکھتے تھے، نائب ناظم لکھا جانا نہ کبھی پسند کیا اور نہ خود اپنے لئے کبھی لکھا، احتیاط کا عالم یہ تھا کہ ذاتی آمد ورفت کے لئے ندوہ سے گاڑی لینا پسند نہیں کرتے تھے، جب تک قوت رہی اپنے وطن رائے بریلی بس سے آتے رہے، اور جب بس سے آنے میں پریشانی زیادہ ہونے لگی تو آپ رائے بریلی آنے کے لئے اس دن کا انتخاب کرتے جس دن ماموں جان بلال یا ابا کے آنے کا پروگرام ہوتا اور ان کے ساتھ آتے، آپ کے گھر والوں نے ایک دوبار آپ سے گاڑی کے لئے کہا کہ جو کرایہ ہوگا اس کی ادائیگی کردی جائے گی مگر آپ نے اپنے نام سے ندوہ کی گاڑی لینا مناسب نہیں سمجھا اور ندوہ سے گاڑی لینا منع کردیا۔

آپ نے ندوہ کو اپنی خدمات بلا معاوضہ پیش کیں، جب کہ ایک پرکشش تنخواہ کی پیشکش ہوئی تھی، لیکن آپ نے اس پرکشش تنخواہ کو باوجود ضرورت کے یہ کہہ کر رد کردیا کہ میرے اس عمل کا ثواب میرے والدین کو ملے، میری بس یہی تمنا ہے، بس میرا اتنا مطالبہ ہے کہ گھر سے آنے جانے کا بوجھ ندوہ برداشت کرے، اور ندوہ سے آپ کو کتنا تعلق تھا، اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، آپ کی کمائی کا واحد ذریعہ آپ کا مکتبہ تھا، ندوہ کی فکر نے اس مکتبہ کو پس پشت ڈال دیا تھا، فکر تھی ندوہ کی ترقی کی تعلیمی معیار میں بہتری کی، طلباء کو بہتر سہولت فراہم کرنے کی، اور اساتذہ کرام کی پریشانیوں کو دور کرنے کی، آپ سے رابطہ میں رہنے والا ہر شخص گواہی دے گا کہ آپ کی گفتگو کا محور ندوہ اور صرف ندوہ ہوتا تھا۔

ابا کا احترام اس قدر تھا کہ لیٹے ہوئے ہوں اور اچانک ابا آجائیں باوجود تکلیف کے فوراً بیٹھ جاتے تھے، ابا کے سامنے بلند آواز سے گفتگو نہیں کرتے تھے، کسی رائے میں اختلاف ہوتا تو اپنی رائے

ظاہر ہی نہیں کرتے تھے۔

آپ ندوہ کے ایک اہم عہدہ پر تھے، اس عہدے پر آنے سے پہلے ہی آپ کے رابطہ میں شہر کے مؤقر لوگ، کسی نہ کسی پارٹی کے عہدیداران اور مالدار طبقہ تھا، اور یہ حلقہ ندوہ کے عہدہ سنبھالنے کے بعد اور وسیع ہوتا گیا، مگر کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو یہ کہہ سکے کہ مولانا نے اپنا ذاتی کام مجھ سے کروایا، یا مولانا نے مجھ سے مالی مدد طلب کی، لاک ڈاؤن کے زمانے میں جب کہ مکتبہ سے آمدنی بالکل صفر تھی، آپ نے اس وقت بھی دوسروں کو اس بات کا احساس ہونے نہیں دیا کہ آپ کو ضرورت ہے، گھر کے باغات سے جو سالانہ آمدنی ہوتی ہے، اس کا جو حصہ آپ کو ملا اس سے اپنی اور اپنے متعلقین کی کفالت شعاری کے ساتھ ضرورت کی تکمیل کی۔

آپ کی کیا کیا خوبیاں گنائیں، آپ ایک ولی اللہ صفت بندے کے فرزند تھے، ان کی مقبول دعاؤں کا ثمرہ تھے، اس ولی اللہ صفت بندے نے اپنے اس لخت جگر کی پیدائش پر جو اشعار کہے ہیں آپ کی پوری زندگی ان اشعار کا عکس جمیل ہے۔

اللہ تعالیٰ بار بار مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، انبیاء، صدیقین، شہداء اور منعم علیہم بندوں میں شمار فرمائے، جوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نصیب فرمائے، اپنے نانا حضرات حسنین سے ان کو ملادے، اور صحابہ کرام کی مقدس جماعت کے ساتھ ان کا حشر فرمائے، اور ایسی جنت میں داخل فرمائے جس کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گے، **نزلا من غفور رحیم** کا انطباق ان پر فرمائے، **وسقاھم ربھم شرابا طھورا**، شراب طہور سے ان کی ضیافت فرمائے۔ آمین

○○○

آج کل ملک میں اس بات کی پوری مہم چلائی جارہی ہے کہ مسلمان اسلامی قانون کو چھوڑ کر ایسے باطل نظام زندگی کو قبول کرلیں جو ملک کے اسلام وانسانیت دشمن عناصر تیار کرنا چاہتے ہیں تاکہ نام تو مسلمان کا باقی رہے اور وہ اپنے کردار اور عمل کے لحاظ سے مسلمان نہ رہے اس میں اور ایک مشرک وکافر میں کوئی فرق باقی نہ رہے۔

اخبارات سے لے کر حکومت کے ایوانوں تک شریعت اسلامی کو مسخ کرنے اور تبدیل کرنے کی یہ مہم پوری قوت سے چلائی جارہی ہے اس وقت ہمارا یہ دینی فریضہ ہے کہ ہم ان اسلام دشمنوں کو بانگ دہل یہ بتلادیں کہ جب تک ہمارے جسم میں روح ہے ان کا یہ شیطانی خواب انشاء اللہ پورا نہ ہوگا، اور دین وشریعت کی حفاظت کے لئے ہم ہر طرح کی جانی مالی اور اولاد تک کی قربانی دینے کو تیار ہیں۔ اس لئے کہ اگر شریعت میں تبدیلی پر ہم خاموش رہے یا خدانخواستہ راضی ہوگئے تو وہ دن ہمارے دین کا آخری دن ہوگا اور ہم اسلام سے محروم ہوجائیں گے جس کے نتیجہ میں آخرت کا دردناک عذاب ہمارا مقدر ہوجائے گا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا تھا۔

”مسلمان اگر مسلم پرسنل لاء (شرعی قانون) میں تبدیلی قبول کرلیں گے تو آدھے مسلمان رہ جائیں گے اور اس کے بعد خطرہ ہے کہ آدھے بھی نہ رہیں، مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت وتہذیب سے الگ نہیں کیا جاسکتا دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی اور مذہب معاشرت کے بغیر موثر ومحفوظ نہیں رہ سکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا مسجد میں آپ مسلمان ہیں اور گھر میں مسلمان نہیں، اپنے معاملات میں مسلمان نہیں اس لئے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر دوسرا نظام معاشرت نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے ہم اس کو دعوت ارتداد سمجھتے ہیں ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے جیسا دعوت ارتداد کا مقابلہ کیا جانا چاہئے۔

(جناب مولانا سید حمزہ حسنی ندویؒ)

صفیہ بانو میموریل گرلس جونیئر ہائی اسکول

SAFIA BANO MEMORIAL GIRLS JUNIOR HIGH SCHOOL

رائے بریلی میں مسلمان لڑکیوں کے لئے کوئی ایسا ادارہ نہیں تھا جہاں عصری علوم کی تعلیم کا انتظام ہو۔ جو گرلس اسکول شہر میں چل رہے ہیں وہ سب غیر اسلامی بلکہ مخالف اسلام معاشرت کے علمبردار ہیں۔ وہاں مسلمان لڑکیوں کا داخلہ تک آسانی سے نہیں ہوتا۔ اگر کسی طرح داخلہ ہو بھی جاتا ہے تو اپنی اسلامی معاشرت کو تج کر ہی داخلہ ممکن ہوتا ہے۔

ان حالات میں ضروری تھا کہ ایک ایسا گرلس اسکول قائم کیا جائے جہاں عصری علوم کی تعلیم کے ساتھ اسلامی معاشرت کا اہتمام رکھا جائے اور طالبات کی اسلامی تربیت کا اہتمام ہو، تاکہ ان کو اپنی اسلامی تہذیب، ملی خصوصیات پر فخر ہو اور وہ غیر اسلامی اور مغربی تہذیب وتمدن سے مرعوب نہ ہو کر اسلام کی نمائندہ بن کر آئندہ زندگی میں اپنا ملی کردار ادا کر سکیں اور اپنی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت کر سکیں۔ اس بنیاد پر صفیہ بانو گرلس اسکول کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا افتتاح کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا:

"یہ اسکول جس کا افتتاح چھپر پوش کمرے بنا کر کر دیا گیا ہے، ایک وسیع قطعۂ آراضی پر واقع ہے، اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ درسگاہ کے لئے جدید سہولتوں سے آراستہ ایک عمارت تعمیر کی جائے تاکہ کسی بھی لحاظ سے یہ اسکول دوسرے سرکاری اسکول سے پیچھے نہ رہے اور ایک معیاری اسکول کی حیثیت اختیار کر جائے۔"

اسکول پر ایک ہی سال گزرا تھا کہ طالبات کی کثرت کی وجہ سے جگہ تنگ ہو گئی اور جو چھپر پوش کمرے بنا لئے گئے تھے وہ ناکافی ہو گئے۔ یہ دیکھ کر اسکول کے لئے عمارت کی فکر کی گئی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک سے اسکول کی عمارت کا سنگ بنیاد نصب کیا گیا۔ اور اب الحمد للہ دس کمرے بن کر تیار ہو گئے ہیں جن میں دیگر درجات لگ رہے ہیں۔ صفیہ بانو اسکول اب جونیئر ہائی اسکول کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ انشاء اللہ ڈگری کالج تک اس کو پہنچانے کا پروگرام ہے۔

زیر انتظام

مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی

دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

منیجر موبائل: 9415741996

صفیہ بانو میموریل گرلس جونیئر ہائی اسکول

تلیہ کوٹ، رائے بریلی

مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی جنرل سکریٹری

Email : sanihasanisociety@gmail.com

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

رپورٹ: مولانا عبدالرزاق ندوی

اہل علم و ادب کا نذرانہ عقیدت

منبر الندویین العالمی للندوات العلمیۃ کے زیر اہتمام آن لائن تعزیتی نشست بر سانحۂ وفات

یہ تعزیتی نشست استاذ الاساتذہ مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری کی صدارت اور مولانا محمد عبدالحی ندوی (دوحہ قطر) کی نظامت میں ۱۰ر بجے شب میں مورخہ ۱۰ر مئی ۲۰۲۱ کو منعقد ہوئی۔

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ جن کو لوگ ایک روایتی عالم دین، دار العلوم ندوۃ العلماء کے ایک کامیاب نائب ناظم اور بہترین منتظم سمجھ رہے تھے، آج ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کے کچھ دوستوں اور واقف کاروں نے اس خاموش طبیعت، خامل الذکر لیکن جامع الکمالات و متنوع الجہات عظیم علمی و عملی شخصیت کے کچھ ایسے پہلوؤں سے پردہ اٹھایا ہے جن سے دنیا ناواقف تھی۔

کسے معلوم تھا کہ حمزہ میاں دار العلوم ندوۃ العلماء سے نمایاں طور پر عالمیت اور فضیلت کی سند یافتہ ہونے ساتھ لکھنؤ یونیورسٹی سے فرسٹ ڈویژن سے بی اے پاس بھی تھے، کسے معلوم ہے کہ وہ ایک ماہر کرکٹ کھلاڑی تھے، ایک زمانہ میں انہوں نے یوپی کے صوبائی سطح پر کھیل کر بہت نام کمایا تھا، ٹیموں کی کپتانی بھی کی تھی، کھیل کے میدان میں ان کی کارکردگی سے متعلق حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کی ہمت افزائی فرماتے تھے، جو بذات خود کرکٹ اور ہاکی کے اچھے کھلاڑی تھے۔

ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی نے آگے کہا کہ:

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمہ اللہ ایک کہنہ مشق و تجربہ کار سیاست داں بھی تھے، ایک مدت تک عملی سیاست میں حصہ لیا تھا، ڈاکٹر فریدی اور جناب ذوالفقار اللہ کے دور میں آپ مسلم مجلس مشاورت کے صوبائی جنرل سکریٹری تھے، بڑی تیزی سے سیاسی افق پر آپ کا ستارہ چمک رہا تھا، جناب الیاس اعظمی، جناب ڈاکٹر محمد ادیب، جناب مسعود جیسے سیاسی میدان کے بڑے بڑے نامی گرامی لوگ ان کے مکتبہ میں تشریف لاتے تھے اور سیاسی لائحہ عمل تیار کرتے تھے۔ آپ سیاسی میدان میں جوشیلی تقریریں بھی کرتے تھے، حکومت وقت کو للکارتے بھی تھے، اسی طرح سیاسی مضامین بھی لکھتے تھے، جلسوں کے خطبہ استقبالیہ خود لکھتے جسے کبھی خود پڑھتے اور کبھی دوسروں سے پڑھواتے تھے، اگر وہ سیاسی میدان میں جمے رہتے تو عظیم سیاسی لیڈر بن سکتے تھے لیکن خاندان کے بزرگوں نے ان کو سیاست سے ہٹا دیا۔

کوچۂ سیاست سے ہٹنے کے بعد آپ نے کار و بار کے میدان میں قدم رکھا، ایکسپورٹ امپورٹ کی کمپنی کھولی، اور ایک کامیاب تاجر بن کر ابھر رہے تھے کہ اسی زمانہ میں مولانا عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ندوے میں اپنی خدمات پیش کرنے کی دعوت دی، اس زمانہ میں ۲۵ ہزار روپے ماہانہ تنخواہ کی پیش کش کی، آپ نے ندوہ کی خدمت کو عبادت سمجھ کر قبول تو کر لیا لیکن تنخواہ قبول نہیں کی، اور اس خدمت جلیلہ کو کار ثواب سمجھ کر اس کے ثواب کو اپنے والدین کی جھولی میں ڈال دیا، اور بر الوالدین کی عظیم مثال قائم کی، آپ ندوہ آئے تو اپنے آپ کو ندوہ کے لیے اس طرح وقف کر دیا کہ پھر نا تو ماہنامہ ''رضوان'' کی پرواہ کی اور نا اپنے ''مکتبہ

اسلام'' کا خیال کیا، کاروبار چھوڑا اور کلی طور پر ندوہ کے مالی، تعمیراتی وانتظامی امور میں تندہی سے لگ گئے، لہٰذا دیکھتے دیکھتے انہوں نے متعدد دارالاقاموں کی تعمیر کی، مسجد کی شاندار توسیع کی، مالیاتی ڈھانچے کو درست کیا، چندہ کے سسٹم کی اصلاح کی۔

مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی کے ان گراں قدر معلوماتی بیان کے بعد مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی نے کہا کہ: حمزہ میاں کی شخصیت کا کلیدی وصف اس دنیائے دوں سے ان کی بے رغبتی اور عدم دلچسپی تھی، ان کا زہد وتقوی تھا، وہ بے تکلف بار بار کہتے کہ مجھے موت کا کوئی ڈر نہیں، انہوں نے موت بھی قابل رشک پائی، جمعہ کا دن، مغرب سے قبل کی گھڑی، رمضان المبارک کا مہینہ، اسی طرح ان کے دل میں عشق الٰہی کی آگ لگی تھی، اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے بے پناہ محبت سے ان کا سینہ معمور تھا، ذکر سے زبان تر تھی، وہ بڑے باپ کے بیٹے تھے، ان کی زندگی میں باپ کی دعاؤں کا اثر تھا، وہ ایک اچھے مصنف بھی تھے، انہوں نے ماہنامہ ''رضوان'' کے متعدد کامیاب نمبر نکالے ہیں، اسی طرح حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ''مکتوبات'' کے جمع وترتیب اور طباعت کا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، اس کی پانچ جلدیں چھپ چکی ہیں، اور مزید پانچ جلدوں کا مواد جمع ہے، جن میں بہت سارے معاصرین اور متوسلین کے خطوط جمع کردیے ہیں۔

مولانا بلال حسنی نے مزید کہا کہ: اللہ تعالیٰ نے مولانا حمزہ حسنی ندوی کو اعلیٰ دماغ، اصابت رائے، اور اعلیٰ انتظامی صلاحیت سے نوازا تھا، اور ان صلاحیتوں سے کام لینے کی توفیق بھی دی تھی، لہٰذا ان خداداد صلاحیتوں سے بھرپور کام لیا، خاص طور پر ادھر ماضی قریب میں ندوۃ العلماء کو جس فتنہ وآزمائش کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس کو بہت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ ختم کیا، اسی طرح مولانا مرحوم دارالعلوم ندوۃ العلماء، مسلم پرسنل لا بورڈ، اور ہمارے خاندان کے مسائل ونزاعات کو بڑے تدبر اور حکمت کے ساتھ حل کیا کرتے تھے، لہٰذا ان کے چلے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ بہت بڑا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے وہ اس خلا کو اپنے فضل وکرم سے پُر کرے گا۔

مولانا قاری طہٰ اطہر ندوی کی تلاوت کلام پاک سے نشست کا آغاز ہوا، سب سے پہلے مولانا شکیل احمد اعظمی ندوی نے حسنی خاندان اور ندوی برادری کی خدمت میں تعزیت پیش کی، اور مولانا حمزہ حسنی رحمہ اللہ کے سانحۂ وفات سے جو نقصان ہوا ہے اس کو بیان کرنے کے بعد کہا کہ: ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اس نازک وقت میں اپنے مربی، محسن، مرشد الامہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے ساتھ کھڑے رہیں، یقیناً حضرت مولانا اور آپ کے خاندان کے افراد ندوہ کی خدمت کے لیے وقف ہیں، ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں، اور رہیں گے، ہم ہر طرح سے آپ کی مدد کریں گے، ندوہ کی تعمیر وترقی کے لیے کوشاں رہیں گے، یہی میرا پیغام ہے، اخیر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرشد الامہ کے سایہ کو ہم پر تادیر قائم ودائم رکھے۔

مولانا اعظمی کے بعد ڈاکٹر محمد اکرم ندوی نے پروفیسر اطہر حسین خالدی معتمد مال ندوۃ العلماء اور مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نائب ناظم وناظر عام ندوۃ العلماء کے سانحۂ وفات پر اپنے تعزیتی کلمات پیش کرنے کے بعد حمزہ میاں کی حیات طیبہ کو سورۂ حجرات اور سورۂ فتح کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی، اور قرن اول کے مہذب معاشرہ کی تصویر کشی کے بعد کہا کہ: ندوہ میں ہم نے اپنے اساتذہ اور ان کی مجلسوں کو اسی مہذب معاشرہ کا نمونہ پایا، اس معاشرہ کے ایک فرد مولانا حمزہ حسنی ندوی رحمہ اللہ بھی تھے جن کو دیکھ کر اپنے اسلاف کی یاد تازہ ہوجاتی تھی، حمزہ میاں کی زندگی میں سیکھنے کے لیے بہت کچھ ہے، آج کل کے پڑھے لکھے لوگ اپنی ذاتی مفادات کے لیے اداروں کو قربان کردیتے ہیں، جبکہ حمزہ میاں نے ادارہ کو بچانے کے لیے کبھی بھی اپنی ذات کی پرواہ نہیں کی، آج

ضرورت ہے ان کے نقش قدم پر چلنے کی تاکہ وہ مہذب معاشرہ قائم رہے۔

اس کے بعد مولانا طٰہٰ اطہر ندوی نے اپنے والد محترم پروفیسر اطہر حسین خالدی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زندگی کے مختلف گوشوں اور دارالعلوم ندوۃ العلماء، حسنی خاندان سے ان کے دیرینہ تعلقات اور روابط کو دل گرفتگی اور نم آنکھوں کے ساتھ تفصیل سے بیان کیا۔

مولانا حشمت اللہ ندوی نے اپنے تعزیتی خطاب میں کہا کہ: دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لیے یہ وقت بہت نازک ہے، قادر الکلام شاعر مولانا رئیس الشاکری ندوی، انگریزی زبان کے استاذ و معتمد مال ماسٹر اطہر حسین خالدی، اور اخیر میں حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کے پے در پے سانحۂ وفات نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بہت بڑا خلا پیدا کردیا ہے، خاص طور پر حمزہ میاں کا سانحۂ وفات نہ صرف حسنی خاندان اور ندوی برادری کے لیے بلکہ پوری امت مسلمہ کے لیے بہت بڑا سانحہ اور خسارہ ہے، وہ ایک مثالی شخصیت اور کردار کے مالک تھے، طہارت وتقویٰ، اخلاق و کردار ان کو اپنے خاندان سے میراث میں ملے تھے، وہ ماہنامہ ”رضوان“ کے کامیاب ایڈیٹر تھے، اعیان شہر سے ان کے اچھے روابط تھے، ان روابط سے انہوں نے ندوہ کو فائدہ پہنچایا، ان کو اپنے لیے کبھی استعمال نہیں کیا۔

آپ نے مزید کہا کہ: حمزہ میاں کے حسن تدبیر کی وجہ سے اس بحرانی دور میں بھی ندوہ میں تعلیم جاری ہے، اساتذہ کی تنخواہیں جاری ہیں، پورا نظام بحسن وخوبی جاری و ساری ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے ان حسنات کو قبول فرمائے، خطاؤں سے درگزر کرے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

ڈاکٹر شفیق احمد ندوی (دہلی) نے گلوگیر ہوکر حمزہ میاں اور آپ کے والد مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی سے اپنے دیرینہ تعلقات کو بیان کیا، اور ہم وطن ہونے کے ناطے حسنی خاندان سے اپنی قربت ومحبت کا تذکرہ نم آنکھوں سے کیا۔

ڈاکٹر سلیم الرحمٰن خاں ندوی (جاپان) نے حمزہ میاں کے حسن اخلاق، اخلاص، للّٰہیت، زہد وتقویٰ، اسی طرح ان کے تعمیری وانتظامی کارناموں کو ذکر کیا۔

حمزہ میاں کے قریبی رفیق و ہمدم جناب محمد ادیب (علی گڑھ) دیر سے نشست میں شریک ہوئے اور آتے ہی اپنی پچاس سالہ دوستی کو یاد کرکے رو پڑے، اور فرمایا کہ جب میں یہ غم برداشت نہیں کر پارہا ہوں تو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ پر اس صدمہ جانکاہ کا کیا اثر پڑا ہوگا، ادیب صاحب نے اس خاندان سے اپنے دیرینہ گھریلو تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ: یہ کیسی مجبوری، بے بسی و بے کسی ہے کہ اپنے دوست کا آخری دیدار بھی نہیں کرسکا، میں اندر سے ٹوٹ چکا ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے درجات کو بلند فرمائے، عفوودرگزر کا معاملہ فرمائے۔

مولانا خورشید انور ندوی (حیدرآباد) نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ: آج کی اس تعزیتی نشست میں حمزہ میاں کے خصائل حمیدہ کا دستاویز مرتب ہورہا ہے، احباب نے ان کی زندگی کے جن گوشوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ بہت قیمتی اور نایاب ہیں، آپ نے مزید کہا کہ: اتنی خوبیوں کا مالک شخص جب اس دنیا سے جاتا ہے تو اس خلا کو پر کرنا بہت مشکل کام ہے لیکن جہاں اتنے مخلصین موجود ہوں، پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، حضرت مرشد الامہ جو بھی فیصلہ کریں گے وہ بہتر ہوگا، اور ہم ان کے ساتھ کھڑے ہیں۔

اخیر میں اس تعزیتی ویبینار کے صدر استاذ گرامی مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری نے اپنے صدارتی کلمات میں کہا کہ: اس نازک موڑ پر مایوسی کی کوئی بات نہیں، مخلص کا سفینہ منجدھار میں بھی بچ جاتا ہے اور غیر مخلص کا سفینہ ساحل کے کنارے پہونچ کر ڈوب جاتا ہے، ان شاء اللہ ندوۃ العلماء کا سفر یوں ہی جاری رہے گا۔ استاذ گرامی نے آگے فرمایا کہ: مولانا حمزہ حسنی رحمہ اللہ کی شخصیت کو چند لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو یہ شعر کافی ہے: ”خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری“، خاموشی ان کے ہاں عبادت تھی، ہر کام وہ خاموشی سے

کرتے تھے، نام ونمود سے بہت گریز کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ سنگین مراحل سے بھی بڑی خاموشی کے ساتھ اور آسانی سے گزر گئے، زہد وقناعت ایسی کہ اپنے پیچھے کچھ نہیں چھوڑا، علمی میدان میں ان کا سب سے اہم کام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے مکتوبات کا حصول، جمع وترتیب اور طباعت ہے، پھر ان خطوط پر مختصر ومتوازن نوٹس لکھنے کا اہتمام کیا، مولانا حمزہ حسنی کی ذات گرامی ندوہ کے لیے بہت ہی بابرکت ثابت ہوئی تھی، انہوں نے چندہ کے نظام کو بھی درست فرمایا، اس کے بجٹ کو ایک کروڑ سے ۲۰-۲۱ کروڑ تک پہنچا دیا ہے، وہ بہت محنتی تھے، وقت کی بڑی پابندی کرتے تھے، آرام بہت کم کرتے تھے، اور پورے استحضار و احتساب کے ساتھ عبادت سمجھ کر کام کرتے تھے، اللہ تعالی ان کے حسنات کو قبول فرمائے، سیئات سے درگزر کرے، ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ استاذ گرامی نے اخیر میں فرزندان ندوہ سے درخواست کی کہ مادر علمی کے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالی اسے ہر فتنہ وآزمائش سے محفوظ رکھے۔

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی کی دعا کے بعد مولانا عبد الحی ندوی نے نشست کے اختتام کا اعلان کیا۔

لفظ "انتشار" لگتا ہے کہ صرف مسلمانوں کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ علمی وتحریکی میدان ہو، سیاسی میدان ہو، دینی مدارس ہوں یا جدید تعلیم کے کالج اور اسکول ہوں۔ مختصر یا بڑے خاندان ہوں یا مسلم برادریاں ہوں یا قوم کے مذہبی پیشوا "علماء" ہوں یا فقہی مسالک ہوں ہر جگہ انتشار اور افتراق کا دور دورہ ہے۔

یہ معاملہ صرف ہمارے ملک بھارت کا ہی نہیں ہے بلکہ مسلم ممالک اس میں اس قدر مبتلا ہیں کہ اس سے زیادہ کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ مسلمان دوسرے مسلمان کا خون بہانے میں لگا ہوا ہے اور اس کام میں دوسرے ممالک سے مدد حاصل کرتا ہے اور وہ غیر مسلم ممالک اپنے مفادات کی خاطر اس قتل عام میں بھرپور مدد کرتے ہیں۔ جس کی مثال "شام" ہے کہ جب ظالم بشار الاسد پست ہونے لگا تو اس نے دوسرے اسلام دشمن ممالک ایران اور روس کی فوجیں بلوالیں اور نہتے شہریوں پر تباہ کن بمباری ہونے لگی۔ لاکھوں شہری اس بمباری سے شہید ہو چکے ہیں پورے پورے شہر برباد ہو چکے ہیں اور ملک کی بڑی آبادی اپنے گھروں کو چھوڑ کر پڑوسی ممالک اور یورپ کے ملکوں میں پناہ لے رہی ہے جہاں ان کے دین وایمان اور تہذیب کو شدید خطرہ لاحق ہو رہا ہے۔ روس تو یہ کام مادی فوائد کے لئے کر رہا ہے جب کہ ایران اس کو شیعہ مفادات کے تحفظ کا نام دے رہا ہے اور ان غیر انسانی مفادات کے حصول کے لئے "شام" کی پوری آبادی کو ختم کر دینا اس کو آسان ہدف لگتا ہے مسلمانوں کو اپنے دشمن کو پہچاننا چاہئے اگر غفلت کا یہی عالم رہا تو کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔

ایسے خراب حالات کیوں پیدا ہوئے اس پر ہم کو غور کرنا چاہئے قرآن وسنت کو چھوڑ کر ہم نے اپنی زندگیوں کے لئے غیر اسلامی لائحہ عمل اختیار کر لیا یہ اس کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو جائیں یا کم سے کم اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں تو ہمارا یہ حال ضرور تبدیل ہوگا ورنہ تباہی وبربادی کے غار میں ہم گرتے ہی چلے جائیں گے۔

(مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ)

مولانا اعظم شرقی ندوی
استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا سید حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خموشی سے جو اپنے کام ہی سے کام رکھتے ہیں

مدت ہوئی، لیکن آج بھی میری یادداشت کے ٹیپ ریکارڈ میں یہ بات نقش ہے کہ سن ۲۰۰۲ء کی کوئی تاریخ تھی۔ والد صاحب نے کہا ''کہ ذرا امین آباد چلو: کچھ کام ہے'' رکشہ پہ بیٹھے، عصر کا وقت تھا۔ کام ختم ہوتے ہی مغرب کی نماز مرکز تبلیغ میں ادا کی۔ اسی سے متصل ایک گلی میں راستہ جاتا تھا، (بکریا کی مسجد کے قریب چھوٹی سی گلی میں) والد صاحب اس طرف گئے، دروازہ پہ دستک دی، دروازہ کھلا اور سلام محبت کے تبادلہ کے بعد بیٹھ گئے۔ لائٹ نہ ہونے کی وجہ سے موم بتی جل رہی تھی۔ یہ میرا پہلا اتفاق تھا، کبھی نہ دیکھا، نہ ندوہ میں کبھی دید وشنید کی نوبت آئی۔ موم بتی کی پھیکی پھیکی مدھم سی روشنی خاموش، پرسکون چہرے پہ تاباں تھی، گفتگو دونوں میں جاری تھی، بس اتنی کہ جتنی گفتگو کی ضرورت ہوتی۔ ایک حد تک اس صفت میں دونوں میں مماثلت تھی۔ کمرہ کے اطراف نظر ڈالی، بستر نیچے، کچھ کتابیں سرہانے اور کچھ الماری میں سجی تھیں۔ سہولیات دنیوی اور تعیشات زندگی کو تو چھوڑیے، ضروریات زندگی کے سامان بھی کم ہی تھے۔ یہ اس خاندان کے فرد تھے جس خاندان کی علمی، دعوتی واصلاحی تاریخ کا ایک زریں تسلسل اور ایک ایسا شجرۂ طیبہ ہے جو ہر دور اور زمانہ میں اسلام کے ابدی دعوت و پیغام کا حامل اور اصلاح وتجدید کے کاموں کو انجام دیتا رہا، اور آج تک جاری وساری ہے۔ جس میں مجاہدین بھی ہیں، دعوت وحق کے علمبردار بھی، مورخ زماں بھی، مصنفین بھی، ستھرے اور پاکیزہ ذوق کے شاعر بھی، بیعت واصلاح کے طبیب روحانی بھی، تعلیمی اور تربیتی میدان کے معمار واستاذ و مربی بھی، فکر اسلامی کے نقیب بھی اور ادب اسلامی کے قافلہ سالار بھی، حسن انتظام وانصرام کے ماہر اور سلیقہ مند افراد بھی۔ آنے والا مورخ جب بھی عہد بعہد ہندوستان کی تاریخ مرتب کرے گا وہ اس میں اضافہ کرے گا۔

دانا آباداں رکھے ساقی تری محفل کو

اسی سال مولانا رحمۃ اللہ کی کتاب ''مکتوبات علی میاں'' کی پہلی جلد چھپ کر آئی تھی۔ بات ہوتی رہی اور وقت اٹھنے کا آیا، مکتوبات کی جلد اول والد صاحب کے ہاتھوں میں تھی، شاید مولف اس پہ والد صاحب کے نام معنون کرنے سے چوک گئے، والد صاحب نے منع کیا لیکن انہوں نے کتاب بڑھ کر ہاتھ سے لی اور نام لکھ کر ذاتی ملکیت کی مہر تصدیق ثبت کردی۔ میری آنکھوں نے یہ دیکھا، یہ محبت وتعلق کی بات تھی۔ ابی مرحوم کے حوالے سے اس خاندان سے قریبی اور طویل تعلق کی باتیں اور یادیں دل دماغ میں پیوست ہیں۔ خود ہم لوگوں کا اور گھر کا جو ربط وتعلق ہے وہ ابی مرحوم کی نصیحت اور ان کی تربیت کا فیض ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ سے میری گاہ بگاہ کبھی تکیہ اور کبھی ندوہ میں سلام اور خیریت ہو جاتی، ندوۃ العلماء میں میری تقرری کی وجہ مولانا رحمۃ اللہ کی ذات ہے اور اس میں آپ کی توجہ خاص کو دخل ہے اور وہی پہلی اور آخری میری گفتگو تھی جو مولانا سے ہوئی تھی، اس موقع سے اپنے محسن کو یاد رکھنا، لکھنا اور ان کے لئے دعائے خیر کرنا میری خوش بختی وسعادت ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ کی طبیعت خاموش مزاج تھی، خاموشی اور سکوت چہرہ پہ ان کے رعب ڈالتی، طبیعت میں سادگی تھی

وقت کے پابند اور متعدد کاموں کی ذمہ داری اور انجام دہی کا ہر وقت احساس رہتا۔ کوئی ملنے والا بس یہ محسوس کرتا کہ مولانا کوئی زیادہ مصروف اور مشغولیت والے انسان نہیں ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ ان کے ذمہ داری بہت اہم اور متعدد الجہات تھی۔

دارالعلوم کی مسجد کی تیسری توسیع، نظامت کے کاموں کو مرتب اور منظم کرنے کی کوشش، تعلیمی اور انتظامی رپورٹ طلب کرنے کے ساتھ ساتھ بجٹ تیار کرنا وغیرہ، اسی طرح وہ دیگر اداروں کے سرپرست اور ذمہ دار بھی تھے جہاں وہ خاموشی کے ساتھ اور پس پردہ رہ کر بہت سے کام کرتے رہتے اور اس کے لئے نہ کوئی تشہیر کرتے نہ اس کو پسند کرتے:

خموشی سے جو اپنے کام ہی سے کام رکھتے ہیں
وہ کچھ کر کے دکھاتے ہیں کبھی بولا نہیں کرتے

خواتین کے مشہور اردو رسالہ ماہنامہ ''رضوان'' کے مدیر رہے جہاں ان کے قلم سے ہر ماہ دعوتی اصلاحی اور دینی موضوعات پر مضامین اور اداریے شائع ہوتے تھے، یہ تعمیری، مثبت اور غیر جذباتی مضامین مقبول ہوتے، قلب وروح کا سامان ہوتے اور امت کی اصلاح اور تعمیر خصوصا طبقہ نسواں میں سنگ میل کا کام کرتے تھے۔

بعد میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی خدمات لی گئیں جو خود اپنے آپ میں بہت اہم اور نازک ذمہ داری تھی جس کو آپ نے پوری توجہ، انہماک اور اخلاص کے ساتھ تادم واپسیں انجام دیا۔ یہ بیس اور اکیس برس کی خدمات کو آپ نے بلا معاوضہ محض مادر علمی کی خدمت کے خاطر، بڑوں کے حکم، رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھ کر کیا ورنہ خود وہ اپنی متعدد ذمہ داریوں کو انجام دے رہے تھے جن میں پرچہ ''رضوان'' کی ادارت، ثانی حسنی سوسائٹی رفاہی تعلیمی ادارہ، تحفیظ القرآن اور ہاسپٹل، مکتبہ اسلام شامل ہیں۔

آپ خانوادہ حسنی کے مشہور ومعروف عالم اور صاحب سیرت وسوانح نگار، بلند ادبی وشعری ذوق رکھنے والے حضرت مولانا محمد ثانی حسنی نور اللہ مرقدہ کے فرزندار جمند تھے، اسی کے ساتھ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے زیر تربیت رہے اور اپنے خاندانی امتیازات وخصوصیات تواضع، انکساری، سادگی، متانت، زہد واستغنا کی خصوصیات سے مالا مال تھے، تصنیفی وتالیفی ذوق تو ان کو ورثے میں ملا تھا اور اللہ نے اس میں بھی آپ سے کام لیا اور آپ کے قلم گہر بار سے ''تذکرہ صحابیات '' سیرت امہات المومنین'' ''تذکرہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ'' قابل ذکر ہیں۔

مولانا ممدوح کا سب سے اہم اور محققانہ کام جو آپ نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں انجام دیا وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ہزاروں خطوط تھے جن کی ترتیب وتحقیق لائق ومرتب شکل میں اہل علم کے سامنے پیش کیں جس کی اب تک جلد اول تا جلد پنجم آ کر مقبول عام ہو چکی ہیں۔

مولانا حمزہ حسنی ندویؒ نام ونمود سے دور رہتے تھے اور خود رائی وخود پسندی سے مبرا تھے۔ ندوۃ العلماء کے لئے جو خدمات انجام دیں اور اس ترقی کے لئے جس فکر مندی اور دلسوزی کے ساتھ خاموشی سے اپنا کام کرتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ حالات کا جس صبر وتحمل سے مقابلہ کیا وہ اپنے آپ میں ایک مثال ہے ورنہ قدم قدم پر ذمہ دار حضرات جذبات کھو دیتے ہیں اور عہد، منصب اور تعلقات کا غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اور انا کی تسکین کے لئے حد سے بڑھ جاتے ہیں، لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان تمام امراض سے پاک تھے، ان کے اندر دل دردمند تھا، وہ اپنے حریف کے مقابل کبھی نہیں آئے اور نہ ہی زبان اور قلم کو آلودہ کیا، گویا وہ اپنے اس خاندانی اوصاف سے پوری طرح متصف تھے کہ کسی کی بد اور ہجو کا جواب نہ دیا جائے نہ مجلسی گفتگو کا موضوع بنایا جائے، اسی پہ آپ ہمیشہ عامل رہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی گوناگوں مصروفیات کے ساتھ اپنے بزرگوں سے

اصلاحی تعلق بھی رکھتے تھے اور اس سلسلے میں آپ نے برکۃ العصر حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ سے بیعت کا تعلق قائم کیا، پھر ان کی وفات کے کچھ عرصہ کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے تجدید بیعت کی۔ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفہ مجاز بیعت حضرت صوفی شاہ انعام اللہ لکھنوی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی وفات سے دو یا تین دن پہلے انہیں اجازت بیعت سے سرفراز کیا، اس طرح اصلاحی تعلق قائم کرکے اپنے اوراد وظائف کے آخر تک مکمل پابند رہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ مولانا سید رشید احمد حسنی ندوی، استاد مدرسہ مظہر الاسلام، لکھنؤ، ایڈیٹر ماہنامہ "رضوان" میرے بے تکلف دوستوں میں ہیں۔ اپنے اخلاق وکردار و دیگر خوبی وخصوصیات میں اپنے خاندان کی روایات کے امین ہیں، اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کے کاموں کی ذمہ داری بھی ان کے سر ہے، اللہ ہمت وحوصلہ دے! اپنے والد مرحوم کے جانشین ہیں اللہ انہیں تمام شرور وفتن سے محفوظ رکھے! بہترین صبر عطا فرمائے! والد مرحوم کو غریق رحمت کرے!

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
یہ جہاں نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

□□□

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کے نکاح وولیمہ پر

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک یادگار تہنیتی مکتوب

بقلم حبیب اللہ

۲۰ رذیقعدہ ۱۳۹۶ھ

عزیزم الحاج مولوی محمد ثانی سلمہٗ

بعد سلام مسنون تمہارا محبت نامہ پہنچا، علی میاں کے خط سے نکاح اور رخصتی کا حال معلوم ہوگیا تھا اور مبارکباد میں تمہیں خط لکھ رہا ہوں، دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ زوجین میں محبت پیدا فرماکر اولاد صالح عطا فرمائے۔

میرے نظام کا خود مجھے بھی پتہ نہیں، پاکستان والے اجازت نہیں دیتے اور پاکی احباب بضد ہیں، ہم لے جاکے رہیں گے اور میں اس میں پھنسا ہوا ہوں، مولوی یوسف تلی رائے ونڈ کے اجتماع میں گئے تھے اور پھر واپس آنے والے تھے مگر ان کو روزانہ وہ لوگ روک لیتے کہ شاید آج ویزہ لگ جائے، تم نے میری شرکت تو میرے عطیہ سے کی، یہ تو الٹا ہوگیا، میری شرکت تو میرے عطیہ سے ہوتی کہ میں بجائے اپنا فدیہ بھیجا لیکن الفضل للمتقدم تمہارے اور تمہاری والدہ کے اصرار پر بہت خوشی سے منظور ہے، رقم ابھی تک تو پہنچی نہیں، میری روانگی تک نہ پہنچے تو میری امانت رہنے دیں یا علی میاں کو لکھ دیجیے کہ مدینہ میں مجھے دے دیں کہ وہاں کے شرکاء ہند کے شرکاء سے اولیٰ ہیں، تمہاری بیماری سے قلق ہوا، اللہ تعالیٰ صحت عطا فرمائے، علی میاں کی اہلیہ کی تکلیف سے بھی بہت قلق ہوا، اللہ ان کو بھی صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے، میری طرف سے سلام مسنون کے بعد عیادت کردیں، دل سے دعائے صحت کرتا ہوں۔

اپنی والدہ، اہلیہ اور عزیز حمزہ سلمہٗ سے سلام مسنون فرمادیں۔

□□□

مولانا طارق شمسی
مہتمم مدرسہ عربیہ سیفیہ اٹاوہ

مولانا سید حمزہ حسنی ندوی
چند یادیں چند باتیں

مولانا سید حمزہ حسنی کا نام بچپن سے ہی ذہن نشین تھا کہ ہمارے یہاں ماہنامہ رضوان دادا میاں مولانا فدا حسین صاحب علیہ الرحمہ کے زمانہ سے آیا کرتا تھا اور اس میں حضرت مولانا کا نام ٹائٹل پر بطور ایڈیٹر تحریر ہوتا تھا۔ ان سے جب برادر محترم مولانا سید محمود حسنی صاحب کے توسط سے غالبًا **2000**ء میں ملاقات ہوئی اور انہوں نے راقم کا تعارف میرے نانا حضرت مولانا مفتی عبد القدوس رومی صاحب علیہ الرحمہ کے حوالہ سے کروایا تو اسی درمیان دوران گفتگو جب راقم نے اپنے وطن اٹاوہ اور اپنے جد مکرم حضرت مولانا فدا حسین صاحب رحمہ اللہ کا ذکر کیا تو مولانا محترم نے برجستہ فرمایا کہ بھئی تمہارے دادا میاں اور والد سے بھی ہمارے گھرانے کے دیرینہ تعلقات ہیں۔ مولانا فدا حسین صاحب دینی تعلیمی کونسل اور مسلم مجلس کے ذمہ داروں میں تھے اور اس کی تحریکوں کے لئے بڑے فعال اور متحرک رہتے تھے۔ ان کے حوالہ سے اپنا تعارف کیوں نہیں کرایا۔ وہ بہت بڑے آدمی تھے۔ ملی تحریکوں بالخصوص مسلم یونیورسٹی تحریک، مسلم مجلس اور دینی تعلیمی کونسل وغیرہ کے سلسلہ میں ان کی خدمات بہت بنیادی ہیں۔ آریہ سماج کے سلسلہ میں ان کی کتابیں بھی بہت اہم بنیادی اور قیمتی ہیں۔ حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمۃ کے یہاں ان کی بڑی قدر تھی۔ اسی دوران ان کے کئی واقعات بھی ذکر فرمائے۔ راقم کے نانا حضرت مولانا مفتی عبد القدوس رومی صاحب علیہ الرحمہ چونکہ مولانا کے والد گرامی قدر حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی صاحب کے مظاہر علوم سہارنپور کے ساتھیوں میں تھے اور ان سے ان کا کافی ربط و تعلق بھی تھا۔ اسی طرح راقم کے دادا میاں حضرت مولانا فدا حسین صاحب علیہ الرحمہ کے بھی مولانا محمد ثانی حسنی صاحب سے قریبی مراسم تھے اور تمام دینی و ملی تحریکوں میں دونوں ایک ساتھ شریک کار تھے۔ انہی خاندانی نسبتوں اور تعلق کے سبب حضرت مولانا حمزہ صاحب راقم سے بھی محبت و شفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔

اس کے بعد لکھنؤ کے تقریباً ہر سفر میں مولانا کی خدمت میں ان کے مکتبہ اسلام پر حاضری ہوتی رہی۔ مولانا کم گو اور سنجیدہ ہونے کے سبب صرف چند مختصر جملوں میں بات کا جواب دے دیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود بھی جب بھی مولانا کی خدمت میں حاضری ہوتی تو اٹاوہ کی مختلف دینی، تعلیمی اور ملی سرگرمیوں کا حال ضرور دریافت فرماتے۔ جب راقم اپنے عقد کے بعد مولانا سے ملا تو اس ملاقات میں برادر محترم مولانا محمود حسنی صاحب نے راقم کے خسر جناب محمد شفیق صاحب مرحوم کا ذکر کرتے ہوئے اس رشتہ کی اطلاع دی اس پر مولانا نے فرمایا اب تو آپ سے ددھیالی اور ننھیالی تعلق کے ساتھ سسرالی تعلق بھی ہو گیا، شفیق میرا بچپن کا دوست تھا۔ بہت جلدی اسے اللہ نے بلا لیا۔ اسی کے ساتھ ہی بہت دیر تک ان کے ساتھ میں کرکٹ کھیلنے اور دعوتیں کرنے کے تمام واقعات سنائے۔ اس طرح مولانا مرحوم ان تمام رشتوں اور تعلق کی بنا پر راقم سے خصوصیت کا معاملہ فرماتے۔ راقم کی سرگرمیوں اور اس کی کوششوں کی بالواسطہ اور کبھی بلا واسطہ خبر گیری فرماتے، ملاقات پر اپنے مشفقانہ اور ضروری مشوروں سے نوازتے۔

حضرت مولانا حمزہ حسنی مولانا علی میاں ندوی کے بھانجے معروف شاعر و ادیب و قلم کار حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی کے فرزند

ارجمند اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب کے داماد تھے۔ حضرت مولانا حمزہ صاحب کی پیدائش 15 دسمبر 1950 کو تکیہ رائے بریلی میں ہوئی۔ حضرت مولانا علی میاں حسنی اور مولانا محمد ثانی حسنی کے گھر کے ماحول میں پرورش و پرداخت پانے والے بچے کی حسن تربیت کے تو کیا کہنے! ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی۔ ندوہ سے عالمیت وفضیلت کی تکمیل کر کے 1969 میں فن حدیث میں اختصاص کیا۔ عملی زندگی کے آغاز میں کچھ عرصہ ملی کاموں میں مصروف رہے اور پھر اپنے والد کے قائم کردہ دارالاشاعت مکتبہ اسلام کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول کر کے اسی کو ذریعہ معاش بنایا۔ والد کی 1982 میں وفات کے بعد مجلّہ رضوان کی ادارت سنبھالی۔ تب سے وفات تک مولانا نے اپنے قلم کی روشنائی کو کبھی خشک نہ ہونے دیا۔ رضوان کی ادارت تادم واپسیں کرتے رہے۔ 2006 سے وفات تک پندرہ روزہ تعمیر حیات کے نگراں رہے اور اس کے معیار کو فزوں تر کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ مولانا حمزہ صاحب چوں کہ آسان نویس اور زود اور خوب نویس تھے اس لیے ان کے ہاتھوں بہت سے علمی اور قلمی شاہکار معرض وجود میں آئے جن میں سیرت امہات المومنین، تذکرہ صحابیات اور تذکرہ سید احمد شہید جیسی کتابیں ہیں، ساتھ ساتھ مولانا علی میاں علیہ الرحمہ کے علمی و فکری خطوط کو "مکتوبات مفکر اسلام" کے نام سے پانچ جلدوں میں جمع کیا۔ مجلّہ رضوان میں سیکڑوں چھپے مضامین اس پر مستزاد ہیں۔

حضرت مولانا کو حضرت مولانا علی میاں کی رفاقت وخدمت میں اچھا خاصا وقت گزارنے کی سعادت بھی ہاتھ آئی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کی اور مزاج بھی اپنے والد کا پایا تھا جو حضرت شیخ الحدیث کے مدرسہ معرفت کے بادہ خوار اور خلیفہ تھے۔ بعد کے ادوار میں بھی وہ راہ طریقت ومعرفت پر چلتے رہے۔ حضرت رائے پوری کے خلیفہ صوفی انعام اللہ صاحب نے انھیں خلعت خلافت سے نوازا اور پھر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب نے بھی انھیں اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔

مولانا حمزہ صاحب ندوہ سے بھی پوری زندگی کسی نہ کسی طرح وابستہ رہے۔ انھیں 1990 میں ندوہ کی مجلس انتظامی کا رکن منتخب کیا گیا۔ 2000 میں ناظر عام بنایا گیا۔ 2018ء میں ان کی اہلیت اور انتظامی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے انھیں باتفاق رائے ندوہ کا نائب ناظم بنایا گیا جو کہ من جانب اللہ ایک زبردست فیصلہ ثابت ہوا۔ خلاصہ یہ کہ حضرت مولانا حمزہ صاحب ایک ملہم نائب ناظم، اپنے والد کے شروع کردہ مجلّہ برائے خواتین رضوان کے مدیر، سنجیدہ قلم کار و مصنف، اچھے مدبر و منتظم اور راہ طریقت کے بادہ کش و بادہ فروش تھے۔ خاموشی کے ساتھ کام کرنا اور کرتے رہنا ان کی طبیعت ثانیہ تھی۔ ان کے حسن انتظام نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کو نئی جہتیں عطا کیں۔ دارالعلوم ندوہ سے رافضی ذہن وعقیدہ کے مبلغ، اصحاب رسالت مآب کے گستاخ، ندوہ میں بظاہر مضبوط پکڑ رکھنے والے خود ساختہ خطیب العصر سے جس سلیقے اور خاموشی سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کو محفوظ کیا۔ اس سے ان کے حسن انتظام وانصرام اور حالات پر نگاہ عقاب اور اعصاب کی مضبوطی پر استشہاد کیا جاسکتا ہے اور ان کے صرف اسی ایک عمل کو روز حشر معافی کی بنیاد کہا جاسکتا ہے ان شاء اللہ۔ دارالعلوم ندوہ کے کئی ایک ہاسٹل اور وہاں کی شاہکار تجدید شدہ مسجد ان کے حسن انتظام اور منصوبہ بندی میں پختگی کے واضح ثبوت ہیں۔ ستر سال کی عمر میں خاندان حسنی کا کا یہ گوہر نایاب 7 مئی 2021 مطابق 24 رمضان المبارک 1443ھ کو سفر آخرت کی جانب روانہ ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مولانا کا انتقال گو کہ ستر سال سے زائد عمر میں ہوا مگر ابھی بہت سے میدان ان کی خدمات کے تشنہ تھے۔ اللہ تعالی مولانا کی کامل مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ندوہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ النبی الامین۔

○○○

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاد مدرسہ نور الاسلام کنڈہ پرتاپ گڑھ

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی صاحب جوار رحمت میں

24 رمضان المبارک 1442ھ مطابق 7 مئی 2021ء، بوقت 6 بجے شام جیسے ہی افطار اور مغرب کی نماز سے فارغ ہوکر خال معظم حافظ حامد الغازی صاحب سے ملاقات کے لیے مسجد سے ان کے گھر پہنچا اور کچھ دیر بعد موبائل کی اسکرین وفیس بک کو کھولا تو سب سے پہلے اس حادثہ فاجعہ پر نظر پڑی کہ حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی صاحب مدظلہ العالی نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ بھی اللہ کے جوار میں منتقل ہوگئے، دل دھک سے ہوگیا اور کیفیت عجیب سی ہوگئی، دعاء ماثورہ پڑھنے کے بعد کچھ دیر کے لیے بستر پر خاموش پڑا رہا۔ اموات کے اس لامتناہی سلسلہ نے ذہن و دماغ کو بہت متاثر کردیا ہے، درجنوں قریبی رشتہ دار اور متعلقین بھی لقمۂ اجل ہو چکے ہیں۔ ایک بڑی تعداد علماء، اہل علم اور دانشوران وسیاست دانوں کی بھی اس فانی دنیا کو چھوڑ کر باقی دنیا کی طرف جا چکی ہے۔ کل تراویح کے بعد کوشش کی کہ حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ پر لکھوں گا، لیکن بہت کوشش کے بعد بھی ذہن و دماغ کو اس کے لیے یکسو نہ کرسکا۔ یہ صدمہ کتنا گہرا ہے مرشد الامہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی، کے لیے، ان کے خاندان اور ارباب ندوہ کے لیے تصور نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال مولانا مرحوم کی وفات سے پورا خاندان، پورا ندوہ اور سارے اہل تعلق افسردہ اور غمزدہ ہیں، ایک بہت بڑا نقصان ہے اور خسارہ ہے، ندوہ کا اور خاندان سادات حسنی کا، نیز ساری ملت اسلامیہ کا۔ کیونکہ وہ ملت کے لیے ایک قیمتی سرمایہ تھے:

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے
جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کو اللہ نے جو حیات مستعار دی تھی وہ گزار کر ہمارے درمیان سے چلے گئے، لیکن اپنی خدمات اور قربانیوں کے گہرے نقوش چھوڑ کر گئے جس میں آنے والی نسلوں کے لیے پیغام ہے، سبق ہے، یقیناً وہ ہم سب کے لئے نمونہ اور آئیڈیل تھے۔ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ سادات حسنی کے روشن چشم و چراغ تھے آپ کے والد محترم سید محمد ثانی حسنی ندوی رح خلیفہ شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے ولی صفت اور باکمال عالم تھے وہ انتہائی شریف اور بے ضرر انسان تھے، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رح اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے تربیت یافتہ اور حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے انتہائی قریبی عزیز اور نور نظر تھے۔ مولانا محمد ثانی حسنی ندویؒ حضرت مولانا قاری صدیق صاحبؒ ہتھورا باندہ اور مولانا محمد مرتضی صاحبؒ سابق ناظر کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ہم سبق اور ساتھی تھے اور ان تینوں میں خوب مناسبت تھی۔ مولانا محمد سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کی پیدائش 1950ء میں دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں ہوئی آپ کی ابتدائی تعلیم کے علاوہ پوری تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہوئی۔ آپ دوران طالب علمی ندوہ کے نمایاں لڑکوں میں تھے اور اپنے ساتھیوں میں ممتاز تھے۔ مولانا محمد ناصر صاحب ندویؒ سے آپ کو بڑی مناسبت تھی۔ غالباً 1968ء یا 1969ء میں آپ نے ندوہ سے سند فراغت حاصل کی اور علم حدیث میں تخصص کیا۔ پھر مختلف

علمی ملی اور سماجی کاموں میں مشغول ہو گئے، مکتبہ اسلام کی سرپرستی اور ماہنامہ رضوان لکھنؤ کی ادارتی ذمہ داری بھی آپ نبھاتے رہے۔ مولانا ثانی حسنی ندوی میموریل سوسائٹی کے پلیٹ فارم سے آپ نے بہت کچھ کیا اور اس کے ماتحت بہت سے ادارے کی ذمہ داری نبھاتے رہے۔

آپ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے ساتھ سفر وحضر میں بھی رہے اور ان سے خوب استفادہ کیا، مولانا رحؒ آپ کو بہت ہی عزیز رکھتے تھے۔ ایک بار حج کے سفر میں مولانا حمزہ حسنی ندوی صاحب آپ کے ساتھ تھے، ایک جگہ میں نے پڑھا کہ ایک موقع پر مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی صاحب مکہ مکرمہ میں کہیں راستہ بھٹک گئے اور گھنٹوں مولانا رحؒ کی نظر سے غائب رہے مولانا رحمۃ اللہ علیہ بے قرار ہو گئے اور بار بار یہی سوال کرتے تھے کہ حمزہ میاں کہاں ہیں؟ حمزہ میاں کہاں ہیں؟ اور جب تک آ نہیں گئے بے قرار رہے۔

آپ مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے سگے بھانجے مولانا محمد ثانی حسنی ندویؒ کے صاحبزادے تھے۔ ندوہ سے فراغت کے بعد ایک عرصہ تک آپ مختلف علمی، دینی، سیاسی، ملی اور سماجی کاموں میں مصروف رہے اور ماہنامہ رضوان لکھنؤ جو کہ خواتین کا بہترین ترجمان ہے اور جو تقریباً ساٹھ سال سے زائد سے پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، والد صاحب حضرت مولانا ثانی حسنی ندویؒ کے بعد اس کے مدیر اعلیٰ منتخب ہوئے اور پوری توجہ سے اس کی اشاعت میں مشغول رہے اور تاحیات پابندی کے ساتھ اس کا اداریہ لکھتے رہے جو ماقل ودل کی تصویر ہوتی، چونکہ خواتین کو سامنے رکھ کر اور ان کے علمی معیار کو دیکھ کر یہ تحریر لکھی جاتی اس لیے انتہائی آسان اور سہل زبان اور اسلوب میں لکھتے تھے تاکہ عام فہم لوگ بھی نفس مضمون کو آسانی سے سمجھ لیں۔ آپ کے والد مرحوم مولانا محمد ثانی حسنی ندویؒ نے دینی کتابوں کی اشاعت کے لئے حضرت مولانا علی میاں ندوی رحؒ کے ایماء اور مشورہ سے مکتبہ اسلام لکھنؤ قائم کیا، مقصد یہ تھا کہ صحیح اور مفید دینی کتابوں کی اشاعت ہو اور اس کے ذریعہ سے دین کی خدمت کی جائے کیونکہ کتابوں کے مطالعے سے زندگی کا رخ بدل جاتا ہے اور زندگی میں انقلاب اور تبدیلی آجاتی ہے اور دوسرا مقصد حلال روزی کا انتظام بھی تھا۔ آپ والد صاحب مرحوم کے اس مشن میں عملی طور پر شریک ہو گئے اور اس مکتبہ کو خوب ترقی دی، مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور خاندان کے دیگر مؤلفین ومصنفین کے علاوہ دیگر اہل اللہ کی کتابیں خاص طور پر اس مکتبہ سے شائع ہوئیں۔

آپ کے اندر انتظامی صلاحیت بھرپور پائی جاتی تھی اس لیے مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے اپنی زندگی کے

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کو اللہ نے جو حیات مستعار دی تھی وہ گزار کر ہمارے درمیان سے چلے گئے، لیکن اپنی خدمات اور قربانیوں کے گہرے نقوش چھوڑ کر گئے جس میں آنے والی نسلوں کے لیے پیغام ہے، سبق ہے، یقیناً وہ ہم سب کے لئے نمونہ اور آئیڈیل تھے۔ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ سادات حسنی کے روشن چشم وچراغ تھے آپ کے والد محترم سید محمد ثانی حسنی ندوی رحؒ خلیفہ شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے ولی صفت اور باکمال عالم تھے وہ انتہائی شریف اور بے ضرر انسان تھے، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے تربیت یافتہ اور حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے انتہائی قریبی عزیز اور نور نظر تھے۔ مولانا محمد ثانی حسنی ندویؒ حضرت مولانا قاری صدیق صاحبؒ ہتھورا باندہ اور مولانا محمد مرتضیٰ صاحبؒ سابق ناظر کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ہم سبق اور ساتھی تھے اور ان تینوں میں خوب مناسبت تھی۔

آخری ایام میں اپنے اس مخلص، شریف، ذہین وفہیم اور کم گو لیکن فعال عزیز کو ندوہ کی خدمت کے منتخب کیا، چنانچہ 1999ء میں دار العلوم ندوہ العلماء لکھنؤ کے لیے ان کی خدمات حاصل کی گئیں اور 2000ء میں ناظر عام ندوہ العلماء مقرر کئے گئے۔ اخیر میں یعنی 2018ء میں باتفاق نائب ناظم اور مجلس تحقیقات کے سکریٹری اعلی منتخب ہوئے، حضرت مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ سابق معتمد تعلیمات کی وفات کے بعد تعمیر حیات کے نگران اعلی منتخب ہوئے۔

لکھنؤ کے باوجیہ اور باثر لوگوں سے آپ کے اچھے تعلقات تھے ان تعلقات سے دینی مقصد کے لیے آپ نے فائدہ اٹھایا اور مساجد کے نظام کو بہت حد تک منظم اور مربوط کیا۔ حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ مرشد الامہ کے دست و بازو بن گئے تھے اور آپ کی وجہ سے حضرت کو بہت زیادہ آسانی اور سہولت ہوگئی تھی اس لیے یہ حادثہ ندوہ کے لیے اور خاص طور پر حسنی خاندان اور بطور خاص حضرت مرشد الامہ کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے۔

مولانا انتہائی کم سخن تھے ان کو بولتے ہوئے کم دیکھا گیا، بات کرتے بھی تو بہت مختصر، لایعنی اور فضول قسم کی باتوں سے ان کو وحشت ہوتی تھی، اس کم گوئی نے ان کو اور زیادہ بارعب و باوقار بنا دیا تھا۔ بقول شخصے مرحوم کی خاموشی طبعی مجمع علیہ تھی۔

پیدائشی ذہین تھے اگر باقاعدہ تصنیف وتالیف کی طرف متوجہ ہوتے تو درجنوں کیا سیکڑوں کتابیں ان کی یادگار ہوتیں لیکن انتظامی، ملی، سماجی اور بعض دیگر دینی مصروفیات نے اس کا موقعہ نہیں دیا لیکن اس کے باوجود جتنا بھی لکھا اور جو کچھ لکھا وہ کسی طرح کم نہیں ہے۔ آپ نے جہاں ماہنامہ رضوان لکھنؤ کی چالیس سال تک ادارت سنبھالی اور اس کے بعض وقیع تبصرات شائع کئے، وہیں آپ نے مفکر اسلامؒ کے مکتوبات مرتب کرکے چار جلدوں میں شائع کئے۔ حضرت مرشد الامہ نے ان پر وقیع مقدمات تحریر کئے۔ اس کے علاوہ امہات المومنین، اور حضرت شاہ علم اللہؒ اور بعض کتابیں آپ کی علمی یادگار ہیں۔

مولانا مرحوم سے میرا تعارف تھا، کبھی کبھی حسنی فارمیسی پر جاکر ملتا تھا، ادھر سات آٹھ سالوں سے مولانا مرحوم نے پابندی سے میرے مضامین ماہنامہ رضوان لکھنؤ میں شائع کرائے اور کوئی بھی مضمون نظر انداز نہیں کیا بلکہ، بعض مضامین میں مناسب اضافہ بھی فرمایا۔ چار پانچ مضامین پندرہ روزہ تعمیر حیات میں بھی مولانا مرحوم کے اشارے پر شائع ہوئے۔

میری کتاب۔ انسانی عظمت کے تابندہ نقوش جلد اول پہ بہترین اور وقیع مقدمہ تحریر فرمایا، کتاب جب شائع ہوئی تو حضرت کی خدمت میں پیش کیا بہت خوش ہوئے اور خوب دعائیں دیں۔ یاد رہے کے اس کتاب کے سارے مضامین قسط وار پہلے ماہنامہ رضوان لکھنؤ میں ہی شائع ہوئے تھے۔ اس لئے مولانا مرحوم ہی کا حق تھا کہ وہ اس پر مقدمہ لکھیں۔ بچوں کی تربیت کیسے کریں؟ اس کتاب میں بھی ماہنامہ رضوان لکھنؤ سے تعلیم و تربیت کے موضوع پر مضامین خاکسار نے لئے تھے، مولانا مرحوم سے ملنے گیا اور پیش لفظ لکھنے کی درخواست کی تو مولانا مرحوم تیار ہو گئے لیکن فرمایا، بیٹا تاخیر ہوسکتی ہے، اس لیے اگر جلدی ہے تو تمہیں اجازت ہے کسی اور سے لکھوالو تاکہ کتاب جلد شائع ہوجائے۔ احقر نے مولانا محی الدین ندوی صاحب منیجر ماہنامہ رضوان لکھنؤ سے مشورہ کرکے مولانا عبد القادر صاحب ندوی نائب مہتمم ندوہ العلماء لکھنؤ سے پیش لفظ لکھوایا، الحمد للہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوگیا ہے۔

اللہ تعالی حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کو ان کی خدمات کا بہترین صلہ دے، ان کے سیئات کو حسنات سے بدل دے، جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے وارثین متعلقین اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ندوہ کو نیز خاندان سادات حسنی کو انکا نعم بدل عطا فرمائے آمین

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہ بانی کرے

○○○

سید محمد الحسنی بن مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی

متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ماموں صاحب کی تربیت وشفقت کے سائے میں

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

دنیا میں جو بھی آیا ہے ایک دن اس کو جانا ہی ہے یہاں نہ کوئی ہمیشہ رہا ہے اور نہ رہے گا ارشاد خداوندی ہے کل نفس ذائقۃ الموت ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

جانے والے بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں کسی کے جانے پر نہ آنکھیں نم ہوتی ہیں اور نہ دل بے قرار ہوتا ہے نہ فضا سوگوار ہوتی ہے نہ کوئی خلاء محسوس ہوتا ہے اور نہ ہی بعد میں ان کی یاد ستاتی ہے لیکن بعض جانے والے جب جاتے ہیں تو ان کی یادیں زندگی کے ہر موڑ پر خون کے آنسو رلاتی ہیں ان کی ہر ادا ان کا طور طریق ان کی پاکیزہ سیرت ان کا انداز تربیت ان کا مشفقانہ لہجہ ان کے اخلاق کریمانہ کی خوشبو ہر وقت تڑپاتی رہتی ہے نہ وہ آنکھوں سے کبھی اوجھل ہوتے ہیں اور نہ دل سے دور جن لوگوں کا تعلق ہمارے ماموں مولانا حمزہ حسنی ندوی نور اللہ مرقدہٗ سے رہا ہے رسمی تعلق نہیں بلکہ ہمیشہ کا ساتھ رہا ہے وہ اس کی گواہی دیں گے کہ ہمارے ماموں ان لوگوں میں سے ہیں جن کی زندگی کا ہر پل نصرت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے وقف تھا وہ ایک طرف اپنے ولی صفت باپ کی دعاؤں کا نتیجہ تھے تو دوسری طرف اپنی نیک سیرت ماں کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے اور کیوں نہ ہوتے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ''کر بھلا ہوگا بھلا'' ان کے والد بزرگوار نے اپنی پوری زندگی اصلاح وتربیت میں گزار دی ان کو فکر تھی تو صرف اس بات کی کہ خلق خدا کو خدا کی معرفت حاصل ہوجائے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرزند ارجمند کی شکل میں ان کی امیدوں کو پورا کردیا۔

ماموں صاحب بیک وقت دو ذمہ داریوں کو انجام دے رہے تھے ایک کا تعلق ان کے معاش سے تھا اور دوسرے کا تعلق ملی مفاد بلکہ ہماری دینی تعلیم سے تھا۔

مگر اس ولی صفت انسان نے کبھی اپنے معاش کو ملی مفاد پر ترجیح نہیں دی آپ کا پورا وقت ندوہ میں گزرتا تھا مغرب بعد اپنے مکتبہ جاتے تھے اور دن بھر کا حساب کتاب دیکھتے تھے گھر میں ہوتے تو شاہ مجلس آپ ہوتے تھے گھر کے سب لوگ بچے بڑے آپ کے پاس جمع ہوجاتے تھے آپ کی گفتگو کا انداز بڑا نرالا ہوتا تھا چھوٹے چھوٹے واقعات جس میں تربیتی پہلو پوشیدہ ہوتا تھا بیچ بیچ میں سناتے تھے آپ کی مجلس میں بچے بھی اکتاتے نہیں تھے بلکہ بچے آپ سے بہت مانوس تھے۔

آپ ہر ایک سے عزت سے پیش آتے تھے لوگ بھی آپ کی دل سے عزت کرتے تھے، نماز میں ادنیٰ کوتاہی آپ کے یہاں ناقابل معافی جرم تھی۔

اپنے بڑوں کا ایسا احترام میں نے اور کہیں نہیں دیکھا آپ ندوہ کے ناظر عام اور نائب ناظم تھے مگر کبھی اپنی رائے کو اپنے چچا حضرت مولانا رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ پر ترجیح نہیں دی انتہا یہ تھی کہ عمر کے آخری حصہ میں جب کہ تکلیف بہت سخت تھی اور لیٹنے سے کچھ آرام مل جاتا تھا اگر لیٹے ہوتے اور ابا آجاتے تو فوراً بیٹھ جاتے تھے چاہے کتنی ہی تکلیف ہورہی ہو بات کرتے تو لہجہ اور آواز بہت پست ہوتی تھی۔

بحث مباحثہ سے دور رہتے غریبوں مسکینوں کی مدد کرنے پر سامنے کبھی نہ آتے غلط بات سے ہمیشہ روکتے صحیح بات کی تلقین کرتے، اسلام کے خلاف کچھ بھی برداشت نہیں کرتے۔

ماموں صاحب تکیہ کلاں کی۔ ممتاز شخصیات میں سے ایک تھے اور آپ خاندان کا ایک ایسا روشن ستارہ تھے جس کی

روشنی نے کافی لوگوں کو روشن کر دیا تھا۔

یہ تمام چیزیں آپ کی شخصیت کی عکاسی کرتی ہیں، خاندان والوں کے ساتھ بھی بہت اچھی طرح سے پیش آتے اور ہم سب بھی آپ کی قربت کو پسند کرتے اور آپ کی مجلس میں شریک ہوتے اور آپ کے پاس بیٹھتے کیونکہ سب کو آپ کی مجلس اچھی لگتی، آپ خود بھی کتابوں کے شوقین تھے ہم سب کو بھی وعظ و نصیحت کرتے کتابوں کے مطالعہ کی، میرے ساتھ بہت شفقت کا معاملہ کرتے محبت سے پیش آتے اور نرم لہجہ میں بات کرتے، کھانے کی میز پر کھانے کی کبھی برائی نہیں کرتے اور خاموشی سے کھاتے کوئی غلط طریقے سے کھاتا تو اس کو روکتے اور بتاتے کہ کس طرح کھانا ہے، ندوہ کے امتحان میں فرسٹ ڈویژن سے کامیابی حاصل کی اسی طرح B A کے امتحان میں بھی اچھے نمبرات حاصل کئے، کرکٹ ہو سیاست ہو جس میں بھی ہاتھ ڈالا کامیابی حاصل کی پھر اس چیز سے کنارہ کشی اختیار کر لی جس میں دنیا کی طرف رغبت ہو اور اپنے آپ کو اللہ کے دین کے لئے خاص کر لیا اور مڑ کر دنیا داری طرف نہیں دیکھا اور ندوہ سے وابستہ ہو گئے دنیا سے تو چلے گئے پر آپ کا وعظ آپ کی نصیحت آپ کا محبت بھرے لہجہ میں بات کرنا آپ کا سمجھانا آپ کی باتیں آج بھی ہمارے دلوں میں زندہ ہیں جہاں ہم نے آپ کو جانا تو آپ کو ایک نیک صالح متقی پرہیزگار شخص کے طور پر جانا ساتھ ساتھ ہنسنے ہنسانے والوں میں سے تھے اور ایک زندہ دل انسان تھے حالات کا مقابلہ کرنے والے اور ہار نہ ماننے والے اور خاص کر صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین سے انتہا درجے کی محبت کرتے ان کا ذکر کیا کرتے اور اکثر اوقات ان کو یاد کیا کرتے اور ان کی بہت سی تصانیف بھی ہیں اور حضرت مولانا کے خطوط کو بھی جمع کیا تھا اور ترتیب دیا تھا۔

سابق ناظر عام اور نائب ناظم تھے اس کے باوجود کبھی ندوہ سے تنخواہ نہیں لی، ان کے انتقال سے ندوہ میں ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں رنج الم کی لہر چھا گئی۔

اللہ ماموں صاحب کے درجات بلند کرے اور علیین میں ان کا شمار کرے۔

OOO

نام کتاب
والدہ ماجدہ کی یادیں
مرتب: مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی

ماں جیسی عظیم نعمت پر انیسویں صدی کے عظیم لوگوں کے مضامین کا ایک اہم مجموعہ کمپوزنگ اور بہترین طباعت کے پہلا ایڈیشن حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم کے مقدمہ کے ساتھ پیش خدمت ہے کتاب حاصل کرنے کے لئے مکتبہ اسلام امین آباد گوئن روڈ لکھنؤ انڈیا سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

ناشر: مکتبہ اسلام امین آباد گوئن روڈ، لکھنؤ

MAKTABA-E-ISLAM
177/41, Rauf Market, Guryme Road, Lucknow - 226018 (U.P.) INDIA
: 9415912042, 9453949221
: maktabaeislam@gmail.com

ابوالحسن علی فاروقی ابن مولانا عبدالباری فاروقی
منتظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنیؒ ایک ہمہ جہت شخصیت

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی علیہ الرحمہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، اپنے کردار وگفتار، اعلی ظرفی اور اخلاق کی خوبیوں کی بنیاد پر وہ ہر دل عزیز تھے، ان کی پوری زندگی اخلاص وتوکل کا نمونہ بنی رہی، ان نیک نیتی، انصاف پسندی اور علم دوستی کی گواہی ہر واقف کار دیتا ہے، اخلاق کی عمدگی اور قول سدید کی پیروی ان کی نمایاں صفات تھیں، انتظام وانصرام اور بڑوں کا احترام ان کا خاص وصف تھا، مولانا مرحوم راقم السطور کی نانی کے حقیقی بھائی تھے، ہم لوگ ان کو ''اباجی'' کہتے تھے:

اباجی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی علیہ الرحمہ کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ بنایا، اور انہیں کے نشان قدم کو رہنمائے منزل تصور کیا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سرپرستی نہ صرف سلوک واحسان کی منازل طے کیں بلکہ ان کے محبوب، چہیتے اور معتمد رہے، تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب عملی میدان میں قدم رکھا، تو ان کی بہترین صلاحیتیں سامنے آئیں اور ان کی ہمہ جہت شخصیت سے لوگ حیران رہ گئے، انھوں نے سیاست سے لے کر تجارت تک ہر میدان میں اپنے مثالی نقوش چھوڑے، اللہ تعالی کا ان پر بڑا فضل تھا کہ تواضع وانکساری کے ساتھ ساتھ حکمت اور ہوشمندی عطا فرمائی، وہ خاندان کا ایک اہم ستون تھے جن پر بڑوں کو اعتماد تھا اور چھوٹوں کو ناز، آخر عمر تک وہ دینی اداروں کی خدمت میں منہمک رہے اور جب دنیا سے رخصتی کا وقت آیا تو ایک لمبی داستاں چھوڑ گئے۔

تعلیم کی تکمیل دارالعلوم ندوۃ العلماء سے کی، علم حدیث ان کا خاص موضوع تھا جس سے ان کو بہت مناسبت تھی، اس میں تخصص فرمایا، سنت نبوی کا دامن مضبوطی سے تھامے رہے، بہترین مواقع کے باوجود ذریعہ معاش ایسا منتخب کیا، جو سنت کے عین مطابق تھا، لہٰذا اپنے والد مرحوم کے قائم کردہ ادارہ ''مکتبہ اسلام'' اور ان کے جاری کردہ ماہنامہ ''رضوان'' کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا، اور تادم آخر اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دیتے رہے۔

مولانا مرحوم دین وملت کے ایک بڑے اور بے لوث خادم تھے، نام ونمود سے کوسوں دور خالص اللہ کے لئے کام کرنے کا جذبہ ان کے دل میں موج زن تھا، نوجوانی میں ''مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ میموریل ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی'' کے نام سے ایک اہم دینی، ملی اور تعلیمی ادارہ قائم کیا، جس کے تحت دین وملت کی خدمت اور تعلیمی میدان میں بڑے پیمانے پر کام ہوا، مدارس قائم ہوئے جامعات کی بنیاد رکھی گئیں، اسکول کا قیام عمل میں آیا، طلبہ وطالبات کے لئے دینی تعلیم کا عمدہ سے عمدہ نظم کیا گیا، جو آج بھی جاری ہے اور ہزاروں افراد اس سے فیضیاب ہو چکے ہیں۔

مولانا موصوف اپنی انہیں سرگرمیوں کی وجہ سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی حیات میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس انتظامی کے رکن منتخب ہوئے، اور چند سالوں میں اپنی صلاحیت وصالحیت کی بنیاد پر ادارہ کے ناظر عام مقرر کردئے گئے، مولانا کے دور میں ندوۃ العلماء نے ہر لحاظ سے ترقی کی خصوصیت کے ساتھ تعمیراتی کاموں میں غیر معمولی تبدیلی واقع ہوئی، جدید تعمیرات کے ساتھ ساتھ قدیم عمارتوں کی تجدید کا کام بھی جاری رہا، خاص طور پر مسجد کی جدید تعمیر قابل ذکر ہے، باوجود یہ کہ اہم ذمہ دار حضرات فی الحال مسجد کی توسیع کو مؤخر کرنا مناسب سمجھتے تھے، لیکن مولانا کا اصرار رہا

اور انھوں نے اپنے طور پر کوشش کر کے اس اہم کام کو بخوبی انجام دیا، مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے ایماء پر انھوں نے ندوۃ العلماء میں بطور نائب ناظم بھی خدمات انجام دیں اور حضرت مولانا کے معاون بن کر ان کے بوجھ کو ہلکا کیا۔

مولانا حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ جہاں سیاسی و انتظامی میدان کے شہسوار تھے وہیں علم و ادب کی دنیا میں بھی ان کی بادشاہت تھی، ان کا تخصص اگرچہ علم حدیث میں تھا مگر تاریخ و ادب میں بھی اعلی ذوق رکھتے تھے، دعوتی زندگی کا آغاز تقریر و خطابت سے کیا لیکن قلم کی جولانی نے بھی ایسے نقوش چھوڑے جو تاریخ کا حصہ بن گئے، آپ کی تحریریں انتہائی فکر انگیز اور ماہنامہ ''رضوان'' کے لئے لکھے گئے اداریے قابل عمل ہوتے تھے، ان کا تحریری اسلوب سادہ اور زبان عام فہم تھی، صاف بات لکھنے اور کہنے کے عادی تھے، ہمیشہ دعوت دین اور دفاع دین کا جذبہ پیش نظر رہتا تھا۔

ابا جی مرحوم اسلامی محاسن و اوصاف کے مالک تھے، دینی حمیت اور غیرت مندی ان کی فطرت میں تھی، چھوٹوں کے ساتھ اس درجہ شفیق تھے کہ کوئی بھی ان سے بلا تکلف بات کرسکتا تھا، راقم السطور کے ساتھ بھی بڑی محبت کا معاملہ فرماتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سلسلہ میں طبیعت بڑی حساس تھی، اور اسی موقف کے معتقد اور مبلغ تھے جو ایک صاحب نظر محدث اور متخصص فی الحدیث کو ہونا چاہئے، آخری چند برس تو ایسے گزرے گویا اس آیت قرآنی کا عملی نمونہ تھے۔ "**وأوذوا في سبيلي وقتلوا وقتلو لأكفرن عنهم سيئاتهم ولأدخلنهم جنٰت تجري من تحتها الأنهار ثواباً من عند اللّٰه**" (سورہ آل عمران-۱۹۵) ترجمہ: اور جو میری راہ میں ستائے گئے اور میرے لئے لڑے اور مارے گئے ان کے سب قصور میں معاف کردوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ ان کی جزاء ہے اللہ کے ہاں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع میں مخالفین کے حملوں سے بالکل نہیں گھبرائے، ان کو سرعام گالیاں دی گئیں، برا بھلا کہا گیا لیکن عظمت صحابہؓ کی خاطر ان تمام تیز و تند باتوں کو برداشت کرتے رہے، بلکہ صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ کی محبت میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا، آخری مہینہ تو ایسا گزرا کہ ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں رہے، اس موقع پر بھی ہمیشہ یہ فکر دامنگیر تھی کہ جن صحابہؓ پر طعن و تشنیع کے تیر برسائے جارہے ہیں ان کا بھرپور دفاع کیا جائے، جب بھی کوئی عیادت کے لئے حاضر ہوتا، اس سے اس سلسلہ میں ضرور گفتگو فرماتے، خود مجھ سے بے شمار مرتبہ دردِ دل کا اظہار فرمایا اور یہ بات کہی کہ آج کل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سلسلہ میں جو غلط نظریات پیش کیے جارہے ہیں، وہ انتہائی مضر ہیں اور ان کی نحوست سے ایمان و اسلام کے سلب ہونے کا قوی اندیشہ ہے، میں نے ایک موقع پر ابا (جد محترم حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب دامت برکاتہم) کی کتاب ''سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور معاندین کے اعتراضات'' کا ٹائٹل دکھایا تو بہت خوش ہوئے، چہرے پر بشاشت کے آثار نمایاں تھے، بڑے اشتیاق سے پوچھا کہ یہ کتاب کب منظر عام پر آئے گی؟ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

مولانا نے اپنی پوری زندگی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گزاری، اللہ تعالی نے وفات بھی بہت قابل رشک عطا فرمائی، رمضان المبارک کا آخری عشرہ، عصر و مغرب کے درمیان کا وقت، پیٹ کا مرض، طبیعت اچانک سے بگڑی، محمد میاں حسنی ابن مولانا عبداللہ حسنی ندوی علیہ الرحمہ اور راقم السطور پہلے دعاؤں پھر سورہ یٰسین کی تلاوت میں مصروف ہوگئے، دیگر حضرات بھی دعاؤں میں منہمک رہے، اسی دوران روح جسم سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالی مغفرت فرمائے، درجات بلند کرے اور جنۃ الفردوس میں اعلی سے اعلی مقام عطا فرمائے۔ آمین

من المؤمنين رجال صدقوا ما عهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا۔ (سورہ احزاب - ۲۳)

○○○

محمد بن یوسف ندوی - کنیڈا

خانوادۂ علم اللہی اور دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ حادثہ تو بڑا حادثہ ہے ہی خانوادہ علم اللہی حسنی کے لئے لیکن دار العلوم ندوۃ العلماء کے حق میں بھی اس کا نقصان کوئی کم نہیں ۔ پچھلے آٹھ نو سال میں خانوادۂ علم اللہی حسنی کی تین ایسی عظیم شخصیات اللہ کو پیاری ہوگئیں اور دار العلوم ندوۃ العلماء نے اپنے تین ایسے مخلص فرزندان کھوئے جن پر ہمہ وقت دار العلوم کی فکر سوار رہتی تھی اور امت کے حالات سے وہ کڑھتے رہتے تھے۔ یہ تینوں حضرات یعنی حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی رح، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی رحمۃ اللہ اور حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ، نہ انہیں دنیا سے کسی قسم کا کوئی لگاؤ رہا، نہ مال کی انہیں کبھی کوئی فکر رہی اور نہ انہیں کسی کی تعریف یا مذمت کی کبھی کوئی پرواہ رہی۔ اللہ کے واسطے پوری زندگی گزار گئے اور پھر آخر میں بھی اللہ ہی کے نام پر جان بھی دی:

دیدی جان ترے نام پر
نہ سوچا کچھ انجام پر

یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے ندوے کے کاموں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے حق میں ایسے مخلص تھے کہ ندوے سے تنخواہ لینے کے بجائے ندوے کو اپنا سب کچھ دے دیا۔ یہ ایک معمولی بات نہیں بلکہ اس زمانے میں تو شاذ و نادر ہی کوئی ایسا مل پائے گا۔ یہ وہ عظیم خصوصیات ہیں تکیہ کلاں رائے بریلی کے اس مبارک و عظیم خانوادے کی کہ ان کے سامنے نہ مال کی کبھی کوئی اہمیت رہی، نہ دنیا سے کسی قسم کا کوئی لگاؤ رہا اور نہ لوگوں میں نمایاں ہونے کی کبھی کوئی فکر رہی۔ بلکہ ان کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے اور آج کے مشاہدات سے بھی اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ وہ صرف اللہ کے واسطے کام کرتے رہے اور انتہائی سادگی واخفائے حال کے ساتھ دنیا سے کوچ فرما گئے۔

اخلاص وللہیت، سادگی واخفائے حال یہ ہمیشہ اس خانوادے کی ایسی عظیم خصوصیات رہیں جن میں ان کا کوئی ثانی دور دور تک نظر نہیں آتا ہے۔ ایسا اخلاص اور ایسا اخفائے حال، اپنی حد تک تو ہمیں زندگی میں کہیں پر نظر نہیں آیا اور پھر خود اس خانوادے کی تاریخ بھی اس پر بار بار ہی گواہ رہی۔

بہر حال اللہ تعالی حضرت مولانا حمزہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں بلا کسی حساب و کتاب کے داخلہ نصیب فرمائیں اور ملأ اعلی کے ساتھ انہیں شامل فرمائیں۔ آمین۔ مزید اللہ تعالی خانوادۂ حسنی کو اور دار العلوم ندوۃ العلماء کو حاسدوں کے حسد سے، نظر رکھنے والوں کی بری نظروں سے، مشرکین کے شرک سے، کافروں کے کفر سے، دشمنوں کی دشمنیوں سے، ظاہری و باطنی تمام فتنوں سے اور ہر طرح کے شر سے محفوظ رکھیں اور ہم سب کے مخدوم و سرپرست حضرت اقدس مولانا سید محمد رابع حسنی مدظلہ العالی کا سایہ امت پر تادیر عافیت و سلامتی کے ساتھ قائم رکھیں۔ آمین یارب العالمین۔

حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ

خطوط بنام مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ

عزیزم الحاج مولوی حمزہ سلمۂ

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ پاک کا شکر ہے بندہ بعافیت ہے امید ہے آپ بھی بعافیت ہوں گے۔ مدت سے نہ آپ کا ہی کوئی خط آیا نہ میں لکھ سکا۔ اس وقت فوری ایک تکلیف دینے کے لئے یہ خط ارسال ہے، تکلیف یہ دینی ہے کہ گھر کے راحت کے، کولر کے، ماحول کو قربان کر کے اللہ کے لئے کچھ وقت چٹائی اور ذاکری کرنے کے ماحول میں گزارنے کے لئے تشریف لا کر یہاں آنے والوں کی ہمت افزائی فرمادیں اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کا اس خانقاہ سے جو قدیم تعلق حضرت نوراللہ مرقدہٗ کے سامنے رہا آج بھی اس تعلق کا تسلسل باقی رہ کر جانبین کو اس کا فائدہ پہنچے، امید ہے آپ کی والدہ محترمہ آپ کو تیار کر کے یہاں روانہ فرمادیں گی۔ بندے کی طرف سے ان کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد دعا کی درخواست کردیں۔

حضرت مولانا علی میاں کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد دعا کی درخواست فرمادیں۔

فقط والسلام

بندہ محمد طلحہ کاندھلوی

بقلم عبدالعزیز ثانی مظاہری

۲۸ر شعبان ۱۳۸۰ھ

○

عزیزم الحاج مولوی حمزہ سلمۂ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ پاک کا شکر ہے بندہ بعافیت ہے۔ امید ہے کہ تم بھی بعافیت ہوگے۔ لکھنؤ سے آنے کے بعد سے اپنے بخیر واپسی کا خط لکھنے کا ارادہ کرتا رہا۔ لیکن نہ لکھ سکا اور تمہارے سے جن کتابوں کے بھیجنے کا وعدہ ہوا تھا ان کا بھی انتظار رہا۔ انتظار ہی انتظار میں پورا جنوری بلکہ آدھا فروری بھی گزر گیا نہ معلوم تم بھول گئے یا میرے آنے کے بعد کتابیں روانہ کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ اس وقت یاددہانی کے لئے یہ مختصر پرچہ عزیز سلمان کے لفافہ میں ارسال ہے۔ اللہ کرے وہ جہانیان جہاں گشت لکھنؤ تشریف فرما ہوں اور تم کو پہنچادیں۔ اس وقت تو ذہن میں نہیں۔ وہ چھوٹی چھوٹی کتابیں جو مولانا کی تقریریں ہیں یا پیام انسانیت کے سلسلے کی دعوتی تقریریں ہیں اور آنکھوں کی سوئیاں وغیرہ اور اس قسم کی اصلاحی تقریریں اور اپنے مکتبہ کی مطبوعات خصوصاً مولانا محمد ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف باب رحمت اس وقت تمہارے یہاں کی یا لکھنؤ کی کوئی فہرست سامنے نہیں جو جو تم مناسب سمجھو بھیج دو اگر مکتبہ فرقان سے آپ کا لین دین ہو تو ان سے جس طرح آپ کا لین دین ہو اس طرح حاصل کر کے بندے کو پچیس تیس سوانح مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی بھی ارسال کردیں۔ اپنی والدہ سے سلام مسنون اللہ کرے تمہارا مکتبہ خوب چل رہا ہو۔

فقط والسلام

بندہ محمد طلحہ کاندھلوی

۱۶ر رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

○

مدرسہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ (برائے حفظ و تجوید قرآن مجید)

(ملحقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

رائے بریلی میں چند برس قبل قرآن مجید کے حفظ اور تجوید کی معیاری تعلیم کے لئے سوسائٹی کے زیر اہتمام اس مدرسہ کا قیام عمل میں آیا تھا، تاکہ قرآن مجید کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنے اور یاد کرنے کے ساتھ ساتھ حفظ قرآن اور تجوید کا ذوق وشوق عام ہو اور ہر مسلمان خاندان میں کم از کم ایک حافظ قرآن تیار ہو جائے۔ یہ مدرسہ جو شہر کی ایک مسجد میں قائم کیا گیا تھا اور وہاں حسب استطاعت خدمت انجام دے رہا تھا لیکن جگہ کی تنگی کی وجہ سے طلباء اور اساتذہ کافی دشواریوں کے شکار تھے۔ الحمد للہ یہ مدرسہ دائرہ شاہ علم اللہ حسنی میں امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مکان میں منتقل کیا گیا، پھر اسی جگہ مدرسہ کے لئے جدید کشادہ عمارت کی تعمیر کی گئی جس میں اب مدرسہ چل رہا ہے۔ اس مدرسہ میں طلباء کے قیام وطعام کے انتظام کے ساتھ ان کی دیگر ضروریات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔

ضروریات مدرسہ

- اساتذہ کے لئے مکانات کی تعمیر
- اساتذہ کی تنخواہیں
- غیر مستطیع طلباء کے لئے وظائف کی فراہمی اور پانی کی ٹنکی کی تعمیر

زیر انتظام

مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی
دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)
موبائل: 7408818781

مولانا بلال عبد الحئی ندوی دامت برکاتہم (ناظم)
مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی (جنرل سکریٹری)
سید محمود اشرف (مہتمم)

Email : sanihasanisociety@gmail.com

تعزیتی خطوط وتاثرات بنام

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم

وتعزیتی نشستیں

شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ قمر الزماں الہ آبادی

مکتوب تعزیت بنام مرشد الامت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم

تعزیت

مشفقی المکرم سیدی المحترم حضرت مولانا محمد رابع صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجی العزیز مولانا سید حمزہ حسنی ندوی کی وفات سے ہم سب غمگین ہیں بلکہ اس اندوہناک خبر سے ہمارے بچوں پر گریہ طاری ہوگیا۔ اس لئے کہ اس سے قبل حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات اور اس سے قبل عزیز القدر مولانا سید محمد عبداللہ صاحب حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے دل حزن وغم سے حزین ہو چکا تھا۔ یہ سوچ کر کہ آنحضرت کے دل کو کس قدر درد والم ہوا ہوگا، دل بہت ہی متألم ومتأثر ہوا اور ہے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جملہ وفات یافتہ حضرات کو جنت الفردوس میں مقام عالی سے نوازے، اور آپ کو، جملہ رشتہ داروں اور متعلقین کو صبر وسکون کی دولت سے نواز کر اجر جزیل سے مشرف فرمائے۔ آمین

اس سے زیادہ میں کیا لکھوں اور لکھ بھی نہیں سکتا، ہاں مجھے اس موقع پر معاً حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ کا تعزیت نامہ یاد آیا جو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کو لکھا تھا، جب کہ ان کی دو صاحبزادیوں کی سترہ دن کے اندر وفات ہوئی تھی۔ میں سمجھتا ہوں چونکہ یہ مضمون آنجناب کے حال رفیع کے عین مطابق ہے اس لئے اس کو نقل کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے: ”آپؐ کے ابتلائے عظیم کا حال آپ کے ایک مسترشد کے خط سے ابھی علم میں آیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اللہ آپ کے مرتبہ کو زیادہ سے زیادہ بلند کرے، یہ سب سامان اسی کا ہو رہا ہے، ایک ہی لخت جگر کی وفات کیا کم تھی چہ جائے کہ دو دو کی اور وہ بھی دو ہفتہ کے اندر، اس سے بڑا اور کڑوا امتحان کیا ہوگا، لیکن درحقیقت آپ قابل مبارکباد ہیں، آپ کا ظرف اتنا بلند سمجھا گیا جبھی تو امتحان اتنا سخت لیا گیا۔

کوئی لقمان کو حکمت کیا پڑھائے گا، آپ خود ہی دوسروں کو تلقین کرتے ہیں دوسرا آپ کو صبر کی تلقین کیا کرے گا، ہاں آپ کی مثال اور آپ کا نمونہ دیکھ کر کم ہمتوں کو بھی ہمت کسی درجہ میں بندھ جائے گی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو لطف بیکراں سے نوازے، صاحبزادیوں کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔“

عزیزم مولوی محبوب احمد ندوی و مولوی محمد عبداللہ قاسمی و مولوی محمد عبداللہ ندوی سلمہم خدمت اقدس میں سلام عرض کرتے ہیں اور شریک غم ہیں۔

والسلام

تعزیتی خطوط وتأثرات بنام

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم

حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ کی وفات ملت اسلامیہ کے لئے بڑا خسارہ: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

خانوادۂ حسنی کے ایک نمایاں فرد حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کی وفات یقیناً ملت اسلامیہ کا بڑا نقصان ہے، وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے خصوصی تربیت یافتہ اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے بڑے ہی معتمد تھے، اللہ نے ان کو متنوع صلاحیتوں سے نوازا تھا، ان کا سب سے بڑا وصف انتظامی معاملات کا گہرا شعور، ملنساری، مختلف المزاج لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے کی صلاحیت، نوجوانوں کی حوصلہ افزائی اور انتظام و انصرام میں خوش سلیقگی تھا، ان کے زیر انتظام ندوہ کی مسجد کی توسیع اور رواق ابوالحسن کی خوبصورت تعمیر انجام پائی، جس نے ندوہ کے احاطہ کی خوبصورتی میں اضافہ بھی کیا ہے اور جگہ میں وسعت بھی پیدا کی ہے، انہوں نے ندوہ کے مشرف عام اور پھر نائب ناظم کی حیثیت سے خاموشی کے ساتھ بڑی اہم خدمات انجام دی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند کرے، ندوۃ العلماء کو ان کا بدل عطا فرمائے، مخدوم گرامی رہبر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کو اس غم کو برداشت کرنے کی طاقت دے، اور اُمت پر تادیر آپ کا سایہ قائم رکھے۔

○

قاضی مشتاق صاحب

قاضی بھوپال کا پیغام

نائب ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی رحلت

بھوپال میں بھی علماء رنجیدہ اور سوگوار، مغفرت کے لئے کی دعا۔ کہا۔ عالم اسلام کے لئے ایک عظیم ترین سانحہ

بھوپال: کورونا بحران نے ملک عزیز ہندوستان میں متعدد دینی وعلمی شخصیات داغ مفارقت دے رہی ہے اور ہر دن کسی نہ کسی شخصیت کی رحلت کی خبریں موصول ہورہی ہیں اسی درمیان ایک اور دلخراش خبر آئی ہے کہ ندوۃ العلماء کے نائب ناظم اور معتبر عالم دین مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی آج شام اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ ان کی رحلت کی خبر عام ہوتے ہی دینی وعلمی حلقوں میں غم کی لہر دوڑ گئی ہے۔ علماء اسلام نے مولانا حسنی کی رحلت کو عالم اسلام کے لئے ایک عظیم ترین سانحہ قرار دیا ہے مدھیہ پردیش کی راجدھانی بھوپال میں بھی مولانا حمزہ حسنی کے انتقال کی خبر سے علماء سوگوار ہیں۔ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ 15 دسمبر 1950ء میں پیدا ہوئے۔ معہد دارالعلوم، ندوۃ العلماء میں ابتدائی تعلیم اور پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ثانوی و عالی تعلیم کے بعد حدیث شریف میں تخصیص بھی کیا۔ ان کے والد مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی رحمۃ اللہ عالم اسلام کی مشہور علمی و روحانی شخصیت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھانجہ اور والدہ مرحوم ان کی بھتیجی ہیں۔ اس طرح ان کو شروع ہی سے مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی شفقت وتوجہ حاصل ہوئی۔ ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے رکن منتخب ہوئے، اور 1999ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لئے ان کی خدمات حاصل کی گئیں، اور

2000ء میں امین العام (ناظر عام) ندوۃ العلماء مقرر کئے گئے، اور پھر مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد اس کے ترجمان "تعمیر حیات" کے نگراں مقرر کئے گئے اور ہنوز تھے۔ مولانا خواتین کے رسالہ ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ کے بھی چالیس سال سے زائد عرصہ سے مدیر اعلیٰ تھے، اور مختلف اداروں کے ذمہ دار اور سرپرست بھی تھے۔ رائے بریلی مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی سوسائٹی کے نام سے ایک رفاہی تعلیمی ادارہ قائم کیا جس کے تحت لڑکیوں کی تعلیم کا بڑا ادارہ "جامعہ ام المومنین عائشہ للبنات" قائم ہے۔ مارچ 2018ء میں مجلس انتظامیہ نے بالاتفاق نائب ناظم منتخب کیا، اسی طرح مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ کے اسسٹنٹ سکریٹری بھی مقرر ہوئے۔ حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ عالم اسلام کی معروف علمی و روحانی شخصیت، ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، مرشد الامت، شیخ محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے بھتیجے اور بڑے داماد بھی تھے۔ ان کی تعلیمی، ملی، سماجی اور رفاہی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ انتہائی افسوسناک و اندوہناک خبر یہ ہے کہ حضرت مولانا حمزہ حسنی صاحب کا آج 24 رمضان المبارک 1442ھ مطابق 7 مئی 2021ء، بوقت شام 6 بجے انتقال ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بھوپال شہر قاضی مولانا سید مشتاق علی ندوی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی رحلت عالم اسلام کے لئے ایک عظیم ترین سانحہ ہے۔ مولانا مشتاق علی ندوی نے مرحوم مولانا سید محمد حمزہ حسنی کے ساتھ اپنے دیرینہ مراسم کے حوالے سے کہا کہ ہم نے ایک بڑے عالم اور منتظم کو کھودیا انہوں نے دارالعلوم میں انتہائی دیانتداری اور ایمانداری سے اپنے فرائض کو انجام دیا اللہ تعالیٰ ان کا نعم البدل عطا کرے۔ وہیں نائب شہر قاضی مولانا سید محمد بابر حسین ندوی اور ڈاکٹر کلیم الرحمٰن ندوی نے بھی مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کے سانحہ ارتحال پر دلی رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی بال بال مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے، جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، اور ہم سب پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

○

سلیم الرحمٰن خان ندوی

ٹوکیو۔ جاپان،
27 رمضان المبارک 1442ھ
(9 مئی 2021ء)

محترم و مکرم حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کئی دنوں سے سننے میں آرہا تھا کہ جناب محترم مولانا حمزہ حسنی ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء کی طبیعت ناساز ہے، برابر چھوٹے بھائی عزیزم ڈاکٹر کلیم الرحمٰن خاں ندوی سے پوچھتا رہتا تھا، چند دن قبل انہوں نے خبر دی کہ الحمدللہ اب طبیعت بہتر ہے۔

25 رمضان المبارک 1442ھ (7 مئی 2021ء) چھوٹے بھائی ڈاکٹر کلیم الرحمٰن خان ندوی محترم و مکرم حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء، سے گفتگو کی سعادت ٹیلیفون پر حاصل کر رہے تھے، خاکسار بھی سننے میں شریک تھا، کلیم میاں حضرت سے اور مہمان خانہ میں مصباح صاحب سے عرض کر رہے تھے کہ سنا ہے کہ جناب محترم مولانا حمزہ حسنی ندوی صاحب کو کمزوری ہے اور کلیم میاں نے کئی وٹامن کے نام لئے کہ فلاں وٹامن دیں اور فلاں وٹامن دیں (کیونکہ کلیم میاں میڈیکل اسٹور چلاتے ہیں تو کافی تجربہ ہے)، گفتگو سن کر محسوس ہوا کہ مولانا حمزہ صاحب کو صرف کمزوری ہے، اللہ تعالیٰ مولانا حمزہ صاحب کو جلد از جلد کامل و عاجل صحت عطا فرمائیں گے۔ ابھی تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ خبر آنے لگی کہ جناب محترم مولانا حمزہ حسنی ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء اس دنیا سے کوچ فرما گئے۔

"......اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ

رَاجِعُوْن. (۱۵۶)، (سورۃ البقرۃ:۲، الآیۃ:۱۵۶)

(ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔

مولانا حمزہ حسنی ندوی غفر اللہ لہ کی وفات یقیناً ندوۃ العلماء، ندوی حضرات کے لئے بہت بڑا خسارہ ہے، مولانا حمزہ حسنی ندوی غفر اللہ لہ بہت خوبی اور منظم انداز میں ندوۃ العلماء کی خدمت انجام دے رہے تھے، محترم و مکرم حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء کے معاون و مددگار تھے، مجلس انتظامیہ کی ہر سال مکمل رپورٹ بہت ہی خوبصورت، بہتر انداز اور دیدبہ والی آواز میں پیش کرتے تھے، اس کا اندازہ اسی کو ہوسکتا ہے جو ان کی قابلیت سے واقف ہو۔ مولانا حمزہ حسنی ندوی غفر اللہ لہ ندوۃ العلماء کے انتظامی امور بہت خاموشی بغیر کسی شہرت اور نام کے انجام دیتے تھے، ہر سال مجلس انتظامیہ کے جلسہ میں شرف ملاقات ہوتی تھی، آپ کی قیام گاہ پر بھی کئی بار ملاقات کا شرف حاصل رہا، ایک بار عرض کرنے لگے کہ سنا ہے کہ آپ کے بڑے بھائی مولانا قاری محمد رئیس خان صاحب ندوی دبئی سے واپس آگئے ہیں، اگلے سال بڑے بھائی محمد رئیس خاں ندوی صاحب کو ساتھ لے کر حاضر ہوا، دونوں کی ملاقات اور طویل گفتگو ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے مولانا حمزہ حسنی ندوی غفر اللہ لہ کو نفوس مطمئنہ میں شامل فرما، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً. فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ، وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ.

(سورۃ الفجر 89، آیات 27-30)

(اے اطمینان والی روح۔ تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش۔ پس میرے خاص بندوں میں داخل ہوجا۔ اور میری جنت میں چلی جا)۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولانا حمزہ حسنی ندوی غفر اللہ لہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرما، ان کی قبر کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنادے، ان کے تمام نیک اعمال کو قبول فرما، ان کی لغزشوں کو معاف فرما، ان کے تمام رشتہ داروں اور تعلق والوں اور خاص طور سے محترم و مکرم حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء کو صبر جمیل عطا فرما، ندوۃ العلماء کو نعم البدل عطا فرما۔ آمین

○

ڈاکٹر محمد منظور عالم

چیئرمین

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹیڈیز نئی دہلی

گرامی مرتبت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مختلف ذرائع سے یہ افسوس ناک اطلاع ملی کہ برادر محترم مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آں موصوف نے جیسا قابلِ رشک خاتمہ پایا، اُس سے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ بڑے فضل وکرم کا معاملہ فرمائے گا۔

1999ء میں ہم سب سے محترم و مخدوم حضرت مولانا علی میاں ندوی کی وفات کے بعد جب آپ کے اوپر ذمے داریوں کا بوجھ بڑھا، اُسی وقت سے مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی آپ کے دست وبازو بنے رہے اور اپنے والدِ گرامی کی طرح بہت خاموشی اور بے ریائی کے ساتھ دین کی بڑی خدمات انجام دیتے رہے۔

عمر کے اس مرحلے میں آپ کے لئے اپنے عزیز بھتیجے اور داماد کا غم برداشت کرنا یقیناً بہت سخت مرحلہ ہوگا، لیکن آں محترم کی ذات گرامی سے ہم لوگ اور پوری ملت ہمیشہ صبر و استقلال کا درس لیتی رہی ہے۔ یقین ہے کہ اس نازک مرحلے میں بھی آپ کی ذات ہمارے لئے صبر وثبات کا عظیم نمونہ ثابت ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا حمزہ حسنی کو اپنے فضل و کرم سے نوازے، جنت الفردوس کو اُن کا مسکن بنائے، پسماندگان کو

صبر جمیل کی دولت عطا فرمائے اور اُن کے صاحبزادگان عزیزان سید رشید حسنی اور سید سعید حسنی کو اپنے والد کے راستے پر چل کر اُن کے کاموں کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

شرق و غرب میں پھیلی ہوئی پوری ندوی برادری برادران محترم مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی، مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی اور مولانا سید محمود حسنی ندوی کی خدمت میں بھی تعزیت مسنونہ پیش ہے۔

○

مولانا سراج الدین ندوی

(مدیر اچھا ساتھی بجنور)

مخدومی و مربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کرے مزاج گرامی بخیر ہوں۔

کل یہ دکھ بھری خبر سن کر بے حد رنج و غم ہوا کہ محترمی مولانا سید محمد حمزہ حسنی علیہ الرحمۃ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اللہ سے دعا ہے کہ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور آپ تمام حضرات کو صبر جمیل اور اس پر اجر جزیل عطا فرمائے۔

پہلے محترم مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی علیہ الرحمہ کا جانکاہ حادثۂ وفات، پھر مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی علیہ الرحمہ کا سانحہ ارتحال اور اب مولانا موصوف کا انتقال پر ملال، پے در پے کئی صبر آزما صدموں سے دوچارگی اس پیرانہ سالی اور متعدد مصروفیات کے بوجھ کے دوران آنجناب کے لئے بڑی آزمائش ہے۔ اس دکھ بھری گھڑی میں ملت اکیڈمی اور اس کے کارکنان آپ کے رنج میں نہ صرف شریک و سہیم ہیں بلکہ آپ کے ہر حکم، ہر ہدایت اور ہر خدمت کے لئے ہمہ وقت حاضر ہیں۔

اللہ آپ کو صبر جمیل کے ساتھ اجر عظیم فرمائے اور آپ کا سایہ عافیت تادیر نہ صرف پوری ملت بلکہ تمام انسانیت پر قائم و دائم رکھے۔ آمین

میں نے مرحوم پر اخبارات و رسائل کے لئے ایک مختصر مضمون لکھا ہے جو اس خط کے ہمراہ منسلک ہے۔

○

اصغر علی امام مہدی سلفی

امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

گرامی قدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب حفظہ اللہ ومدظلہ العالی

ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ جامع اہل وعیال بخیر و عافیت ہوں گے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نائب ناظم اور آں محترم کے برادر زادے اور داماد مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی صاحب کے سانحہ ارتحال کی خبر سے دلی صدمہ پہنچا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ بڑے خلیق و ملنسار، سادگی پسند، خاندانی وجاہت و روایت کے پاسدار، علماء نواز اور طلبۃ العلم سے شفقت و محبت کرنے والے مربی و معلم تھے۔ مولانا کے انتقال سے آپ کو دلی صدمہ ہونا طبعی ہے کیونکہ وہ دارالعلوم کے اہم ذمہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ عزیز ترین بھی تھے۔ ان کے یوں چلے جانے سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کو غیر معمولی خسارہ ہوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ بڑے کارساز ہیں، وہ دارالعلوم کو اور آپ سب کو بہترین صلہ عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے، خدمات کو قبول کرے، جنت الفردوس کا مکین بنائے۔ آپ پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل و اجر جزیل عطا کرے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

ان کے اہل خانہ اور دارالعلوم کے دیگر ذمہ دار و متعلقین کو ہماری طرف سے قلبی تعزیت پیش ہے۔

○

عزیز احمد قاسمی

ناظم عمومی مرکزی جمعیۃ علماء ہند
سابق استاذ دارالعلوم دیوبند

ذوالمجد والکرم، سراپا شفقت حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی صاحب/ الہمکم اللہ الصبر والسلوان
ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر مسلم پرسنل لا بورڈ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی جن کو آج دل پر پتھر رکھ کر رحمۃ اللہ علیہ کہا جارہا ہے، ان کے انتقال کی جانکاہ، دلدوز، نہایت تکلیف دہ خبر سنی، جس کا دلی غم اور صدمہ ہے، لیکن قدرت خداوندی کے سامنے انسان بے بس ہے، اور اگر کسی کو دوام ہوتا تو سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوتا، لیکن ان کو بھی یہی کہا گیا کہ **"انك ميت وانهم ميتون"** یہ حادثہ شخصی طور پر حضرت والا کے لئے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لئے، اور پوری امت مسلمہ کے لئے بہت بڑا حادثہ ہے، اللہ تعالی مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب فرمائے، حضرت والا، اور پورے حسنی خاندان، فضلائے دارالعلوم ندوۃ العلماء اور پوری امت مسلمہ کو صبر وسلوان کی توفیق نصیب فرمائے، آمین، **انا لله و انا اليه راجعون.**

اللهم اغفر له، وارحمه، واعف عنه، أكرم نزله، ووسع مدخله، وأغسله بالماء والثلج والبرد، ونقه من الذنوب والخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس، اللهم جازه بالحسنات إحسانا، والسيئات عفوا و غفرانا، اللهم اسكنه فسيح جناتك، والهم اهله وذوية وتلاميذه ومحبيه الصبر والسلوان يا رب العالمين.

آپ کی صحت کے تعلق سے برابر فکر لاحق رہتی ہے، اللہ تعالی حضرت والا کا سایہ امن و عافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر تادیر قائم ودائم رکھے، آمین

○

ریاست علی قاسمی عفا اللہ عنہ

مفتی واستاد حدیث
جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرشد الامت حضرت اقدس مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رب ذوالجلال آپ کے سایۂ عاطفت کو تادیر امت مسلمہ کے سروں پر قائم اور باقی رکھے (آمین)

بعد آداب وتسلیمات عرض یہ ہے کہ گذشتہ چند روز قبل ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نائب ناظم حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پرملال کی روح فرسا خبر موصول ہوئی جو قلب پر صاعقہ بن کر ظاہر ہوئی اور بہت ہی زیادہ تکلیف و اذیت کا باعث ہوئی۔ ملت اسلامیہ کی کارآمد ومفید شخصیات کی رحلت کا جو سلسلہ گذشتہ ایک سال سے جاری ہے، موصوف کی رحلت سے اس سلسلے میں مزید اضافہ ہوا، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ باری تعالی موصوف کی بال بال مغفرت فرماکر اعلیٰ علیین میں مقام رفیع عطا فرمائے اور امت مسلمہ اور ندوۃ العلماء کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آپ کی ذات سے خیر کے جو سلاسل مربوط تھے، رب ذوالجلال اُن کو مزید افادیت کے ساتھ جاری وساری فرمائے۔ (آمین) احقر راقم السطور تمام ہی پسماندگان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے اور جملہ پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ اس دور قحط الرجال میں موصوف کی رحلت ملت اسلامیہ کا ناقابل تلافی خسارہ ہے۔ باری تعالی اس عظیم ملی خسارہ کی تلافی فرمائے۔ (آمین)

باقی تمام حالات لائق شکر ہیں۔ تمام ہی حاضرین مجلس اور متعلقین کی خدمت میں حسب مراتب سہولت سلام عرض ہے اور دعوات صالح کی درخواست ہے۔ آپ

بھی میرے اور میرے اہل خانہ کے حق میں صلاح و فلاح دارین اور استقامت فی الدین کی دعا فرماتے رہا کریں، بندہ بھی آپ کی درازی عمر اور صحت و عافیت اور دینی خدمات کے دوام کے لئے برابر دعا گو رہتا ہے۔

○

شمیم احمد ندوی

امین عام جامعہ سراج العلوم السلفیہ
جھنڈا نگر، نیپال

گرامی قدر، حضرت العلام، استاذ محترم جناب مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی حفظکم اللہ ورعاکم
ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ہند
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک انتہائی المناک واندوہناک خبر سے دل وجگر پر صدمات کا ہجوم ہے کہ ندوۃ العلماء کے نائب ناظم اور آپ کے بھتیجے و داماد جناب مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ندوۃ العلماء کے پورے کنبہ اور خانوادۂ حسنی کو سوگوار چھوڑ کر داغ مفارقت دے گئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے لئے یہ صدمہ بطور خاص یقینی طور پر نا قابل برداشت اور انتہائی تکلیف دہ و اذیت ناک ہوگا کیونکہ وہ آپ کے ہر دلعزیز بھتیجے اور داماد ہونے کے ساتھ ساتھ ندوہ کے انتظامی معاملات میں آپ کے معاون ورفیق دوست راست تھے ان کی وفات قحط الرجال کے اس دور میں ایک نا قابل تلافی نقصان اور پوری ندوی برادری کے لئے ایک نا قابل فراموش سانحہ ہے۔

زمانہ طالب علمی سے ہی میری ان سے واقفیت وشناسائی تھی، میں نے ان کو عاجزی و انکساری، سادگی و بردباری اور قناعت وتوکل کا پیکر اور رضائے الٰہی کا خوگر پایا، ان کا مزاج دینی تھا اور اس پر خاندانی اثرات نمایاں تھے کیونکہ آپ جیسے مربیان کے ہاتھوں ان کی تربیت ہوئی تھی اور خاندان کے بزرگوں اور اسلاف نے ان کو تراش کر ہیرا بنایا تھا، مرحوم انتہائی خلیق وملنسار اور سب کے معاون وغمگسار ہونے کے ساتھ انتہائی مہمان نواز وخوش اخلاق تھے۔ وہ بطور خاص اپنے بزرگوں اور علماء دین کا بہت احترام کرتے تھے اور اپنی دل آزاری کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔

اللہ سے دعا ہے کہ ان کی نیکیوں و حسنات اور گوناگوں دینی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور رمضان المبارک میں ہونے والی ان کی وفات کو ان کے لئے رحمت ومغفرت اور ترقی درجات کا ذریعہ بنائے، ان کی بشری کوتاہیوں اور خطاؤں و لغزشوں کو درگذر فرمائے، ساتھ ہی آپ اور آپ کے پورے خانوادہ کو ان کی وفات سے جو صدمہ پہنچا ہے اس پر آپ سب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور مادر علمی ''ندوۃ العلماء'' کو ان کا نعم البدل عطا فرماتے ہوئے ان کی وفات سے ہونے والے خلا کو پُر فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔ **و ما ذلك على الله بعزيز.**

آپ کا ایک ادنیٰ شاگرد

○

(مولانا) محمد اسلم جاوید القاسمی

ناظم مدرسہ فیض العلوم تھانہ بھون و
صدر جمعیت علماء ہند، ضلع رامپور (یوپی)

منبع العلوم والفیوض مرجع الکمالات والخلوص حضرت اقدس مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب
ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدمت عالیہ میں عرض ہے کہ ماضی قریب میں ندوۃ العلماء کے کئی جلیل القدر، علم وعمل کے تابندہ ستارے اخلاص و وقار کے آفتاب و ماہتاب جنہوں نے رشد و ہدایت کے چشمے جاری کئے علوم القرآن والحدیث کے دریا بہائے، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو عام کیا، بدعات ورسومات کا قلع قمع کیا اور امت مسلمہ کی صحیح معتدل رہنمائی فرمائی۔

خاص طور سے مفکر قوم وملت حضرت مولانا حمزہ ندوی صاحب اور پیکر خلوص ووفا مولانا نذر الحفیظ صاحب یہ حضرات اردو عربی کے بہترین ادیب تھے۔ فکر ونظر و

ہوشمندی کے مالک تھے۔

یہ حضرات گوشہ نشینی ہونے کے بعد بھی پورے عالم پر عقابی نظر رکھتے تھے اہل عرب کو عربی مضامین کے ذریعہ آنے والے فتنوں سے آگاہ فرماتے تھے اور ہم جیسے عجمیوں کی اردو مضامین کے ذریعہ چشم کشائی فرماتے تھے۔ بہت سارے اوصاف حمیدہ و خصائل جلیلہ ان حضرات کے رگ و ریشہ میں سمائے ہوئے تھے۔ یہ حضرات ہم میں موجود نہیں لیکن ان کا تقویٰ خلوص وللہیت ایثار وقربانی خوش اخلاقی اعلیٰ ظرفی دین کے لئے مرمٹنے کا جذبہ ہمیشہ یاد کیا جائے گا اور ہم سب کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا۔

باری تعالیٰ ان حضرات کی محنتوں کاوشوں کو قبول فرمائے اور بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

پسماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

○

بخدمت حضرت مولانا رابع حسنی ندوی

السلام علیکم

تقریباً دو سال سے زائد ہوگئے بالمشافہ آپ سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ اس کا افسوس ہے۔

اس بیچ حمزہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ رحلت فرما گئے۔ اللہ ان کو بال بال مغفرت فرمائے اور مقام اعلیٰ علیین میں جگہ مرحمت فرمائے۔ آمین

ان کی جگہ بلال حسنی کو مقرر کیا گیا ہے۔ اللہ پاک ان سے ندوہ کی بھرپور خدمت لے۔ اللہ پاک سے دعا ہے پروردگار ندوہ کی حفاظت کرے۔ آپ حضرت کی صحت کے لئے دعا گو ہوں۔ سب لوگوں کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ ناچیز کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

انشاء اللہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔

○

تعزیتی نشستیں

مولانا فیروز خان ندوی نے کہا مولانا حمزہ حسنی ندوی جن کو اب رحمۃ اللہ علیہ کہنا پڑرہا ہے کا سانحہ ارتحال ملت اسلامیہ کا بہت بڑا نقصان ہے خاص کر عالمی شہرت یافتہ ادارہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا تو ناقابل تلافی نقصان ہے جس کی تلافی موجودہ حالات میں تو دور دور تک نظر نہیں آتی ان خیالات کا اظہار مولانا مرحوم کی تعزیت میں منعقدہ ایک نشست میں مولانا فیروز خان ندوی نے کیا انہوں نے کہا کہ مولانا مرحوم میں بلا کی انتظامی صلاحیت تھیں وہ انتہائی خاموش طبیعت کے مالک تھے حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ندوہ کے سابق ناظم تعلیمات مولانا عبد اللہ عباس صاحب کی ایماء پر ان کو ناظر عام بنایا گیا تھا حضرت ناظم صاحب مولانا رابع صاحب کے معتمد خاص تھے۔

ندوہ کی فضا ان دنوں ماتم کناں ہیں چند دنوں قبل مولانا رئیس الشاکری ندوی صاحب کا انتقال اور دو دن قبل شعبہ مالیات کے اطہر صاحب اور کل مولانا حمزہ حسنی صاحب کا انتقال اس موقعہ پر لکھنؤ کی معروف کاکوری پریس کے مالک خانوادہ کاکوری کے امتیاز احمد علوی صاحب نے بڑے دکھ اور انتہائی رنج وغم کے ساتھ بتایا کہ ندوہ اور حسنی خاندان سے ہمارا خاندان تعلق ایک صدی پر محیط ہے میں ذاتی طور پر حمزہ بھیا کے انتقال کو اپنی فیملی کا حادثہ تصور کررہا ہوں ہمارا پورا گھرانہ رنج وغم میں ڈوبا ہے خلاف توقع ان کی وفات نے ہم سب کو رنجیدہ و غمگین کردیا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین

○

مولانا حمزہ حسنی ندوی کی خدمات ناقابل فراموش

مولانا محمد علی نعیم رازی نے کہا دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نائب ناظم مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کے سانحہ ارتحال پر اظہار افسوس کرتے ہوئے معروف سماجی کارکن اور عالم دین مولانا محمد

علی نعیم رازی نے پریس کو جاری ایک بیان میں کہا کہ مولانا مرحوم ایک عظیم اور کامیاب منتظم کے طور پر تاریخ ندوہ میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے نیز ان کی خدمات تاریخ ندوہ کا ایک روشن باب ہے مولانا محمد علی نعیم رازی نے کہا کہ حمزہ حسنی صاحب کی شکل میں ہم نے ایک کم سخن، خاموش مزاج مفکرو مدبر اور ایسے مرد قلندر کو کھودیا ہے جو اپنے اندر گوناگوں خوبیوں کو سموئے ہوئے تھا اور ان کی ان خوبیوں سے ملت اسلامیہ عموماً اور ندوہ خصوصاً مستفید ہورہا تھا مولانا رازی نے کہا کہ مرحوم ایک ایسے وقت عصیب میں ہم سب کو چھوڑ گئے ہیں جب کہ آپ کے علم وحلم، تحمل و دانشمندی کی پہلے سے زیادہ ضرورت تھی، مرحوم جہاں ایک طرف بہترین منتظم تھے وہیں ایک کامیاب قلمکار بھی تھے نیز سلوک وتربیت کے بحر بیکراں بھی تھے مولانا محمد علی نعیم رازی نے کہا کہ مرحوم کی ایک عدیم المثال خوبی یہ تھی کہ وہ نہایت خاموشی کے ساتھ بڑے سے بڑے مسائل کا حل تلاش کرلیا کرتے تھے نیز رابطہ عامہ کی خصوصی صلاحیت کے ساتھ افہام وتفہیم کا نایاب ملکہ رکھتے تھے مولانا رازی نے کہا کہ مرحوم کا داغ مفارقت دے جانا مرشد امت حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی کے لئے بہت بڑا حادثہ ہے ہم دعاء گو ہیں کہ خداوند قدوس حضرت مرشد امت کو ہمیشہ کی طرح ہمت وحوصلہ عطاء فرمائے اور مرحوم کی مغفرت کاملہ فرمائے۔ آمین

○

مسلم یوتھ ویلفیئر سوسائٹی لکھنؤ

مسلم یوتھ ویلفیئر سوسائٹی لکھنؤ کے زیر اہتمام ایک تعزیتی جلسے کا انعقاد مولانا ڈاکٹر محمد یوسف ندوی نگرامی کی صدارت میں ہوا جس میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نائب ناظم مولانا حمزہ حسنی ندوی کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔ جلسے میں مولانا حمزہ حسنی ندوی کی رحلت کو ندوۃ اور خاص کر حسنی خاندان کی لئے ایک عظیم اور ناقابل تلافی نقصان بتایا گیا۔ تعزیتی جلسے میں محمد عارف نگرامی نے کہا کہ مرحوم مولانا حمزہ حسنی صاحب کی دینی، ملی، ادبی، صحافتی اور سماجی خدمات کی ایک طویل فہرست ہے۔ مرحوم ایک بہت ہی باصلاحیت منتظم ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف دینی اداروں کی ذمہ داریاں بخوبی انجام دے رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ مولانا حمزہ حسنی ندوی کا تعلق خانوادۂ نگرام کے اس علمی، ادبی، اور دینی گھرانے سے بے حد قریب تھا۔ جس نے ہندوستان میں ناقابل فراموش دینی تبلیغی، دعوتی اور علمی خدمات انجام دیں۔ انکی رحلت کو خانوادۂ نگرام اپنا ذاتی نقصان مانتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا رابع حسنی ندوی کو اس سانحۂ عظیم کو برداشت کرنے کی ہمت دے۔ تعزیتی جلسے میں ڈاکٹر عمار انیس نگرامی، ڈاکٹر عبدالقدوس ہاشمی، عماد انیس نگرامی، مسعود عالم جیلانی، محمد حسن متین، ایچ۔ ایم۔ یاسین، ڈاکٹر مسیح الدین خان، ڈاکٹر محمد حسان نگرامی، اسرار حسین شیروانی، رفعت شیدو صدیقی، ڈاکٹر طارق حسین، امتیاز علوی، ڈاکٹر فرید احمد صدیقی، وغیرہ نے شرکت کی۔

○

مولانا حمزہ حسنی ندویؒ اسلاف کا بہترین نمونہ تھے: قمر سیتاپوری

لکھنؤ: عالمی شہرت یافتہ معروف عالم دین مولانا حمزہ حسنی ندویؒ کے انتقال پر اظہار افسوس کرتے ہوئے بزم وقار ادب کے جنرل سکریٹری قمر سیتاپوری نے کہا کہ مولانا ندوی کی سماجی ملی و دینی بے لوث خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے زندگی کا زیادہ تر حصہ ندوۃ العلماء کی علمی و ادبی مصروفیات میں لگادی۔ مولانا ندوی حضرت مولانا علی میاںؒ اور حضرت مولانا رابع حسنی ندوی جیسی شخصیات کے تربیت یافتہ تھے۔ اسی لئے ان کے مزاج میں نرم گفتاری انکساری وعاجزی کا عنصر پایا جاتا تھا۔ مرحوم بڑی خاموشی سے دین کی خدمت کرتے رہے۔ وہ بہت منکسر المزاج اور شریف النفس انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے۔

○

مولانا حمزہ حسنی ندوی کا انتظامی صلاحیت میں منفرد مقام تھا: شاکر ہاشمی

لکھنؤ: اسٹرینگ کمیٹی پلاننگ کمیشن حکومت ہند کے سابق ممبر ڈاکٹر سلطان شاکر ہاشمی نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظر عام اور نائب ناظم جناب مولانا حمزہ حسنی ندوی کے انتقال پر اپنے تعزیتی پیغام میں دلی رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے مرحوم کے بارے مختصر جانکاری دیتے ہوئے کہا مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی 15 دسمبر 1950 میں پیدا ہوئے۔ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ابتدائی تعلیم اور پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ثانویہ وعالیہ تعلیم کے بعد حدیث شریف میں فضیلت بھی کی۔ ان کے والد مولانا سید محمد ثانی حسنی ندویؒ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے حقیقی بھانجے اور والدہ مرحومہ ان کی بھتیجی ہیں۔ مولانا حمزہ صاحب مولانا علی میاںؒ کے نواسے اور مولانا سید رابع حسنی ندوی کے داماد تھے۔ مولانا مرحوم کو شروع ہی سے مفکر اسلام کی شفقت وتوجہ حاصل رہی۔ شاید یہی وجہ رہی کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو اپنے دیار میں رمضان المبارک کے مہینہ اور جمعۃ الوداع کے دن ہی بلایا۔ مولانا مرحوم علمی صلاحیت کے ساتھ ساتھ انتظامی امور کی صلاحیت کے تعلق سے ایک ایسی عبقری شخصیت کے مالک تھے جنہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ ان کی رحلت دارالعلوم ندوۃ العلماء کا عظیم خسارہ ہے۔ میں نے ایک مخلص دوست اور نیک دل انسان کھو دیا ان کا انتقال میرا ذاتی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان خاص طور سے مولانا سید رابع حسنی ندوی کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

○

مدرسہ ریاض الجنۃ لکھنؤ

لکھنؤ: نائب ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کے انتقال پر کارکنان گولڈن فیوچر ومدرسہ ریاض الجنۃ (برولیا، ڈالی گنج، لکھنؤ) نے تعزیت پیش کر کے مرحوم کے لئے بلندئی درجات کی دعا کی۔ اور ایصال ثواب کیا گیا۔ مولانا محمد شمیم ندوی (دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے مولاناؒ کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ خانوادہ حسنی کے ایسے چشم وچراغ وممتاز فرد تھے، کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے حقیقی بھانجے اور ناظم ندوۃ العلماء سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے داماد ومعتمد خاص تھے، وہ ایک بہترین نمونہ تھے سادگی اور تواضع کا، بے نفسی اور بے نیازی کا، کم آمیزی، وکم گوئی کا، پرہیزگاری وپاکبازی کا، تواضع وانکساری کا، دوراندیش شخصیت کے مالک، اور احوال زمانہ پر گہری نظر تھی، طبعیت بنیادی طور پر تصوف وسلوک کی طرف مائل تھی، باکمال شخصیات کی سرپرستی وتربیت، اور گہوارہ علم وعمل میں پروان چڑھے، بزرگوں سے بڑی محبت وعقیدت، اور ان کی شفقتیں ودعائیں حاصل تھیں، جس سے اہل علم کے درمیان قابل رشک مقام تک پہنچے، ذاتی مفاد کے بجائے ہمیشہ ندوے کے مفاد کو ترجیح دی، دینی مدارس، ورفاہی اداروں کی افادیت کو لیکر ہر ملاقات پر مدرسہ ریاض الجنۃ کے کاموں کو سراہا، ہمیشہ ہم کارکنوں وہر ایک کے ساتھ شفقت وہمدردی کا معاملہ کیا۔ مولاناؒ نہ صرف متعدد مدارس وفلاحی اداروں کے روح رواں تھے، بلکہ دینی، ملی، تصنیفی، صحافتی اور سماجی خدمات کی ایک لمبی فہرست ہے، جو مولاناؒ کے لئے صدقۂ جاریہ، اور بلندئی درجات کا باعث ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ، ماہ رمضان کے آخری عشرہ (دن جمعۃ الوداع) میں اللہ کے حضور حاضری، یہ ان کی نیکی واللہ کے یہاں مقبولیت کی علامت ہے۔ مولانا مشہود السلام ندوی، حافظ عتیق الرحمٰن علیمی ''مستقبل'' احمد صدیقی (ناظر مطبخ قدیم)، ساجد حسین صاحب، مولانا ہارون رشید ندوی، مولانا نجیب الحسن صدیقی ندوی، مولانا عبداللہ مخدومی ندوی، مولانا وسیم احمد صدیقی ندوی، احمد میاں ایم اے،

مولانا ارشاد احمد اعظمی ندوی، راغب حسن ندوی، محمد شمیم ندوی، حافظ انس، کلیم اللہ ندوی، ادیب الرحمٰن ندوی، الطیع اللہ ندوی، حذیفہ، طیب وغیرہ نے بھی مرحوم کے لئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام، متعلقین خاص کر حضرت ناظم صاحب مدظلہ کو صحت وصبر جمیل عطا فرمائے جانے کی خدا سے دعا کی۔

○

اصلاح عام ٹرسٹ لکھنؤ

لکھنؤ: حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی صاحب نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا انتقال ہوگیا۔ مولانا حمزہ ندوی خانوادہ حسنی کے عظیم فرد تھے۔ ان کے والد ماجد مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی (1970 سے 1987) تک اپنے عہد کے ممتاز قلم کار اور شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی قدس سرہ (1987 سے 1998) کے خلیفہ اجل و مجاز بیعت اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ کے حقیقی بھانجے تھے۔ انھیں کے گہوارہ علم وعمل میں حمزہ حسنی کی ولادت 1950ء میں ہوئی۔ مولانا حمزہ کے انتقال کے پر اصلاح عام ٹرسٹ کے صدر انجینئر اموال احمد نے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آپ کی وفات سے ملت اسلامیہ میں ایسا خلا پیدا ہوا ہے جس کی تلافی ممکن نہیں، انہوں نے بتایا کہ مولانا ندوی نے ابتدائی تعلیم معہد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں حاصل کی جب کہ عالمیت و فضیلت کی سند دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے حاصل کی۔ ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کی رکنیت ہو یا امین العام (ناظر عام) ندوۃ العلماء کا پروقار عہدہ اور ''تعمیر حیات'' کی نگرانی، ندوہ کے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کے لئے مولانا کی کوششیں سرگرمیاں اور شبانہ روز جدوجہد، محنت، لگن، دعوتی اسفار نیز مشہور ومعروف رسالہ ماہنامہ 'رضوان'، لکھنؤ کی ادارت اور مختلف اداروں کی سرپرستی وغیرہ کے ساتھ ہی درس وتدریس کے باب میں ان کی لیاقت اور ادب عربی میں بالخصوص ان کے اسلوب نگارش نے اہل علم کے درمیان آپ کو قابل رشک قبولیت کے مقام تک پہنچادیا تھا۔ ندوہ کے دوران قیام آپ نے مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کی سفر وحضر میں خدمت کی اور ان کی خصوصیات اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی۔ ان کی طبیعت بنیادی طور پر تصوف وسلوک کی طرف مائل تھی۔ دو تین سال پہلے ہی اعیان علم اور ارباب ادارہ کے اتفاق رائے سے آپ ادارہ کے نائب ناظم منتخب ہوئے اسی طرح مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ کے اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدہ پر بھی آپ کا انتخاب صحیح معنوں میں لاجواب تھا، افسوس کہ اتنی ہمہ جہت صفات وخصوصیات کے حامل عالم دین فاضل متین کی جدائی بلاشبہ ملت اسلامیہ کا بڑا نقصان ہے۔ انجینئر اموال نے کہا کہ اللہ مولانا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور لواحقین خاص کر ندوۃ العلما کے ناظم مولانا رابع حسنی ندوی کو صبر جمیل عطا کرے۔

○

دار العلوم ندوۃ العلماء کے نائب ناظم مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کا انتقال

لکھنؤ: معروف دینی ادارہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے نائب ناظم، مشہور عالم دین مولانا حمزہ حسنی ندوی کا آج شام لکھنؤ میں انتقال ہوگیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی 15 دسمبر 1950ء میں پیدا ہوئے۔ معہد، دار العلوم ندوۃ العلماء میں ابتدائی تعلیم اور پھر دار العلوم ندوۃ العلماء سے ثانوی واعلیٰ تعلیم کے بعد حدیث شریف میں تخصیص بھی کیا۔ ان کے والد مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے حقیقی بھانجے اور والدہ مرحومہ ان کی بھتیجی ہیں۔ اس طرح ان کو شروع ہی سے مفکر اسلام کی شفقت وتوجہ حاصل ہوئی، ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے رکن منتخب ہوئے، اور 1999ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے لئے ان کی خدمات حاصل کی

گئیں، اور 2000ء میں امین العالم (ناظم عام) ندوۃ العلماء مقرر کئے گئے، اور پھر مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے انتقال کے بعد اس کے ترجمان "تعمیر حیات" کے نگراں مقرر کئے گئے اور ہنوز ہیں۔ مولانا خواتین کے رسالہ ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ کے بھی چالیس سال سے زائد عرصہ سے ایڈیٹر ہیں، اور مختلف اداروں کے ذمہ دار اور سرپرست ہیں۔ رائے بریلی مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی سوسائٹی کے نام سے ایک رفاہی تعلیمی ادارہ قائم کیا جس کے تحت لڑکیوں کی تعلیم کا بڑا ادارہ جامعہ ام المومنین عائشہ للبنات قائم ہے۔ مارچ 2018ء میں مجلس انتظامیہ نے بالاتفاق نائب ناظم منتخب کیا، اسی طرح مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ کے اسسٹنٹ سکریٹری بھی مقرر ہوئے۔

○

انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ لاہور مولانا حمزہ حسنی ندوی کے انتقال پر اظہار تعزیت

لاہور: (اپنے نامہ نگار سے)

انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے مرکزی امیر مولانا ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ، مرکزی سکریٹری جنرل مولانا ڈاکٹر احمد علی سراج، نائب امیر مولانا حافظ ملک عبدالصمد، مولانا عبدالرؤف مکی، مولانا محمد الیاس چنیوٹی ایم پی اے، مولانا صاحبزادہ زاہد محمود قاسمی، مولانا قاری شبیر احمد عثمانی، مولانا قاری محمد رفیق وجھوی اور مولانا غلام یاسین صدیقی نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم مولانا حمزہ حسنی ندوی کی وفات پر اظہار تعزیت کیا ہے۔

اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا ہے کہ مولانا حمزہ حسنی ندوی تمام زندگی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور سید سلیمان ندوی کے نقش قدم پر چلتے ان کے افکار و مشن کو عام کرنے، اسلام کی اشاعت، عالم اسلام کی اصلاح اور نسل نو کے ایمان کی حفاظت کے لئے شبانہ روز مصروف عمل رہے۔

○○○

حیات خلیل

(سوانح حیات حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری)

از: حضرت مولانا محمد ثانی رحمۃ اللہ علیہ

خاندان اور وطن، علمی وسیاسی ماحول، مشہور شخصیتیں اور خانوادے، تعلیمی، تدریسی اور تنظیمی سرگرمیاں، صفات وکمالات، علمی و دینی خدمات، تزکیہ نفوس، ارشادات وملفوظات، تصنیفات وتالیفات، ہمعصر علماء ومشائخ کی رائیں، خلفاء ومجاہدین کا تذکرہ اور مظاہر علوم کی مختصر تاریخ، یہ کتاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی کے حسب ایماء پر لکھی گئی ہے۔

MAKTABA-E-ISLAM

177/41, Rauf Market, Gwynne Road, Lucknow - 226018 (U.P.) INDIA

: 9415912042, 9453949221 : maktabaeislam@gmail.com

باطل طاقتوں نے پوری تندہی اور تمام جدید وسائل وذرائع سے لیس ہوکر صالح نظام حیات پر حملہ کردیا ہے اور پوری فضا کو زہر آلود کرنے کا کام نہایت کامیابی سے ہورہا ہے۔ اخبارات ورسائل ہوں فلم اور ٹیلی ویژن ہو یا ریڈیو یا ثقافتی انجمنیں سب اس طاغوتی مہم میں پوری تندہی اور زوروشور سے مصروف کار ہیں۔ مغربی ممالک سے درآمد شدہ ثقافتی انقلاب نے ان تمام قدروں کو مٹاڈالنے کی عزم مصمم کررکھا ہے، جو مذہب اور اخلاص سے تعلق رکھتی ہیں، اب حال یہ ہوگیا ہے کہ جو غیر اخلاقی کام بالارادہ کیا جاتا تھا وہ اب بلاارادہ سرزد ہونے لگا ہے، اب سنیما گھر جانے کی ضرورت نہیں، گھر گھر سنیما گھر قائم ہوگئے ہیں، اور گھر کے سب لوگ ایسے پروگرام دیکھتے ہیں جو اخلاق اور خاندان کے لئے زہر ہلاہل کی تاثیر رکھتے ہیں، ایسی خطرناک اور پرآشوب صورت حال میں ہمارا کیا رویہ ہونا چاہئے۔ کیا نئی نسل کو اس کے حال پر چھوڑ کر اور ان کو اخلاقی درندوں کے حوالہ کرکے گوشہ عافیت میں بیٹھ جانا چاہئے اور کبھی آہیں بھر کر معاشرہ کی بربادی پر تبصرہ کردینا ہی کافی ہے یا اس طوفان کے سامنے سینہ سپر ہوکر اس کا منھ پھیر دینا ہمارا مقصد حیات ہونا چاہئے۔

اسلام کی سرحدیں صرف زمین سرحدیں ہی نہیں ہوتیں بلکہ اخلاقی اور فکری سرحدیں بھی ہوتی ہیں۔ اس وقت مغربی طاغوتی لشکر کا حملہ زمینی سرحدوں پر نہیں بلکہ اخلاقی وفکری سرحدوں پر ہے اور اس وقت ضرورت اسی بات کی ہے کہ ہم بھی اس کے مقابلہ کے لئے تمام ضروری ذرائع ووسائل کا استعمال کریں اور تمام دنیا کو اخلاقی پیغام دیں اور یہ واضح کریں کہ تباہی کا راستہ کیا ہے اور کامیابی و ترقی کا راستہ کیا ہے اور ان طاغوتی طاقتوں کی رونمائی کریں جن کا مقصد حیات ہی انسانی معاشرہ کو زہر آلود کرکے موت کے گھاٹ اتارنا ہے۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اس کام میں کوتاہی کی گئی تو ہمارے معاشرہ کو یہ طوفان بلاشبہ تہہ وبالا کردے گا اور ہم اس گندے سیلابی پانی میں خس وخاشاک کی طرح بہہ جائیں گے۔

حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

لمحوں میں دن گذر گئے فصل بہار کے

برسانحۂ وفات سابق نائب ناظم وناظر عام ندوۃ العلماء مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

محمد مرتضیٰ سلفی ندوی

ہم سے جدا ہوئے ہیں چمن وہ نکھار کے
لمحوں میں دن گذر گئے فصل بہار کے

تکیہ تھا جن پہ ناز تھا ہر لمحہ ہر گھڑی
دمساز وہ کہاں ہیں دل داغدار کے

ڈھونڈیں گے اب کہاں انہیں بے کار ہے فضول
وہ تو پرے چلے گئے لمحے گذار کے

ندوے کو جن پہ ناز تھا حمزہ وہ نہ رہے
چرچے ہیں ان کے چارسو، بس حسن کار کے

سنجیدگی تمام ہوئی سادگی تمام
پیکر تھے بالیقیں وہ مہر و وقار کے

مغموم دل ہیں حضرت رابعؔ کو دیکھیے
کافور کیسے ہوں گے یہ غم دلفگار کے

آئی خزاں جھلس گئے گل پھول اور کلی
موسم یہ کیا بدل گئے باغ و بہار کے

صبر جمیل ہو عطا پسماندگان کو
چشم و چراغ تھے حسیں حسنی تبار کے

صحن چمن اداس ہے مغموم ہے فضا
راغبؔ یہ کیا نظام ہیں پروردگار کے

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

بچوں کے لئے اپنے طرز پر ایک آسان اور مفید کتاب جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بڑے اچھے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے جو دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں داخل ہے، یہ کتاب امۃ اللہ تسنیم مرحومہ صاحبہ ایڈیٹر رضوان کی قصص الانبیاء کا آخری حصہ ہے۔

MAKTABA-E-ISLAM

177/41, Rauf Market, Gwynne Road, Lucknow - 226018 (U.P.) INDIA

: 9415912042, 9453949221 : maktabaeislam@gmail.com

زادِ سفر

اردو میں احادیث نبوی کا مجموعہ

(ترجمہ ریاض الصالحین، از: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ)

مترجمہ: امۃ اللہ تسنیم مرحومہ

مقدمہ: علامہ سید سلیمان ندویؒ

حدیث نبوی کی مشہور کتاب ”ریاض الصالحین“ کا سلیس وشگفتہ اردو ترجمہ جس میں وہ روایات ہیں جو فضائل اعمال، اخلاق، اصلاح وتہذیب اور زندگی کے روزمرہ کے احکام ومسائل سے تعلق رکھتی ہیں۔

یہ کتاب: بہترین مصلح مربی اور مرشد کا کام کرتی ہے، ہر عنوان کے نیچے قرآن مجید کی آیات مع ترجمہ پھر احادیث میں ذیلی عنوانات جگہ جگہ موضوع کی ہدایت کرتے ہیں۔

دلکش ٹائٹل، کمپوزنگ اور بہترین طباعت کے ساتھ نیا ایڈیشن پیش خدمت ہے۔

MAKTABA-E-ISLAM

177/41, Rauf Market, Gwynne Road, Lucknow - 226018 (U.P.) INDIA

: 9415912042, 9453949221 : maktabaeislam@gmail.com

بچوں کی قصص الانبیاء

از: مخدومہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ

چار حصوں پر مشتمل اس کتاب میں بچوں کی آسان زبان میں نبیوں کے حالات لکھے گئے ہیں، صرف قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں اس کتاب کے بارے میں مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی تحریر فرماتے ہیں:

"ان سے چھوٹے بھائی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب قصص الانبیاء للاطفال اب نہ کسی تعریف کی محتاج ہے نہ تعارف کی، سلیس وشستہ عربی میں پیغمبروں کے سچے سبق آموز پر ہدایت حالات لڑکوں اور بوڑھوں سب کے پڑھنے کے قابل ہیں۔ ان کی بہن صاحبہ نے یہ کیا کہ انہیں مطالب کو اردو میں منتقل کردیا، کتاب ترجمہ نہیں ترجمہ سے کچھ بڑھ کر ہے زبان کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں، جو لڑکے لڑکیاں اس کو پڑھیں گے وہ ساتھ ساتھ اردو زبان بھی سیکھتے جائیں گے۔"

حصہ اوّل	: حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام
حصہ دوم	: حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام۔
حصہ سوم	: حضرت موسیٰ علیہ السلام۔
حصہ چہارم	: حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام

ناشر: مکتبہ اسلام امین آباد گوئن روڈ، لکھنؤ

MAKTABA-E-ISLAM

177/41, Rauf Market, Gwynne Road, Lucknow - 226018 (U.P.) INDIA

: 9415912042, 9453949221 : maktabaeislam@gmail.com

The aaa العطور
FRAGRANCES
PH. : 918826838107
100% PURE
RAW HONEY
The aaa FRAGRANCES
F-11, 40ft Road, Infront of Al-Habib Masjid, Shaheen Bagh Part-2, Jamia Nagar, Okhla,
New Delhi-110025 (INDIA) Mob. : +91 8826 838 107, E-mail : infotheaaa@gmail.com

SIM
Sleep India
MATTRESSES
LUXURY PILLOWS | BOLSTERS | CUSHION | COMFORTER
"YOUR SLEEP QUALITY IS IMPORTANT TO US"
10 GAURANTEE YEARS
Coir Mattress
Spring Mattress
Latex Mattress
Foam Mattress
Bonded Mattress
Memory Foam Mattress
The Lucknow Furnishing
Office : 2-UGF, Bela Market, Akbari Gate, Tulsidas Marg, Lucknow.
Godown : Hardoi Road, Dasahri Mob. : 8840549924, 9936865533, 7905480648

دینی علمی فکری
اور اصلاحی بیانات
حمد و نعت
دار الرشید
DAR AL RASHEED
Dar Al Rasheed

Postal Regd. No. LW/NP-184/2021-23 R.N. 2416/57
Posting Date : 02, 03 Publish Date 2nd Week of the Month (Page 44)
Dispatch P.O., R.M.S. Charbagh, Lucknow

Monthly

Rizwan

Rs. 30

172/54, Mohammad Ali Lane, Gwynne Road, Lucknow-226018 Mobile : 9415911511